بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ اولیائے جھنگ

تصنیف

بلال زبیری

جھنگ ادبی اکاڈمی جھنگ صدر

Www.MadaariMedia.Com

MADAARI MEDIA

دم مدار بیڑا پار

The Silsila e Aaliya Madaariya Social Platform

سلسلۂ مداریہ کے بزرگوں کی سیرت و سوانح

سلسلۂ عالیہ مداریہ سے متعلق کتابیں

سلسلۂ مداریہ کے علماء کے مضامین تحریرات

سلسلۂ مداریہ کے شعراء اکرام کے کلام

حاصل کرنے کے لئے اس ویب سائیٹ پر جایئے

www.MadaariMedia.com

@MadaariMedia

@MadaariMedia

@MadaariMedia

@MadaariMedia

Authority : Ghulam Farid Haidari Madaari

تعداد اشاعت طبع دوم ـــــ ایک ہزار، جولائی ۱۹۶۸ء

ناشر ـــــ عباس مختار

طابع ـــــ مسعود پرنٹرز، میکلوڈ روڈ لاہور

پبلشرز ـــــ جھنگ ادبی اکاڈمی جھنگ صدر

قیمت مجلد عام کاغذ ـــــ چھ روپے

قیمت غیر مجلد عام کاغذ ـــــ پانچ روپے

قیمت مجلد سفید کاغذ ـــــ آٹھ روپے

پرنٹر ـــــ خواجہ صادق کاشمیری

جملہ حقوق محفوظ ہیں،

پیارے بیٹے

اقبال حسن زبیری کے نام

★———— بلال زبیری

فہرس

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	دوسرا ایڈیشن	۹
۲	حرفِ آغاز	۱۳
۳	تعارف نامہ	۳۷
۴	جھنگ نما	۵۱
	(الف)	
۵	ابوزید محمد	۹۷
۶	احمد درویش حاجی	۱۰۰
۷	احمد یار خلیفہ صوفی	۱۰۶
۸	اسماعیل شاہ بخاری	۱۰۹
۹	اصحاب	۱۱۲
۱۰	اللہ جوایا شاہ	۱۱۳
۱۱	اللہ داد شاہ	۱۱۵
	(ب)	
۱۲	باہو سُلطان	۱۱۶
۱۳	باقی شاہ	۱۲۷
۱۴	برخوردار حافظ	۱۲۹
۱۵	برہان شاہ بخاری	۱۳۸
۱۶	برہانُ الدین احمد لنگر مخدوم	۱۴۲
۱۷	بلاق شاہ	۱۴۴
۱۸	بلبیل قریشی	۱۴۶
۱۹	بہلول شیخ	۱۴۸
	(پ)	
۲۰	پاکھرا سُلطان	۱۵۷

۲۱ پھولا بابا ۱۶۱

(ت)

۲۲ تاج الدین سوری ۱۶۳

۲۳ تاج الدین مخدوم اٹھارہ ہزاری ۱۶۴

۲۴ ترک مائی صاحبہ ۱۶۷

(ج)

۲۵ جمال محمد حافظ ۱۶۸

۲۶ جلیل الدین قریشی ۱۷۲

۲۷ جمیل الدین قریشی ۱۷۳

(چ)

۲۸ چراغ شاہ سید ۱۷۴

۲۹ چھلیا نوالی مائی صاحبہ ۱۷۹

۳۰ چنول میاں ۱۷۸

۳۱ چوہڑ شیخ ۱۸۲

(ح)

۳۲ حسین شاہ ہاشمی ۱۸۵

۳۳ حسین شاہ ۱۸۷

۳۴ حماند ماتھرومہ ۱۸۹

(خ)

۳۵ خلیل شیرازی ۱۹۲

(د)

۳۶ داؤد احمد مخدوم ۱۹۳

۳۷ دولت شاہ رجوعہ ۱۹۴

۳۸ دھجی پیر ۱۹۷

(ر)

۳۹ راجن امام ۲۰۰

۴۰ راستی بی بی ۲۰۴

(ز)

۴۱ زلف علی شاہ ۲۰۶

(س)

۴۲ سادھنا جوان ۲۰۸

۴۳ سعد اللہ نقش بندی ۲۰۹

(ش)

۴۴ شاہ جیونہ ۲۱۱
۴۵ شیخ علی ۲۱۸
۴۶ شیخ لاہوری ۲۲۰
۴۷ شہیدان چشت ۲۲۸

(ص)

۴۸ صادق نہنگ ۲۲۹

(ع)

۴۹ عبدالرحمٰن پیر ۲۳۲
۵۰ عبدالغفور پیر ۲۳۵
۵۱ عبدالقادر جیلانی ثانی ۲۳۹
۵۲ عبدالکریم حافظ ۲۴۸
۵۳ عثمان میاں ۲۵۰
۵۴ علی شیر سید ۲۵۲
۵۵ علی محمد نقش بندی ۲۵۴
۵۶ عنایت شاہ ۲۵۸

(غ)

۵۷ غازی پیر ۲۵۹
۵۸ غریب شاہ ۲۶۱

(ف)

۵۹ فتح اللہ سہروردی ۲۶۳
۶۰ فتح شاہ پیر ۲۵۶
۶۱ فتح محمد سلطان ۲۶۷

ک

۶۲ کالیہ پیر ۲۶۹
۶۳ کبیر شیخ ۲۷۱
۶۴ کمال الدین مخدوم ۲۷۶

گ

۶۵ گامے شاہ ۲۷۸
۶۶ گل شیر مخدوم ۲۸۱
۶۷ گوہر شاہ گیلانی ۲۸۲

(ل)

۶۸ لالن پیر ۲۸۴

۶۹ لدھن امام ۲۸۵

۷۰ لڈا ماہنی ۲۸۸

(م)

۷۱ ماچھی سلطان ۲۹۰

۷۲ مبارک شاہ سندھی ۲۹۴

۷۳ محبوب عالم ۲۹۹

۷۴ محمد صالح ۳۰۱

۷۵ محمد صدیق لالی حافظ ۳۰۲

۷۶ محمد خلیل سہروردی ۳۰۵

۷۷ محمد فاضل ۳۰۷

۷۸ مدو کانواں ۳۱۰

۷۹ مراد شاہ ۳۱۳

۸۰ مستانہ کلواڑ ۳۱۶

۸۱ میاں وڈا محمد اسمٰعیل ۳۲۷

۸۲ میاں محمدی ۳۲۵

۸۳ میر شہدا ۳۳۰

(ن)

۸۴ نور احمد نقش بندی ۳۳۱

۸۵ نور محمد نکیانہ ۳۳۹

۸۶ نور شاہ مداری ۳۴۱

۸۷ نورنگ جہانیاں ۳۴۲

(و)

۸۸ واصل حق ۳۴۶

۸۹ وزیر خاں ۳۵۰

ہ

۹۰ ہاتھی وان سلطان ۳۵۷

۹۱ ہیر مائی صاحبہ ۳۶۴

●

۹۲ مختصرات ۳۸۴

۹۳ کتابیات ۳۹۹

اظہارِ تشکر

تذکرہ اولیائے جھنگ کی طباعت و اشاعت میرے محترم دوست محمد اکرم صاحب کی خصوصی عنایت کا نتیجہ ہے۔ موصوف نے ازراہِ تلطف و قدر افزائی مجھ ناچیز کا ذکر بھی اپنے قلم سے جزوِ کتاب بنانا ضروری خیال کیا ہیں ان کے حسنِ ظن اور جذبات خلوص و محبت کا صمیمِ قلب سے شکر گزار ہوں۔ ع

ہرچہ کردم ہمہ از دولتِ "ایشاں" کردم

—— ان کے علاوہ میں ملک محمد یوسف، میاں غلام محمد رنگین، محمد سعید ملک، سید مظفر علی ظفر، سید غفران احمد اور ظفر اقبال صاحب کا بھی ممنون ہوں، اگر ان کی مخلصانہ اعانت شاملِ حال نہ ہوتی تو اس کتاب کا پایۂ تکمیل تک پہنچنا مشکل تھا۔

—— بلاذل زبیری

دوسرا ایڈیشن

تذکرہ اولیائے جھنگ کا دوسرا ایڈیشن آپ کے سامنے ہے اس کا پہلا ایڈیشن تخلیق مرکز لاہور نے شائع کیا تھا۔ جھنگ اَدبی اکیڈمی کے اصرار پر میں نے اشاعت کے حقوق انہیں منتقل کر دیئے ہیں

کتاب کی مقبولیت کا اس سے بہتر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ دو ماہ کی قلیل مُدّت میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے ایک عام اندازے کے مطابق اشاعت ثانی بازار کی طلب سے کافی کم ہے شاید مجھے جلد ہی تیسرا ایڈیشن چھاپنا پڑے اہلِ علم و ادب نے کتاب کی ترتیب و تدوین کو پسند فرمایا اور مندرجات سے بھی ۹۹ فی صد اتفاق کیا۔ واقعات کی تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں میری احتیاط علمی حلقوں میں بے حد سراہی گئی پہلے ایڈیشن کے دیباچے میں جملہ امور کا تفصیلی ذکر موجود ہے جن کا اعادہ نامناسب ہوگا۔ کتاب کے بارے میں میرے ہزار قسم کے وسوسے بے بنیاد ثابت ہوئے کسی بھی فرد یا حلقہ نے میرے مندرجات سے اختلاف نہیں کیا بلکہ کتاب کو "پہلی کامیاب کوشش" قرار دیا گیا۔ البتہ کتابت کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کی گئی جو موجودہ ایڈیشن میں درست کر دی گئی ہیں چند اصحاب نے بزرگوں کے مختصر حالات کی شکایت کی، ان کی خدمت میں عرض ہے کہ اس تشنگی اور کمی کو میں نے خود بھی محسوس کیا ہے لیکن کتاب کی ضخامت اور قیمت کے ہاتھوں مجبور ہوں۔

اولیائے جھنگ

بعض دوستوں نے اسے نامکمل قرار دیا کیونکہ اس میں بعض بزرگوں کے حالات شامل نہیں ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ ایسے بزرگوں کے مصدقہ کوائف مجھے فراہم کر دیں تاکہ اس کا تیسرا ایڈیشن ان کے تذکرے سے خالی نہ رہے۔

حضرت سلطان العارفین سلطان محمد باہو کی والدہ محترمہ کے مزار کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا میری تالیف میں ان کا مدفن قبرستان بیبیاں ملتان مذکور ہے مگر بعض بزرگوں نے اسے غلط بتایا ہے ان کی خدمت میں دست بستہ گذارش ہے کہ مزار کے متعلق واضح ترین سند کوئی نہیں ہے صرف کتاب "مناقب سلطانی" سے ہی مزار کے مقام کا تعین ہو سکتا ہے۔ حضرت بی بی راستی کے حالات کے تحت متذکرہ صدر کتاب کا پورا حوالہ موجود ہے جس سے غلط فہمی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

بعض حلقوں نے میرے مضمون پر اعتراضات کیے ہیں اور اس ضمن میں الزامات سے بھی گریز نہیں کیا۔ مجھے الزامات کی مطلق پروا نہیں کیونکہ میری نیت پاکیزہ اور ارادہ شفاف ہے میں نے ثبوت اور سند کے بغیر کوئی بات نہیں لکھی۔ جو کچھ میرے مطالعہ میں آیا بلا کم و کاست درج کر دیا جس کی میں ہر ممکن ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ بعض اصحاب نے میری علمی کاوش کو سیالوں کی مدافعت اور صفائی پر محمول کیا حالانکہ میرا منشاء ہرگز یہ نہیں تھا۔ اگر مجھے سیالوں کی عزت و عصمت عزیز ہوتی تو مرزا صاحباں کی داستان سے بھی انکار کیا جا سکتا تھا۔ واقعات اور حقائق کے روبرو زبانی روایتوں اور شاعرانہ خیال آفرینیوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی شعرائے کرام کے قلم سے تو حضرت یوسف علیہ السلام ایسا پیغمبر بھی اپنے دامن عصمت کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ پیغمبر کی عصمت بہرحال مسلم ہے جو شخص عصمت انبیاء

کا قائل نہیں اس کا اسلام محل نظر ہے ، ایک عام عورت کا تو ذکر ہی کیا؟ ہیر کے بارے میں شعرائے کرام کی افسانہ طرازی ہرگز حقیقت نہیں یہ الگ بات ہے کہ صدیوں سے ہمارے ذہن قصے کی اثر آفرینی سے مسحور ہو چکے ہیں اور روایات کے بندھن سے آزاد نہیں ہو سکتے جو شخص ناخن سے گوشت جدا کرنے کی کوشش کرے گا مورد الزام ٹھہرایا جائے گا۔ (ہیر کے بارے میں میری تحقیقات کتابی صورت میں الگ شائع کی جا رہی ہیں)

بعض کرم فرماؤں کو اعتراض ہے کہ حصہ تاریخ میں سیالوں کی تمام شاخوں اور کڑیوں کی تفصیل نہیں دی گئی اس کے بارے میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ میرے سامنے ضلع کی تاریخ تھی صرف سیالوں کی نہیں، ضلع کی سیاسی تاریخ میں ایسے سیال بزرگوں کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے جن کے بغیر تاریخ کا حصہ تشنہ رہتا ورنہ سیالوں کی تاریخ اپنی جگہ موجود ہے۔

آخر میں اس قدر صراحت ضروری ہے کہ اس ضلع نے واقعی نامور شخصیتوں کو جنم دیا ہے لیکن آج تک کسی کو ضلع کی سیاسی یا روحانی تاریخ مرتب کرنے کی توفیق نہ ہوئی، ماضی کے اندھیرے میں زبانی روایتوں کا انبار تھا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ سعادت میرے حصہ میں آئی۔ مجھے کسی قسم کا کوئی دعویٰ نہیں ہے کتاب ضلع کی ضرورت کے تحت لکھی گئی تاہم اتنا یقین ہے کہ میری تصنیف اس موضوع پر آئندہ تحقیقات کی بنیاد ثابت ہوگی جس کے بغیر کوئی محقق یا مؤرخ ایک قدم نہیں چل سکے گا۔

والسلام

بلال زبیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

حرفِ آغاز

خدائے علیم و بصیر کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اولیائے جھنگ کے اہم اور تحقیق طلب موضوع پر میری تالیف طباعت و اشاعت کے مراحل بحسن تمام طے کر کے منظرِ عام پر آ گئی ہے ۔ یہ کتاب سرزمین جھنگ کی تاریخ اور تہذیب کی آئینہ دار ہے مجھے قوی اُمید ہے کہ اہلِ جھنگ عام قارئین کے ساتھ ساتھ اسے اپنی خصوصی توجہ اور دلچسپی کا مرکز قرار دیں گے ۔ اور میری حوصلہ افزائی کے پہلو بہ پہلو مجھے مفید اور کار آمد مشوروں سے بھی نوازیں گے ۔

حالات و واقعات کی چھان بین اور کتاب کی ترتیب و تدوین میں آٹھ سال کا طویل عرصہ دربدر کی ٹھوکریں کھانے میں صرف کیا ۔ سوانحی خطوط کے گم شدہ

گوشوں کی تلاش، صدیوں کے تساہل و تغافل کے گرد و غبار کی جھاڑ پونچھ اور پھر صاحبِ سوانح کی سیرت اور تعلیمات کے صحیح نقوش سے عصرِ حاضر کے اصحاب علم و بنیش کا تعارف خاصہ دِقت طلب کام تھا۔ کام کی نوعیت و ماہیت اور تحقیق و تفتیش کی دشوار گزار مشکلات کے مقابلے میں میرے وسائل و ذرائع قطعی محدود تھے، تاریخ کی پُر پیچ پگڈنڈیوں پر پاپیادہ سفر اور ماضی کی بُھول بُھلیوں سے واپسی کا مرحلہ جان لیوا تھا جعل سازیوں کے ذخائر اور مرحوم افسانوں کے قبرستان میں رہنمائی و نشان دہی کے بغیر صحیح روایات کی جستجو کارِ لاحاصل سے کم نہ تھی۔ متعلقہ موضوع پر کسی کتاب کی دست یابی تو بہت دُور کی بات تھی۔ میری وحشت و سراسیمگی کا سبب تو بعض وابستگانِ مزارات کا اندوہ ناک رویہ تھا، یہی وہ "پیرانِ پارسائی" جو پیری مریدی کی دُکانیں سجائے ہر دم گاہکوں کے متلاشی و منتظر رہتے ہیں۔ جن کا دنیاوی جاہ و جلال مزارات کی آمدنی کا رہینِ منت ہے۔ لیکن جنہیں اپنے اسلاف کے کارناموں سے ایک فی صد بھی واقفیت نہیں، ایک عام شخص کی مانند وہ بھی اپنی تاریخ سے بے خبر ہیں۔ انھیں فقط اپنے علاقے کے جغرافیے سے دل چسپی ہے، یہ نام نہاد مجاور اور متولی اپنے بزرگوں کی تعلیمات کے برعکس ان کی قبروں کو لوٹ کھسوٹ اور عوامی استحصال اور زراندوزی کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں، بظاہر تو ہمہ وقت بزرگوں کا تذکرہ اِن کی ناخلف زبان پر جاری رہتا ہے لیکن عملی دُنیا میں بقول حافظ "آں کار دیگری کنند" ـــہ

شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ
انگلیاں فگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا

مجھے حالات وواقعات کی تحقیق کے سلسلے میں ضلع جھنگ کی متعدد مشہور درگاہوں اور خانقاہوں کا طواف کرنا پڑا۔ اَن گنت سجادہ نشینوں سے رابطہ استوار ہوا۔ مجھے صرف حقیقت کی تلاش تھی جب میں اپنا مدعا بیان کرتا تو اُن کی طرف سے مجھے مختلف نوعیت کے جوابات ملتے، کسی کا کہنا تھا ہم خود آگاہ نہیں ہیں بعض نے اپنے بزرگوں کے حقیقی ناموں سے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ چند کے پاس زبانی روایات کا انبار تھا جس کی قدر وقیمت الف لیلوی داستانوں سے زیادہ نہ تھی۔ الغرض کہیں سے مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا، اولاً تو ان لوگوں کی عدیم الفرصتی کے باعث ان سے میری ملاقات کے امکانات محدود تھے لیکن اگر کہیں خوش بختی سے ملاقات میسّر آگئی تو وہ سلسلۂ گفتگو میں میرا موضوع سنتے ہی بدک جاتے، بایں ہمہ اگر کسی نے مجھ سے خوشِ اخلاقی اور وضعداری کا سلوک مناسب سمجھا تو اس حد تک کہ ہمارے پاس مصدقہ حالات نہیں ہیں تلاش کے بعد اطلاع دیں گے، معدودے چند حضرات نے از خود بھی مجھے حالات سے باخبر کیا۔

ایسی المناک صُورتِ حال میں میرے لئے سلسلۂ تحقیق جاری رکھنا محال تھا۔ میں اپنی بے بضاعتی پر متاسف اور ناچار شکست تسلیم

کرنے پر آمادہ تھا، من جملہ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میرے شہر کے ایک بدنام ترین شخص نے ضلع کے متمول زمینداروں اور گدی نشینوں کو ایک کتاب کے نام پر لوٹنے کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ یہ شخص ہر صاحب حیثیت کے پاس جاتا اور ان سے خاندانی کوائف اور تصاویر حاصل کر کے کتاب کی اشاعت کا جھانسہ دے کر روپیہ بٹور لاتا، اسی دوران مجھے بھی سجادگان سے رابطہ پیدا کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی، میں نے محسوس کیا کہ یہ لوگ مجھے بھی مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اور کتاب کو محض کھانے پینے کا بہانہ تصور کرتے ہیں، اکثر اصحاب سے ملاقات میں ناکامی کا ایک سبب یہی تھا، باوجودیکہ میں نے ہمیشہ ان کی خدمت میں واضح الفاظ میں عرض کیا کہ مجھے مالی اعانت کی طلب نہیں محض بزرگوں کے حالات و واقعات درکار ہیں تاکہ میں ضلع جھنگ کی علمی و روحانی تاریخ مرتب کر سکوں۔ الغرض ابتدائی دو سال میرے لئے انتہائی مایوس کن تھے، اور چاروں طرف سے ناکامیوں اور مصیبتوں کی گھٹاؤں نے گھیر لیا تھا لیکن بقول نظیری ؎

ہمیشہ تار و پود کار ناہموار می بستم
دل و دستم نبود و خویش را بر کار می بستم

میں کتاب کے ذریعے حصولِ دولت کا متمنی نہیں تھا اور نہ ہی مجھے کوئی اور دنیاوی لالچ تھا، اپنی شہرت و علمیت کا ڈھنڈورا پیٹنا بھی

میرا مقصود نہیں تھا، میرا مقصدِ وحید سرزمینِ جھنگ کے عارفان باللہ کی زندگیاں قلمبند کرنا تھا تاکہ عوام ان کی صحیح تعلیمات سے مستفید ہو سکیں۔

بالآخر خدائے بزرگ و برتر کی بندہ پروری سے میرے قلب و فکر کی مایوسیاں کافور ہوگئیں۔ ربُّ العزّت نے مجھے حوصلہ، عزم و استقامت اور محنت و لگن کی دولت سے نوازا۔ دُنیاوی سہارے میری نظروں کے سامنے ہیچ ہوگئے اور میں ان سے یکسر بے نیاز۔ میں نے اپنے تمام تر ذرائع بروئے کار لانے کا تہیہ کر کے مطالعہ شروع کر دیا، مطلوبہ موضوع پر مطبوعہ یا غیر مطبوعہ مواد جہاں سے بھی میسّر آسکا پڑھ ڈالا۔ اِس دوران میں مجھے بعض قیمتی دستاویزات، خطوط، ملفوظات اور اقوال ملے جن سے میں نے حسبِ ضرورت اِستفادہ کیا۔ بندوبست اراضی ۱۸۶۰ء اور ۱۸۸۰ء کے کاغذات سے بھی مجھے خاصی مدد ملی۔ ایک انگریز سیّاح نے جو اٹھارہویں صدی کے آخر میں ہندوستان آیا تھا، کلکتہ سے ہزارہ تک پیدل سفر کر کے راستے میں جہاں جہاں قیام کیا یا گزرا ان مقامات کے اہم واقعات کا ذکر بھی اپنی کتاب میں کیا تھا۔ بعض سیاسی و مذہبی شخصیتوں کو بھی اس نے اپنی تصنیف میں جگہ دی۔ یہ کتاب بھی سرکاری دفاتر میں موجود تھی۔ اگرچہ مقامی دفاتر سے مجھے اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہ ہوسکا، لیکن ملتان جا کر میں نے اس کا بغور جائزہ لیا۔ اضلاع کے سرکاری گزیٹرز نے بھی میری رہنمائی کی، اِن سے بھی بعض بزرگوں

کے حالات اخذ کئے۔

میں نے حتی الوسع کتابی اور دستاویزی ثبوت کی بناء پر واقعات کو پرکھا اور مرتب کیا، لیکن جہاں مجھے مصدقہ ثبوت نہ مل سکا وہاں میں نے سجادگان کی روایات یا ان کے مریدوں کی حکایات کا سہارا لیا، لیکن ان کی چھان پھٹک میں بھی اپنی علمی استعداد کے مطابق کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا بزرگوں سے منسوب کرامات کا سلسلہ بڑا وسیع تر ملا، لیکن میرا مقصد محض کرامات کا تعارف نہیں تھا بلکہ میں بزرگوں کے سوانحی حالات کو منضبط کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی تعلیمات کے نقوش اُجاگر کرنا چاہتا تھا اِس لئے خوارق العادت واقعات کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔

اِس کتاب میں لگ بھگ ایک سو بیس عارفانِ کامل اور فقرائے اُمّت کے حالات شامل ہیں، اِن میں سے بیشتر کا ماخذ کتب اور تاریخی دستاویزات ہیں، یہ ہماری انتہائی بدقسمتی ہے کہ اب تک بزرگانِ دین کے موضوع پر بہت کم کتابیں دستیاب ہوتی ہیں۔ میں ایک مدّتِ مدید کے بعد آج اِس قابل ہوا ہوں کہ اپنی قطرہ قطرہ جمع کردہ محنت کو کتابی شکل میں پیش کر سکوں۔ جہاں تک میری علمی استعداد کا تعلق ہے میں خود کو اِس منزل کا مبتدی سمجھتا ہوں اور کاروانِ علم و عرفان کی گرد راہ، نہ میرے پاس دنیاوی علوم کی ڈگریاں ہیں، نہ میں نے کسی سکول و کالج کا مُنہ دیکھا ہے

اور نہ ہی میں کسی مسندِ علم و ارشاد کا طفیلی ہوں، نہ مجھے کسی سلسلے سے نسبت ہے نہ اپنی علمیت کا دعوےٰ ہے، نہ اپنی پاک بازی کا گمان ہے، نہ خود کو بزرگوں کی محفل کے قابل سمجھتا ہوں، اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا اعتراف و اقرار کرتے ہوئے میں نے ہمیشہ ربّ العزّت کی ذات کریمی پر نظر رکھی اور اُسی کے دربار سے مجھے فکر و قلم کی دولت عطا ہوئی اور بارگاہِ عالیہ جناب محمد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وسلم سے وہ تمام ذرائع میسّر آئے جن سے میں بکھرے ہوئے اوراق کو یک جا کرنے میں کامیاب ہوا۔

میں اپنے موضوع کو نبھانے میں کس حد تک کامیاب ہوں اس کا فیصلہ قارئین کرام کا کام ہے وہ میری مشکلات کو ملحوظِ خاطر رکھ کر خود انصاف کر سکتے ہیں جہاں تک واقعات کی تحقیق کا تعلق ہے میں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ وہی حصّے ضابطۂ تحریر میں آئیں جن کے مآخذ مضبوط اور مربوط ہوں، تاہم بشری لغزشوں کا ہر وقت امکان ہے، اگر کسی جگہ میرے قلم نے غیر دانستہ طور پر سنین یا دُوسرے امور میں ٹھوکر کھائی ہو تو قارئین سے گزارش کروں گا کہ وہ مجھے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اُس کی اصلاح کر سکوں۔

اِس سلسلہ میں بعض اہم امور کی نشان دہی بے جا نہ ہو گی تاکہ قارئین کتاب کے اصل حصے پڑھنے سے پہلے اِن سے واقف ہو سکیں،

پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے جن کتب و رسائل اور دستاویزات سے استفادہ کیا ہے، ان کا ذکر مروجہ طریق پر حاشیوں میں نہیں کیا، کیونکہ اس میں کئی قباحتیں ہیں، اوّل تو یہ بہت پرانا طریق کار ہے۔ دوم بعض اوقات قارئین اس سے اُلجھن میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کیونکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصل مضمون سے حوالے کی عبارت طویل ہو جاتی ہے اور کتاب کا حسن قائم نہیں رہتا، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس طرح کتاب کی ضخامت میں اضافہ ہو جاتا اور اس کے ساتھ لامحالہ قیمت میں بھی اضافہ کرنا پڑتا جس سے یہ کتاب عوام تک نہ پہنچ سکتی بلکہ چند شخصیتوں اور اداروں تک محدود ہو کر رہ جاتی اس خیال سے میں نے طویل اقتباسات اور حواشی سے احتراز کیا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ میں نے کتاب کی زبان عام فہم رکھی ہے، تاکہ معمولی پڑھا لکھا شخص بھی اس سے فائدہ حاصل کر سکے۔ حتیٰ کہ سکولوں کے طلباء بھی اس کی سادہ اور سلیس عبارات سے بآسانی مطالب اخذ کر سکتے ہیں۔

تیسری بات جس کی صراحت ضروری ہے یہ ہے کہ بعض بزرگوں کے حالات بے حد مختصر ہیں، کیونکہ میں نے ان میں اپنی طرف سے کسی حک و اضافہ سے گریز کیا ہے۔ محض زیبِ داستاں کی خاطر من گھڑت

واقعات کو بزرگوں سے منسوب کر دینا میرے لئے موزوں نہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ بزرگوں کے مخصوص عقائد پر میں نے دیدہ و دانستہ بحث و مذاکرہ کا دروازہ نہیں کھولا، کیونکہ اول تو یہ میرے موضوع سے خارج ہے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر بزرگوں کے مخصوص عقائد اور تعلیمات متنازعہ فیہ بن چکی ہیں اور اب ان کی اولاد یا ارادت مند ان پر عمل پیرا نہیں، اگر میں اس میں الجھ جاتا تو میرے لئے موضوع کا سنبھالنا دشوار ہو جاتا، تاہم میں دیانت داری سے محسوس کرتا ہوں کہ علمی نقطۂ نظر سے ان کی چھان بین ہونی چاہئے اور جو لوگ اپنے بزرگوں کے مسلک سے انحراف کر چکے ہیں انہیں۔ قرار واقعی رسوائی ملنی چاہئے۔ میں اس موضوع کو کسی دوسرے موقع کے لئے ملتوی رکھتا ہوں۔

پانچویں بات قارئین کو یہ بھی ملحوظِ خاطر رکھنی چاہئے کہ جن مزارات سے جاگیریں، زمینداریاں اور نذرانے وابستہ ہیں ان کی شہرت بھی اسی حساب سے ہے یہ الگ بات ہے کہ اِن کے وارث کیسے لوگ ہیں۔

چھٹی بات یہ ہے کہ میری تحقیقی مہم کے دوران عناد اور پارٹی بازی نے بھی میرے راستے میں سنگِ گراں بننے کی کوشش کی۔ بعض مزارات ایسے ہیں جن کی تولیت متنازعہ فیہ ہوگئی۔ دو فریق بن گئے

دونوں نے عدالت سے رجوع کیا، مقدمات چلتے رہے اس طرح تاریخی دستاویزات مقدمات کی مثلوں میں شامل ہوگئیں اور محقق کی دست بُرد سے محفوظ۔ ثانیاً میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ ہر فریق نے میری آمد کو دوسرے فریق کی سازش تصوّر کیا، اس طرح میری حیثیت مشکوک قرار پائی۔ ان لوگوں نے اپنے مفادات کی خاطر تحقیق کے نیک جذبے کی قدر کرنا تو کجا اس کی اہمیت و ضرورت تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

یہاں تک تو بحیثیت مجموعی ان مشکلات کا ذکر تھا جو مجھے تحقیق کے دوران پیش آئیں، لیکن بعض انفرادی واقعات کا تذکرہ بھی غیر مناسب نہ ہوگا۔ قارئین کرام کو عارفانِ کامل کی اولاد ہونے کے مدعیوں کے ظرف و ضمیر اور علم و توجہ سے واقفیت ہو جائے گی۔

میں نے تحصیل جھنگ کے ایک روحانی پیشوا کی اولاد میں سے ایک شہرت یافتہ شخصیت سے ملاقات کی، یہ آدمی پاک و ہند میں سیاسی و کاروباری حیثیت سے معروف ہے، اپنی سیاسی زندگی کے نشیب و فراز میں اپنے جدِ بزرگ کے نام کو خوب استعمال کرتا ہے، میں نے عند الملاقات مدعا بیان کیا۔ مجھے توقع تھی کہ موصوف کی طرف سے میری حوصلہ افزائی ہوگی بلکہ مجھے قلمی اعانت ملے گی لیکن افسوس کہ انھوں نے کوئی توجہ نہ کی، جب میں نے تاکیداً عرض کیا تو انھوں نے "وعدۂ فردا" پر ٹال دیا۔ میں چھ ماہ تک اُن کے جواب کا منتظر رہا

اولیائے جھنگ
53381

مگر جواب ندارد۔ پھر میں نے اپنے مطالعے اور معلومات کی اساس پر سوانحی خاکہ لکھا اور ان کی خدمت میں نظرِ ثانی کے لئے بھجوا دیا۔ موصوف نے تحریری خاکہ وصول کرنے کے بعد ایک سال تک پھر جواب سے محروم رکھا، دو چار بار فون پر اور خود حاضر ہوکر یاد دہانی کرائی لیکن بے سُود۔ بالآخر اپنی..... معلومات کے مطابق میں نے سوانحی خاکہ دوبارہ لکھا جو شاملِ کتاب ہے۔ یہ اُس شخص کا ذکر ہے جسے خود بھی علم و ادب سے شغف کا دعوے ہے۔

دوسرا واقعہ اس سے بھی دلچسپ گزرا، ایک بزرگ کے بارے میں مجھے عِلم ہوا کہ اِن کے مزار کے سجادہ نشین کے پاس کوئی کتاب ملفوظات پر مشتمل موجود ہے جو میری رہنمائی کر سکتی ہے، میں اِن کی خدمت میں بصد شوق پہنچا، موصوف کے ہاں محفل جمی ہوئی تھی حقہ کا دور چل رہا تھا، کتوں کی اقسام پر بحث ہو رہی تھی، اِسی اثناء میں انھوں نے ایک ملازم سے کہا، کتّا لے آؤ، کتّا مجلس میں لایا گیا، جس کی ہر شخص نے تعریف کی۔ سجادہ نشین بولے اِس نسل کا کتّا پاکستان میں نہیں ملتا، یہ فلاں انگریز سے میں نے بصد مشکل دو ہزار میں خریدا تھا۔ اِس کی روزانہ کی خوراک سولہ روپے ہے ایک ملازم اس کی دیکھ بھال کے لئے مقرر ہے، موسمِ سرما کے لئے خاص آسٹریلیا کی اون کی چادر کتے کے لئے بنوائی ہے، میں ان کی یہ تمام ہرزہ سرائیاں سُنتا رہا، دورانِ گفتگو انھوں نے دو ایک بار میری طرف دیکھا، لیکن میری

آمد کو کوئی اہمیت نہ دی۔ بات کتوں کے دائرے سے نکل کر گھوڑوں کے شجرۂ نسب تک جا پہنچی، اسی دوران علاقہ کا تھانیدار آگیا، سب احتراماً کھڑے ہو گئے۔ اب شراب کی قسمیں زیرِ بحث آگئیں، میں پریشان تھا کہ کس طرح اپنا مدّعا بیان کروں، کیونکہ مجھے واپس آنا تھا اور بس کا ملنا غیر یقینی تھا، بنا بریں میں نے آگے بڑھ کر دوبارہ فرشی سلام کیا اور اپنا مقصد پیش کیا۔ انھوں نے فرمایا ابھی فارغ ہو کر بات کرتا ہوں، غرض دوپہر گیارہ بجے سے شام پانچ بجے تک بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہا جب تھانیدار صاحب رخصت ہو گئے تو مجھے بڑی شانِ بے نیازی سے ہاتھ کا اشارہ کر کے بلایا، میں اُن کے قریب جا بیٹھا، فرمانے لگے، کتاب ہے تو سہی لیکن اس وقت اس کا ملنا دشوار ہے، پھر کسی وقت آنا۔ میں نے عرض کیا حضرت سارا دن غارت ہو گیا، اب واپس جانا ہے، پھر یہی عالم ہو گا، آپ احسان فرمائیں۔ بہ امرِ مجبوری انھوں نے اپنے صاحبزادے سے کتاب منگوائی اور دو بندوق بردار ملازم میرے اوپر مسلط کر دیئے مسلّح پہرے میں مجھے کتاب کا بسُرعت مطالعہ کرنے کی اجازت ملی۔ کتاب مطبوعہ تھی لیکن نایاب اور سجادہ نشین اس کتاب کو ظاہر اس وجہ سے نہ کرتے تھے کہ اس سے ان کا فریق مخالف مزار سے وابستہ جائداد ہتھیانے کے لئے سرگرم تھا، کتاب ہی اصل ثبوت تھی، بہر حال میں نے

جلدی جلدی نوٹ لئے اور بھوکا پیاسا وہاں سے غروب آفتاب کے بعد سڑک پر آیا۔ بس نہ ملی، چنانچہ گیارہ میل کا سفر پیدل طے کر کے گھر پہنچا۔ بھوک اور تھکان سے بُرا حال تھا۔

یوں تو اس نوعیت کے ان گنت واقعات پیش آئے جن کا تذکرہ ایک علاحدہ کتاب ہے، ایک واقعہ اور عرض کرتا ہوں۔ تحصیل چنیوٹ میں ایک بڑے بزرگ کا مزار ہے اِن کے حالات کی جستجو ہوئی۔ میں نے فراہم کردہ تمام کتابیں دیکھ ڈالیں مگر نام کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔ مجبوراً سجادگان و صاحب زادگان سے رابطہ قائم کیا۔ اِن لوگوں نے ہر بار میری حاضری کے بعد آئندہ پر ٹالنے کی کوشش کی۔ میں بھی متعدد بار سفر کی صعوبتیں اٹھاتا رہا، بالآخر سجادہ نشین نے انکار فرما دیا کہ ہمارے پاس کوئی تحریری یا زبانی ثبوت نہیں ہے۔ مجھے مایوس ہو کر لوٹنا پڑا ایسے حالات میں تحقیق کو جاری رکھنا کس قدر مشکل تھا۔ آپ خود اندازہ کریں۔

بسلسلۂ تصوّف

زیرِ نظر کتاب کا تعلق تصوّف سے ہے اور تاریخ اس کا ذیلی عنوان ہے، ایسے دقیق اور نازک موضوع پر میرے جیسے تہی مغزوں کا خامہ فرسائی

کرنا تصرف ہی بے جا ہے ع ۱۔

ستم زدہ ہوں مگر ذوق خامہ فرسا کا

اپنے مطالعہ و مشاہدہ کا بیان مقصود ہے، میری رائے جو میرے دیانت دارانہ تجزیے پر مبنی ہے کسی مکتبِ فکر کی ترجمان نہیں اور نہ ہی بطورِ خاص کسی کی دکالت مقصود ہے۔ میں فقر کو تصوّف کی رُوح قرار دیتا ہوں، یہی وہ علم ہے جس سے انسان کا باطنی تزکیہ ہو سکتا ہے، کیونکہ اسلام ایک جامع نصابِ زندگی ہے اور تصوّف اس نصاب کا جزوِ لاینفک ہے۔ جو لوگ تصوّف کو اختیاری مضمون کا درجہ دیتے ہیں وہ اِسلام کی روح سے آشنا نہیں۔ باطنی اصلاح کے بغیر انسان کی ظاہری زندگی کوئی وقعت نہیں رکھتی، اگر کوئی شخص محض ظاہر پرستی کے تحت احکام شرعیہ کی پابندی کرتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ معاشرتی اعتبار سے ایک اچھی عادت اختیار کئے ہوئے ہے مگر اسے عبادت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ عبادات کا مفہوم اس سے مختلف ہے اگر کوئی شخص روزہ رکھتا ہے لیکن اس کا ذہن بُری باتیں سوچنا ترک نہیں کرتا یا اس کا دل برائیوں سے پاک نہیں ہوتا تو بظاہر اس کی روزہ داری ایک اچھی عادت ہے لیکن صالح عبادت نہیں ہے۔ بقول اقبال ع

دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اولیائے جھنگ

ظاہرداری کی ہر اچھی و بُری بات کا کریڈٹ تو انسان کو اپنی سوسائٹی سے مل جاتا ہے
لیکن دل و نگاہ کے مسلمان ہونے کا علم صرف خدا کو ہوتا ہے، اسی شے کا نام
روحانیت ہے، اسی کو فلسفۂ تصوّف سے تعبیر کرتے ہیں۔ مجھے حیرت ہوتی
ہے بعض سیاسی علمائے دین کے افکار سے، جو مسلمانوں کو ظاہری عبادات
بجالانے کی تلقین تو کرتے ہیں، لیکن دل و نگاہ کی مسلمانی کا مطلق خیال نہیں
کرتے ع :۔ ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

میں نے تصوّف کے بارے میں اپنے خیالات پیش کئے ہیں
لیکن میں نظامِ خانقاہی کا قائل نہیں ہوں۔ اور ایسا نظام جس سے ظاہر پرستی
کی جملہ خرابیاں اسلامی معاشرے میں سرایت کر رہی ہیں بے عملی کو فروغ
دیتا ہے اور احکاماتِ شرعیہ متروکاتِ سخن میں شمار ہونے لگتے ہیں، تصوف کو دینِ اسلام
کا جزوِ اعظم قرار دینے کے بعد احکاماتِ شرعیہ کا عملی انکار یا ان سے تغافل و تساہل
اسلامی تعلیمات کے برعکس ہے، ایسے نظامِ خانقاہی کے لئے صحیح اسلامی معاشرہ
میں کوئی گنجائش نہیں ——————— اس طرح
مذہب جامد، بانجھ اور زندگی کی سطح سے پست ہو جاتا ہے، بزرگوں کا احترام اپنے
مقام پر افضل، ان کی تعلیمات کو اپنانا فعل صادق، لیکن ان کے نام پر دین کی تجارت
سخت مکروہ ——— اور لادینیت کا پیش خیمہ ہے۔ میں نے ایسے پیشوا بھی دیکھے ہیں
جو اپنے مریدوں کے نہ تو ظاہری افعال تابع قرآن و سنت بنانے پر توجہ دیتے

ہیں اور نہ ہی دل و نگاہ کی مسلمانی کے قائل ہیں، وہ صرف اپنی ذات کے احترام کو ہی وجہ شفاعت سمجھتے ہیں۔ کیا ہمارے لئے اپنے آپ کو جذباتی انداز سے ایسے مرشدوں سے وابستہ کرلینا قرین دانش مندی ہے۔ کششِ ثقل کا قانون کسی بھی حادثے سے مجروح نہیں ہوتا۔ نظام مذہب میں بھی جو فطرت کی عین مطابقت ہی ہے اس قسم کے واقعات پیش نہیں آتے۔

اسلام نے انسانیت کو جو نظام دیا ہے وہ ہر پہلو سے متوازن اور اعتدال پسندانہ ہے، قرآن نے تقوے پر زور دے کر تصوّف کی وجودیت اور اہمیت واضح کردی ہے، کیونکہ تقوے کی منزل تزکیہ نفس کے بعد ہی آتی ہے۔ اسی سے حسنِ معاشرت پیدا ہوتا ہے، شارعِ اسلام حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر گوشہ اس پر دال ہے کہ حضور نے دنیا میں رہ کر دنیاوی برائیوں سے اغماض برتا بلکہ ان بداعمالیوں کا تدارک کیا اور صحیح معنوں میں اہلِ عرب کے دل و نگاہ کے زاویے بدل دئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت اختیار نہیں کی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر وہ کام کیا جو ایک انسان کی بنیادی ضروریات کا تقاضا تھا۔ حلال روزی کمائی، شادیاں کیں، اولاد پیدا کی، اولاد کے رشتے ناطے کئے۔ عدالتی سطح کے فیصلے فرمائے۔ مختلف قبیلوں سے سیاسی معاہدے

کئے ، فوجوں کی قیادت کی ۔ پیٹ پر پتھر باندھے ، دنیاوی شان وشوکت کے تمام سامان مہیّا ہونے کے باوجود سادہ زندگی لبسر کی ۔ عرش پر جانے والا فرش پر بیٹھ کر حکومتیں بناتا رہا ، جنگوں میں حصّہ لیا ، زخمی ہوئے ، پھر عبادت سے کسی لمحہ غفلت نہ برتی ، خدائے برتر کے سامنے ہمیشہ عجز وانکساری کا اظہار فرمایا یہ کردار اس عظیم الشان ہستی کا تھا جس کے لئے کون ومکاں معرضِ وجود میں آئے تھے ۔ لیکن افسوس کہ آج کے بعض صوفیاء اور علماء آپ کی تعلیمات کے علی الرغم زندگیاں گزارتے ہیں اور خود کو ہادی کہلواتے ہیں ، اپنی عادتوں کو نہیں بدلتے ، قرآن کے مفاہیم تبدیل کرکے خود پر چسپاں کرنے کی فکر میں رہتے ہیں ، وہ یہ یکسر بھول جاتے ہیں کہ وہ جنّت کے دروازے اپنے اوپر بند کر رہے ہیں ۔ وہ غیر متوازن دماغی سانچوں سے اپنی پرستش کرواتے ہیں اور شریعت کے معاملے میں اپنی رائے کو سند کا درجہ دلانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ایسے لوگ یقیناً گم کردہ راہ ہیں ۔ کیونکہ شارعِ اسلام کی تمام زندگی ایسے لوگوں کے عمل وکردار سے مختلف رہی ہے

کیا خاکم بدہن نعوذ باللہ حضور صلعم خدا کے دین کو نہیں سمجھ سکے تھے ؟ اور کیا اس دور کے نام نہاد صوفیاء اور دینی رہنما اخذ کردہ مطالب کو حقیقت قرار دے کر اور ان کی تبلیغ کرکے یہ مظاہرہ نہیں کرتے کہ نعوذ باللہ حضور صلعم کی نسبت دین کے معاملہ میں زیادہ زیرک ہیں ؟ اس قسم کا تصوّر بھی ذہن میں لانا گمراہی ہے ۔

کلام پاک کی تشریح حضور صلعم کی سیرت مقدسہ ہے اور شریعت کی تفسیر حضورؐ اور آپ کے صحابہ و اہل بیت کرام ہیں۔ ایسی صورت میں ان مذہبی پیشوائوں کو جنہوں نے عبادت گاہوں کو اداروں کی صورت میں منظم کیا ہے، اپنا احتساب خود کرنا چاہیئے۔

سیاسی ذہن کے حامل علماء جو تصوّف اور معرفت کو افیون قرار دے کر مُسلمانوں کو محض ظاہری مُسلمان بنانے پر تُلے ہوئے ہیں کیا وہ دین کی روح سے روگردانی کے مرتکب نہیں ہو رہے ؟

وہ رُوحانی پیشوا جنہوں نے شریعت کی تمام ظاہری عبادتوں اور تصوّرات کو ترک کر کے خانقاہی نظام کی پناہ لے رکھی ہے، اور دنیاوی ذمّہ داریوں کو ترک کر کے محض خلوت گزینی اور گوشہ نشینی کو ہی عین اِسلام تصوّر کرتے ہیں، اسوۂ حسنہ کی نفی میں مبتلا نہیں ہیں ؟ ایسے نام نہاد صوفیاء جو خود تارکِ شریعت ہیں اور اپنے معتقدین کو بھی ترکِ شریعت کی تعلیم دیتے ہیں وہ غلط راہ پر نہیں چل رہے ؟ کیا ان کی ہزار قسم کی خرافات ان کے پیرو کاروں کے دین و ایمان کی تخریب کا سبب نہیں ہے ؟

اِسلام دینِ انسانیت ہے اس میں ظاہر و باطن کی یکسانیت شرطِ اولین ہے، صرف باطن کے لئے ظاہری عبادات کو ترک کر دینا دین نہیں، اور نہ ہی ظاہری عبادات پر زور دے کر باطن کی اصلاح سے اغماض برتنا دین ہے

دین ظاہر و باطن ہر دو کی پاکیزگی و اصلاح کا متقاضی ہے۔

راہِ سلوک میں جو مشکلات مسافر کو پیش آتی ہیں اُن سے ہر شخص عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اِس کے لئے محنت و ریاضت شرط ہے۔ مجاہدہ کے بغیر نفسی جہاد کی تکمیل ممکن نہیں۔ جب تک اِنسان اپنی صلاحیتوں کو نہ آزمائے اس وقت تک مجاہدہ مکمل نہیں ہوتا۔ بعض قوتیں اللہ تعالےٰ کی قربت سے حاصل ہوتی ہیں اور بعض اِس کے جسم و روح میں پیدائشی طور پر موجود ہوتی ہیں۔ اِنسانیت کا وہ مقام بلند جہاں بندہ اور بندہ پرور کے درمیان حدود ختم ہو جاتی ہیں ولی اللہ کا مقام ہے۔ اور جہاں ولی اللہ کے مقام کا معراج ہے وہاں سے نبوّت کا آغاز ہوتا ہے۔ اِسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کے علماء کا درجہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے برابر ہو گا، لیکن کوئی ولی اللہ خود کو نبوّت کا مدعی نہیں بنا سکتا۔ یہ مثال محض مدارج کی نشان دہی کے لئے حدیث میں وارد ہے، ایک ولی کامل کو عبادت و ریاضت کے بعد منزلِ سلوک کی روشنی ملتی ہے، اِس سفر میں ایسے مقامات بھی آتے ہیں جہاں انسان کے بھٹک جانے کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا ہے۔ لیکن جسے مولائے کائنات کی لگن ہو وہ اپنی مراد کو پا لیتا ہے اِس منزل میں جذب و مستی کا مقام بھی آتا ہے جہاں انسان بعض اوقات خود وجودی سے بھی منکر نظر آتا ہے، اِس سے گزر کر وہ اِنسانیت کی معراج تک پہنچ جاتا ہے۔

میری دانست میں تصوّف کو علاحدہ شعبۂ زندگی یا طرزِ فکر قرار دینا بعض تاریخی مغالطوں پر مبنی ہے، جو لوگ تن من دھن سے خدا کی راہ میں کسی کام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں، انھیں لامحالہ اپنی دوسری مصروفیات اور ذمہ داریوں سے دست کش ہونا پڑتا ہے وہ ہر قسم کے انتخاب و پسند سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ نازک مقام ہے جہاں سے عملی زندگی اور ترکِ دنیا کی سرحدیں بدلتی ہیں۔ یہیں سے تصوّف میں رہبانیت کے جراثیم داخل ہوئے، حالانکہ اس وقت زندگی کی تمام آسائشوں سے آزادی وقت کا اہم ترین تقاضا تھی۔ کیونکہ تبلیغِ دین کا کام ابتدائی مراحل میں تھا۔ مابعد بعض صوفیائے کرام اپنی روش سے ہٹ گئے اور شریعت و طریقت اور حقیقت کی ہم آہنگی اور یکسانیت کے قائل نہ رہے۔ نتیجتاً تصوّف کا زوال شروع ہو گیا، بلکہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں مختلف مکاتیب و دبستان بنتے چلے گئے۔

جہاں تک فنِ تاریخ نویسی کا تعلق ہے، میں اس ضمن میں کوئی حتمی رائے پیش کرنے سے قاصر ہوں۔ کیونکہ میں خود کو اس منزل کا مبتدی سمجھتا ہوں۔ تاریخ کو صحیح خطوط پر منضبط کرنا میرے دائرہ علم و فکر سے بعید ہے۔ لیکن اپنے تجزیہ کے مطابق میرا خیال ہے کہ مستند مورّخ کے لئے کثیر التعداد حکایتوں اور روایتوں کو صحیح اصول پر جانچنا، پرکھنا، درایت و

رجال کی کسوٹی پر تولنا بے حد مشکل ہے اگر کوئی مورّخ اس مقصدِ وحید میں کامیاب ہو جائے تو پھر اس کے روبرو اس کا اپنا داخلی مزاج ہوگا جس سے مفر ممکن نہیں انسانی تاریخ ایک بحرِ بیکراں ہے، جس میں ہر گھڑی تلاطم برپا رہتا ہے، اور جہاز راں موجوں کی نقل و حرکت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔ بے شمار قصص و اساطیر کی جانچ پرکھ کے لئے مورّخ کو جب کوئی واضح اور ٹھوس شہادت نہیں ملتی تو مجبوراً اسے اپنی قیاس آرائی اور معلومات سے کام لینا پڑتا ہے، جہاں مورّخ کا داخلی مزاج متحرک نظر آتا ہے۔ ہزار قسم کے تعصبات دبے پاؤں نوکِ قلم پر آجاتے ہیں، ان میں شخصی، تعلیمی، جماعتی، اقتصادی، سیاسی، قومی اور مذہبی سب موجود ہوتے ہیں۔ تاریخ کی تدوین میں تین پہلو مورّخ کے لئے فکر طلب ہوتے ہیں، اولاً کثیر التعداد روایات کو اپنے نظریات سے دور رکھ کر بے کم و کاست غیر جانب داری سے مرتب کر دینا، تاکہ وہ کسی نہج سے اس کی داخلیت کا شکار نہ ہونے پائیں۔

ثانیاً مورّخ اپنے نظریات کے تحت مخالف و موافق روایات کو یکجا کر دے اور کسی طرف جھکاؤ ظاہر نہ ہو۔

ثالثاً مورّخ ہر روایت اور واقعہ کو اپنے داخلی مزاج کے مطابق سپردِ قلم کرے اور محض اپنے نظریات سے ہم آہنگ باتوں کو اہمیت دے،

میں نے مسلسل کوشش کی ہے کہ تحریر میں میرے افکار داخل نہ ہونے

پائیں ۔ البتہ جہاں زبانی روایات کا سہارا لینا پڑا ہے وہاں اس خیال کے تحت کہ جہاں کثیر دھواں ہو چنگاری ضرور موجود ہوتی ہے اپنے قیاس سے بھی کام لیا ہے اور ان روایتوں کو اپنے ذہن و فکر کے مطابق مرتب کیا ہے، کیونکہ کوئی مصنف اپنی کتاب کو تمام رسمی، مقامی اور داخلی عناصر سے پاک نہیں کر سکتا اور نہ ایسی کتاب لکھ سکتا ہے جو تجرید محض ہو۔

"تذکرہ اولیائے جھنگ" تاریخ و تصوف کے میدان میں میری پہلی قلمی کاوش ہے ہو سکتا ہے مجھے کسی آئندہ اشاعت میں ترمیم و تنسیخ اور اضافے کی ضرورت محسوس ہو، اس لئے واقعات و روایات کی تحریر میں انتہائی غیر جانبداری برتی گئی ہے، صوفیائے کرام کے حالاتِ زیست حروف ابجد کی ترتیب کے لحاظ سے سلسلہ وار مرتب کئے ہیں، تاکہ کسی ایک کی جستجو میں دقت پیش نہ آئے۔

یہ کتاب "نقشِ اوّل" ہونے کے باعث میری خام کاریوں کا مظہر ہوگی۔ قارئین گرامی قدر سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میری کوتاہیوں سے مجھے آگاہ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیں گے تاکہ میں اپنی اصلاح کی تدبیر کر سکوں، یہ ایک طالبِ علم کی استدعا ہے ؎

مرا بہ سادہ دلی ہائے می تواں بخشید
خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

ابتدائی صفحات میں "جھنگ نما" کے عنوان سے جھنگ کی علمی، سیاسی

اور تہذیبی تاریخ کا ایک اجمالی خاکہ بھی شاملِ کتاب ہے، جس کی افادیت و اہمیت محتاجِ بیان نہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ تذکرہ اولیائے جھنگ کے قارئین پس منظر سے واقفیت حاصل کرنا پسند فرمائیں گے۔ جھنگ کی سرزمین نے برِصغیر کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا ہے لیکن بدقسمتی سے یہ خطّہ ترقی یافتہ معاشرے کی نعمتوں سے آج تک محروم ہے۔ اور بعض سیاسی وجوہ کی بناء پر اسے وہ مقام نہیں مل سکا جس کا استحقاق تاریخ کی رُو سے ثابت ہے۔ جھنگ نما بہت سے تاریخی حقائق کا انکشاف کرنے کے ساتھ ساتھ عہدِ ماضی کے بہت سے مغالطوں کا ازالہ بھی کر دے گا۔ اس اعتبار سے یہ موضوع اہلِ جھنگ کی خصوصی توجہ کا طلب گار رہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ تعارف حصولِ مقصد میں کامیاب رہے گا۔

والسّلام

بلال زبیری

جھنگ صدر

تعارف

یہ تقسیم سے پانچ سال پہلے کا ذکر ہے، سرزمین پاک و ہند "ہندوستان چھوڑ دو" کے ملک گیر نعروں سے گونج رہی تھی، حریت پسندوں نے برطانوی سامراج کی استعماری پالیسیوں اور مصلحت اندیشیوں سے متعدد بار زک اٹھا کر اپنی معاندانہ سرگرمیوں کا دائرہ کار انتہائی وسیع کر دیا تھا۔ تحریکِ آزادیٔ ہند فیصلہ کن مراحل سے گزر رہی تھی، حکومتِ وقت ہندوستان کے باشندوں کے انتہا پسندانہ اقدامات سے بوکھلائی ہوئی تھی، کئی مقامات سے یونین جیک کے پھاڑنے، جلانے اور اہانت آمیز کارروائیوں کی خبریں آ چکی تھیں۔ جھنگ کے عوام بھی جدوجہد آزادی میں اپنی تمام تر توانائیوں اور جرأت آفرینیوں کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ شہر میں مکمل ہڑتال تھی۔ ٹرینوں کی

آمد و رفت کا نظام معطل ہو چکا تھا۔ دار و گیر کے متعدد ہنگاموں کے باوصف عوام کا جوش و خروش بڑھتا ہی جاتا تھا چند سر بکف نوجوانوں نے باہم صلاح و مشاورت کر کے یونین جیک کی توہین کا پروگرام بنایا، بلاشبہ یہ گردن زدنی جرم تھا۔ لیکن ایک نوجوان لڑکے نے یہ تمام ذمہ داری بخوشی قبول کر لی۔ وہ نادان لڑکا تحصیل جھنگ کی قلعہ نما عمارت سے برطانوی سطوت کا نشان مٹانے کا عزم بالجزم لے کر تھانہ صدر کی سیڑھیاں عبور کرتا ہوا منزلِ مقصود کی طرف قدم پیما ہوا (خیال رہے کہ آج کل کوتوالی پولیس کا دفتر سابقہ تھانہ صدر کی عمارت میں ہے یہ عمارت تحصیل کے عقب میں واقع ہے) تحصیل کے صدر دروازے پر لہراتے ہوئے پرچم کو نوچ کر اُس نے نذرِ آتش کر دیا۔ معصومانِ حکومت کا مزاج سخت برہم تھا، لیکن وہ کم سن لڑکا اپنے کام کی نوعیت و ماہیت سے ناآشنا اور اس کے نتائج و عواقب سے بے خبر اپنے جذبۂ حُرّیت کی تسکین کا سامان بہم پہنچا رہا تھا۔ اچانک اسے چند آدمی شبہ کی بناء پر تعاقب میں نظر آئے، راستہ مسدود تھا اور ماحول خطرناک، اس نے تحصیل کی کم و بیش بائیس فٹ بلند دیوار سے بے دھڑک چھلانگ لگا دی۔ اور بھاگم بھاگ موجودہ اسلامیہ ہائی سکول کی پرائمری عمارت کے احاطے میں روپوش ہو گیا، اس عمارت میں ایک کنواں بنا ہوا تھا جس میں کوئی دو فٹ نیچے یونہی پیر ٹکانے کی جگہ تھی۔ وہ وہیں دم سادھ کر بیٹھ گیا۔ عمارت میں گاہ بگاہ اِکّا دُکّا آدمیوں کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی

دن تمام ہوا اور فضائے بسیط پر تاریکی مسلّط ہوگئی، ایک طرف گرفتاری کا اندیشہ دوسری جانب چھبیس فٹ کی گہرائی میں پانی اجل کا پیغام بر معمولی سی لغزش یا اس لڑکے کو ہمیشہ کی نیند سُلا دیتی، مگر وہ جواں ہمت لڑکا حواس باختہ نہ ہوا۔

رات کے تقریباً دس بجے وہ کنوئیں سے باہر نکل کر چھپتا چھپاتا گھر پہنچ گیا، اس کے ایک پیر میں موچ آگئی تھی، کئی دن تک گھر بند رہا۔ یونین جیک کی توہین کا واقعہ زبان زدِ عام تھا، ضلعی انتظامیہ سخت پریشان تھی، پولیس نے مقدمہ درج کرلیا اور کانگریس کے مقامی عہدیداروں کی گرفتاریاں شروع ہوگئیں۔

"یہ طفل گریزپا" جو اخباری دنیا میں بلال زبیری کے نام سے معروف ہے اُس وقت بمشکل پندرہ سال کا تھا،

اس وقت اس کا سیاسی شعور اس کے بہت سے ہم عمروں کے لئے غیر معمولی طور پر قابلِ تقلید تھا، ہماری آج سے ربع صدی پیشتر کی معاشرتی زندگی میں اس سن و سال کے لڑکے کی عملی سیاست میں دلچسپی اور فعال شرکت بلا مبالغہ باعث رشک اور حیرت انگیز ہے جس کی نظیر ہمارے جذبۂ حریت کی تاریخ کے سوا کہیں نہیں مل سکتی۔

بلال کا بچپن انتہائی نامساعد حالات سے نبرد آزمائی میں بسر ہوا اس کے دادا غلام محمد اعوان مرحوم اپنے عہد کے ممتاز علمائے دین میں شمار ہوتے تھے، حافظ قرآن ہونے کے ساتھ حدیث و فقہ پر بھی عبور رکھتے تھے،

انھوں نے اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت کے خیال سے ایک دینی لائبریری بھی قائم کی تھی جس سے ہزاروں لوگوں نے استفادہ کیا۔ آج بھی اس لائبریری میں نایاب کتابیں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ مرحوم غلام محمد ضلع جھنگ کی تاریخ میں پہلے صحافی تھے جنھوں نے ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۶ء تک واحد تذکی ہفت روزہ "المنبر" کی ادارت کے فرائض سرانجام دئے۔ اور تحریک خلافت کی حمایت میں مدلّل مضامین لکھ کر مقامی باشندوں کو ملکی سیاست کے نشیب و فراز سے متعارف کیا۔ ان کی وفات ۱۹۳۱ء میں ہوئی۔ بلال کی پیدائش ستمبر ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے، گھریلو ماحول دنیاوی تعلیم کے خلاف پایا۔ نتیجتاً کوئی فرد پرائمری سے آگے نہ جا سکا اور بلال نے تو پرائمری بھی پاس نہ کی، اسے ابتدا ہی سے دگرگوں حالات کا شکار ہونا پڑا۔ جب اس کی عمر ابھی مراحلِ حیات کی کشمکش سے واقف ہونے کے قابل ہی نہ تھی، اسے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے محنت و مزدوری کا سہارا لینا پڑا۔ سیاسی صحافتی اور مذہبی دلچسپی وراثت میں ملی تھی، واجبی سا شعور تھا۔ ملکی حالات سے باخبر رہنے کا شوق تھا، صورتِ حال نے سیاست کے میدان میں قدم جمانے کی ترغیب دی۔ اسی دوران مطالعہ کا ذوق پیدا ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب زمیندار پرتاب، ملاپ وغیرہ اخبارات مقامی لائبریریوں میں آتے تھے۔ بلال نے ان کا مطالعہ شروع کر دیا، بقول شخصے ابتدا میں حروف جوڑ کر پڑھے جاتے،

بچّے یاد کئے جاتے۔ ہر پہلے ملاقاتی سے معانی و مطالب پوچھے جاتے، ابتدائے کار میں یقینی امر ہے بڑی دشواری پیش آئی ہوگی، تاہم مسلسل محنت اور لگن سے موصوف پانچ چھ بعد اخبار روانی سے پڑھنے کے قابل ہو گئے، اس کے بعد دوسرا دور آیا۔ اخبار پڑھ کر سیاسی نشیب و فراز پر احباب کی محفل میں اپنی علمی استعداد کے مطابق تنقید و تبصرہ کرنا ان کا روزمرّہ کا معمول بن گیا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ تلفظ کی صحیح ادائی نہ ہونے پر کافی خفّت اٹھانی پڑتی۔ کئی سال تک بلال زبیری، نواب ممدوٹ کو ممد۔وٹ پڑھتے رہے۔ آہستہ آہستہ مشق و مزاولت اور اصلاح نے عقل و شعور اور فہم و ادراک کی گرہیں کھول دیں اور یہ دشوار گزار مراحل بھی انجام کار طے پا گئے۔ تیسرے دور کا آغاز انشاء پردازی کے جنون سے ہوا۔ خبروں کو تختۂ مشق بنانے کی بنیاد اسی زمانے میں پڑی۔ حسبِ سابق اخبار سامنے رکھ کر خبروں میں اپنی طرف سے ترمیم و اضافہ کیا جاتا، سرِ راہ کاغذ کا پرزہ نظر آجاتا تو اسے مولانا حالی کے بقول گم شدہ مال سمجھ کر فوراً اپنی جیب میں رکھ لیتے، رات کے دو دو بجے تک اخبارات اور متفرق رسائل و جرائد کا مطالعہ جاری رہتا، نئے الفاظ اور ان کے معانی نوٹ کئے جاتے دو سال کی ریاضت اور جد و جہد کے بعد از خود لکھنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ انشاء کی مشق کے لئے انھوں نے دوستوں کو بلا وجہ لمبے لمبے خطوط لکھے۔

بعض اوقات مختلف موضوعات پر طبع آزمائی ہوتی، قواعدِ زبان کے اعتبار سے
گاہ گاہ عجیب و غریب غلطیوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ اِن کی ابتدائی تحریریں
کا نمونہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ ورنہ قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے اچھا خاصا
مواد فراہم ہو جاتا، مضمون نگاری کے چناب میں غوطہ زنی کرتے ہوئے
ایک بار عشق کے سیلاب میں بہہ گئے۔ عنفوانِ شباب تھا، طبیعت
زوروں پر تھی۔ اپنی ناکام اُمنگوں اور آرزوؤں کی تسکین کے لئے رومانی
نوعیت کے مکاتیب لکھنے شروع کر دئیے جن کی تعداد بیان سے باہر ہے
اسی اثنا میں پنڈت سدرشن کا ایک افسانہ پڑھنے کا اتفاق ہوا، اس میں
پیے دلی جذبات کی عکاسی دیکھ کر افسانہ نویسی کی طرف مائل ہوئے۔ ناآسودہ احساسات کو
ایک (OUTLET) درکار تھا۔ ۱۹۴۵ء سے باقاعدہ افسانہ نگار بن گئے خوش قسمتی
سے ہفتہ وار "چترا"، "اجالا" لاہور، حریت دہلی، وغیرہ نے حوصلہ افزائی کی، سیاسی مضامین کا سلسلہ شروع
کیا تو "پربھات"، "اجیت"، "آزاد" اور "انقلاب" جیسے روزناموں میں نام
شائع ہونے لگا۔ اخبارات و رسائل کے اطمینان بخش ردِعمل نے بلال زبیری
کو معیاری انشا پرداز بنا دیا۔ بعض مدیرانِ معاصر کی خصوصی توجہ اسے
عمر بھر کے لئے صحافت کا دامن تھما گئی اور وہ دسمبر ۱۹۴۵ء سے ہی باقاعدہ
خبر نگار بن گئے۔ عروسِ صحافت سے ہم کنار ہونے کے بعد شاید ہی کسی کم بخت
نے علاحدگی اختیار کی ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بلال صاحب آج تک ایک صحافی

کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں، ۱۹۴۷ء تک تحریکِ آزادی اور تحریکِ پاکستان کے عظیم رہنماؤں کو قریب سے دیکھنے اور ان کی مجالس میں شرکت کا شرف حاصل رہا۔ اِن میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی کفایت اللہؒ، مولانا حبیب الرحمٰنؒ، مولانا سید عطاءاللہ بخاری (امیرِ شریعتؒ) ڈاکٹر سیف الدین کچلو، منشی احمد دینؒ، پنڈت جواہرلال نہرو، مولانا ظفر علی خانؒ، نوابزادہ لیاقت علی خانؒ، سردار عبدالرب نشتر، چوہدری افضل حقؒ، نواب افتخار حسین ممدوٹ اور شورش کاشمیری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

بلالؔ صاحب قیامِ پاکستان سے پہلے مجلس احرار کے سرگرم رکن تھے، اور اس کی کانفرنسوں میں شرکت، کی غرض سے برصغیر کے مختلف علاقوں میں جاتے رہتے تھے، ۱۹۴۷ء کے بعد وہ اپنی سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو گئے۔ البتہ اِن شخصیتوں سے جنہوں نے پاکستان میں سکونت اختیار کی۔ برابر دوستانہ مراسم استوار رہے۔ حضرت امیرِ شریعت کے افکار اور تعلیمات نے آپ کے ذہن کو بے حد متاثر کیا۔ ان کی عملی زندگی بھی حضرت امیرِ شریعت کی طرزِ زیست کا نقشِ ثانی ہے۔ اپنے نظریات کے اعتبار سے بلالؔ زبیری اِنسانیت دوست اور جمہوریت پسند کردار کا مالک ہے اُس کی زندگی کے بہت سے واقعات ایسے ہیں جن پر کوئی شخص

فی زمانہ یقین نہیں کر سکتا، لیکن جو لوگ انسانی زندگی کی اہمیت و قیمت سے
واقف ہیں۔ اُن کے لئے یہ ناقابل تردید شواہد ہیں ۔ عصرِ حاضر میں ایسے خوش
نصیب کم ہی ہوں گے جنہیں انسان کہا جا سکتا ہے اور جو بنیادی طور پر انسان
ہی کہلانے کے مستحق ہیں، بلال ان میں سے ایک ہے، اِسی خیال کے تحت
اکثر لوگ اِس کے مذہب اور لامذہبیت کے مابین یک گونہ مماثلت کے
قائل ہو کر مغالطوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ اس کا ذہن حضور
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعد تاریخ اسلام کی دو شخصیتوں
سے بہت متاثر ہے، ایک تو حضرت امام زین العابدینؑ ہیں اور دوم
حضرت ابوذر غفاری رضؓ سے اس کا فلسفۂ زیست اِن ہی دو بزرگوں کی سیرت
و تعلیمات سے عبارت ہے۔ اِن کے علاوہ اِس کو کوئی شخصیت مسحور نہ کر سکی۔
یہی سبب ہے کہ اِس کی زندگی میں جب کبھی نازک مقامات آتے وہ ان سے نہایت
حُسن سے عہدہ برآ ہوا۔ آزمائش کے لمحات میں اس کا کردار ہمیشہ معیارِ انسانیت
پر پورا اُترا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ اس نے اپنی ضرورت کی ہر چیز
کسی دوسرے ضرورت مند کے حوالے کر دی۔ اور روح پرور ایثار کی
قابلِ تقلید مثال پیش کی میرے ذہن میں اس کی زندگی کے بعض واقعات
یادگار کی صورت میں محفوظ ہیں، ایک بار اسے ایک ضعیفہ کی بے کسی کا حال
معلوم ہوا جس کے پاس موسم سرما سے اپنے اور اپنے معصوم نواسوں

کے بچاؤ کے لئے کوئی کپڑا نہیں تھا، بلال نے فوراً اپنا کمبل اتار کر اسے دے دیا اور گھر آ کر اپنا لحاف بھی اسے دے آئے اور خود پورا موسم ذہنی تسکین کے سہارے بسر کیا سچ ہے ع ، کون ہوتا ہے حریفِ مے مرد افگن عشق

۱۹۴۷ء میں سیاسیات سے دست کش ہونے کے بعد بلال نے اپنی توجہات کا خصوصی ہدف سماجی اور معاشرتی بہبود کے کاموں کو قرار دیا تقسیم کے فوراً بعد مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ انتہائی پریشان کن اور سنگین نوعیت کا حامل تھا، اس نے مہاجر کیمپوں کی نگہداشت اور زخمیوں کے علاج معالجہ کی تمام ذمہ داری خود قبول کر لی۔ اور اپنے تئیں مہاجرین کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ شب و روز ان کی آسائش اور دیکھ بھال میں گزارے اور اس کے پہلو بہ پہلو اس نے ایک "انجمن روزگار" کی بنیاد رکھی۔ اپنے مقامی دوستوں سے قریباً پانچ ہزار روپیہ حاصل کیا، اور مہاجروں کو انفرادی قرضے جاری کئے، تاکہ وہ معاشی طور پر خود کفیل ہو سکیں — طریق کار یہ تھا کہ اگر ایک شخص کو پچاس روپے دئے جاتے تو ہفتہ عشرہ بعد اس سے آٹھ آنے یومیہ کے حساب سے وصولی شروع کر دی جاتی۔ تاکہ اُن پر ادائی بار نہ ہو ایک طرف سے قرضہ واپس ہوتا تو کسی دوسرے حاجت مند کو دے دیا جاتا۔ الغرض پانچ ہزار کے سرمایے سے سینکڑوں مفلوک الحال بارزگار ہو گئے، ان میں سے بعض اصحاب جھنگ میں موجود ہیں۔ اور صاحبِ ثروت ہیں، جن کا کاروبار

لاکھوں تک پھیل گیا ہے۔ مگر بلال صاحب کا اپنا حال یہ ہے کہ صبح کھاتے ہیں تو
شام کا معاملہ خدا کے سپرد ہوتا ہے۔ میں نے اکثر انھیں کہتے سنا ہے کہ
کہ "مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں بلکہ میرا ضمیر مطمئن ہے، مجھے قلبی سکون
حاصل ہے اور میرا ایمان ہے کہ جو شخص خواہشات کے دائرے کو بساط سے
بڑھ کر وسیع کرتا ہے وہ حصولِ زر کے لئے لازمی طور پر غیر قانونی اور غیر اخلاقی
ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ میری نظروں میں بے شمار چپراسی،
چوکیدار اور جونیئر کلرک ہیں جنھوں نے اراضی خریدلی، ٹیوب ویل لگائے
کاروں کے مالک بن گئے۔ لاکھوں روپے کی جائداد خریدلی"۔ لیکن میرا
دوست بلال زبیری اپنی قدیم حیثیت پر قانع ہے، اس کی وضع داری،
رکھ رکھاؤ اور چلن میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، اس کا دامن جدید سوسائٹی
کی تمام آلائشوں سے پاک ہے۔ اور وہ اپنی تمام عمر اسی طرح کاٹ
دینا چاہتا ہے۔ نہ اُسے ستائش کی تمنا ہے نہ صلے کی پروا، وہ
راتوں رات دولت مند بن جانے کے خواب نہیں دیکھتا، حالانکہ
اس کے ذرائع لامحدود ہیں۔ اگر چاہے تو دیکھتے ہی دیکھتے وہ دنیا کی
ہر نعمت اپنے لئے حاصل کر سکتا ہے۔ زندگی کو حقیقی اور متوازن ہی ہونا
چاہئے۔ اس کی برتری اور فوقیت مسلّم ہے، ذاتی اعزازات اور مفاد
کے مقابلے میں انصاف، خدمتِ خلق اور مفادِ مطلق کو ترجیح دینا

ایک عام آدمی کے بس کا روگ نہیں بقول ایمرسن :۔

"قدیم کو جدید اور جدید کو قدیم بنا دینے والا
دیوان لوگوں میں سے نمودار نہیں ہوتا جن پر تعلیمی
نظاموں نے کسی تہذیب کی چھاپ لگا دی ہو
بلکہ یہ ناتراشیدہ اور غیر مہذب فطرت سے
ہی نمودار ہوا کرتا ہے ۔"

بات کہیں سے کہیں چلی گئی ہیں بلال زبیری کے معاشرتی بہبود کے کاموں کا ذکر کر رہا تھا، ۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۰ء میں سیلاب نے ضلع جھنگ میں بڑی تباہی مچائی، شہری اور دیہی آبادی کا کثیر حصہ متاثر ہوا، بلال کے ایماء پر اس کے دوستوں نے بیس افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی، تاکہ نقصانات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد متاثرہ افراد کی بحالی کے لئے سرما کی آمد سے قبل کم از کم ایک کمرہ ضرور تعمیر کر دیا جائے۔ سینکڑوں آفت زدہ لوگ سر چھپانے کے لئے جگہ کے متلاشی کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ ایسے سو آدمی پیدا کئے جائیں جو ہفتے میں ایک دن اس کام کے لئے وقف کریں۔ فہرست تیار ہوئی، بلال نے سو دوستوں کے نام لکھے۔ ان میں صرف تیرہ آدمیوں نے وقت دینے کی بجائے اُجرت ادا کرنے کی اجازت مانگی۔ بلال نے اپنی گھریلو ذمہ داریوں

کو پسِ پشت ڈال کر ایک ماہ اٹھارہ دن میں ۲۵۷ کمرے بنوائے، مختصراً اس کی مساعی جمیلہ نے آبادی کے ایک اہم تقاضے کو پورا کر دیا۔ بعض اصحاب نے ایسے امور کی انجام دہی پر اس کو طنز و تضحیک کا نشانہ بھی بنایا، لیکن اس کے قدم ڈگمگائے نہیں۔ اور وہ ہمیشہ دوسروں کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہا۔

بلاؔل کی صحافتی زندگی میں بعض نازک مراحل بھی آئے بعض سیاسی اکابرین سے نوک جھونک بھی رہی، لیکن اس نے صحافتی ضابطۂ اخلاق کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھا اور دیدہ و دانستہ کسی کی پگڑی اُچھالنے سے ہمیشہ احتراز کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بیس سال سے اخبار نویسی پر ہی گزر بسر ہو رہا ہے۔ اِس طویل عرصے میں متعدد مخالفین نے اس کے راستے میں بلا وجہ رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اپنے مذموم ارادوں میں ناکام رہے۔ بعض اپنے کیے کی سزا بھگت رہے ہیں۔

ضلع جھنگ میں بہت سی علمی و ادبی انجمنوں کی سربراہی کے فرائض بلاؔل نے انجام دیے ہیں۔ بعض انجمنیں خود قائم کیں، لیکن کسی مقام پر اپنے عمل و کردار کو داغ دار نہیں ہونے دیا۔ اور نہ ہی کبھی دوستوں کی رائے پر اپنی رائے کو فوقیت دی۔ بعض مواقع پر اختلافات بھی پیدا ہوئے، لیکن دوستانہ ماحول میں۔

بقول شخصے دوست واحباب ہی اس کا سہارا ہیں، دُکھ سُکھ میں شریک اور مخلص، تکبر، غرور، کینہ، حسد، بغض اس کی طبیعت میں نام کو نہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ دنیادار لوگوں کی مجلس سے گریزاں ہو جاتا ہے،

بلال صاحب کی تخلیقات ونگارشات میں کم وبیش ایک سو افسانے، بعض اہم موضوعات پر مضامین، تین ناول اور ایک سوانحی خاکہ شامل ہیں۔ تذکرہ اولیائے جھنگ اس کی ایک اہم تصنیف ہے۔ جس کی طباعت واشاعت کا انتظام راقم السطور نے اپنے ادارے میں کیا ہے۔ اور یہ چند حروف بطورِ تعارف لکھنے کی ضرورت بھی اسی لئے پیش آئی

جب مجھے اس کتاب کا مسودہ ملا اور میں نے اس کا جائزہ لیا تو مجھے مصنّف کے حالاتِ زندگی کی شمولیت بھی ناگزیر محسوس ہوئی۔ بلال صاحب میرے خیال سے متفق نہیں تھے، تاہم میرے اصرار پر انھیں مجبور ہونا پڑا۔ مجھے خوشی ہے کہ میں یہ کتاب چھاپ کر سرخروئی حاصل کر رہا ہوں، بلال صاحب نے اس کتاب میں جھنگ کے صوفیاء کے حالات قلم بند کئے ہیں، جو ان کی آٹھ سالہ تحقیقات کا نتیجہ ہیں، کتاب کی ترتیب وتدوین میں بلاشبہ انھوں نے بڑی محنت اور خلوص سے کام لیا ہے مائی ہیر کے بارے میں ان کا مضمون فکر انگیز اور غور طلب ہے، مجھے یقین ہے کہ ان کی ژرف بین طبیعت نے صحیح حالات اخذ کئے ہیں۔ تاہم محققین ہی اس کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کر سکتے ہیں، شاید ہیر اور رانجھا

ئے معاشقہ کے زبان زدِ عام واقعات سید محمد وارث شاہ ہی کی ذہنی اُپج کا نتیجہ ہوں اور یہ کتاب اُن کی اصل حقیقت واضح کر کے صدیوں کے مغالطے دور کرنے میں کامیابی سے ہم کنار ہو سکے۔ بلال نے ۱۲۰ اولیائے عظام کے حالات لکھے ہیں۔ اور ولی را ولی می شناسد کے مصداق ان کو بھی نیم ولی ضرور قرار دینا چاہئیے۔ اس لحاظ سے بھی ان کا تذکرہ یہاں مناسب ہے، البتہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ان کی زندگی کی صحیح عکاسی اور تصویر کشی میری استعداد سے باہر ہے۔ اگر بلال ابھی تک اپنی کم مائیگی کے احساس کا شکار ہے (جس میں اب کسر نفسی زیادہ ہے تہی مائیگی کم) تو بقول میرزا غالب ع۔

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے

قطع نظر اس کے کہ بلال صاحب ایک بار سیاسی جرم میں جیل بھی جا چکے ہیں اور قید و بند کی صعوبتوں سے آشنائی کا اعزاز رکھتے ہیں، غنی کاشمیری کا ایک شعر ان کی زندگی کا بھرپور عکاس ہے ؎

ہمچو سوزن دائم از پوشش گریزانیم ما
جامہ بہرِ خلق می دوزیم و عریانیم ما

محمد اکرم
لاہور
۱۲-۳-۱۹۶۸ء

جھنگ نما

(تاریخی پس منظر)

جھنگ کی مردم خیز اور عہد آفرین سرزمین زمانۂ قبل از تاریخ
سے ہی پنجاب مرحوم کے جغرافیہ میں تاریخ ساز اہمیت کی حامل رہی ہے
یہ اپنے دیس کے بارے میں میرا حسنِ ظن نہیں، بلکہ ایک نمایاں ترصداقت
کا اظہار و اعادہ ہے، جس کی تائید نقشۂ مغربی پاکستان سے بھی ہوتی ہے
جھنگ کی مرکزیت نے برصغیر کے سیاسی، سماجی اور معاشی ماحول کی تشکیل
و تعمیر میں نہایت اہم اور موثر کردار انجام دیا ہے۔ جس پر اب سیل و نہار کی
لاکھوں گردشیں گرد و غبار کی تہہ جما چکی ہیں۔

اویلئے جھنگ

اوائلِ شعور سے ہی میری خواہش تھی کہ میں جھنگ کی تاریخ پر ایک مبسوط اور جامع کتاب لکھوں، اور اس مقصد کے پیشِ نظر میں نے کافی محنت و جانفشانی کے بعد ضلع کی قدیم سیاسی، تہذیبی، علمی اور ثقافتی زندگی کے بارے میں خاصا مواد جمع کر لیا، لیکن اس کا ایک کتاب میں احاطہ امرِ محال نظر آیا ایک سے زائد جلدوں میں تاریخ جھنگ کی طباعت و اشاعت میری استطاعت سے باہر تھی، لہٰذا میں نے ارادہ ملتوی کر دیا، البتہ معلومات کا وسیع ذخیرہ جو میری کئی سالہ جد و جہد کا ثمرہ تھا میں نے محفوظ کر لیا۔ تذکرہ اولیائے جھنگ کی اشاعت کا مرحلہ آنے پر مجھے مناسب معلوم ہوا کہ جس سرزمین کے صوفیاء کا تذکرہ کتاب کا موضوع ہے اس کا ایک تاریخی خاکہ بھی شاملِ کتاب ہونا چاہیئے، نتیجتاً میں نے جھنگ کا مختصر سیاسی، تہذیبی اور علمی جائزہ قلم بند کیا، تاکہ اسے تعارف کا درجہ مل سکے اور اصل موضوع پر کوئی بوجھ نہ پڑے۔

تاریخ ایک ایسا فن ہے جس سے مختلف واقعات کی کڑیاں از خود ملتی اور مربوط ہوتی چلی جاتی ہیں، مورخین محض واقعات کی تحریر پر اکتفا کرتے ہیں، لیکن آئندہ نسلوں کے لئے یہ واقعات انکشاف کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، مثال کے طور پر اگر میں یہ کہوں کہ سلطان حیدر علی فاتح میسور اور سلطان فتح علی ٹیپو شہید کی رگوں میں سرزمین جھنگ کا خون دوڑ رہا تھا تو لوگ

اسے محض ایک تاریخی انکشاف کا نام دیں گے اور بس۔ تاریخی موضوعات سے ہماری دلچسپی رفتہ رفتہ عنقا ہوتی جا رہی ہے۔ کیونکہ ہم ایک عبوری اور بحرانی دور سے گزر رہے ہیں، ٹھوس موضوعات پر کتابوں کی اشاعت مسدود ہو چکی ہے، گھٹیا ادب اور سنسنی خیز رومانی و جاسوسی ناول معاشرے میں نفوذ حاصل کر چکے ہیں، اس کے علاوہ بدقسمتی سے جھنگ بعض سیاسی وجوہ کی بناء پر تاریخی عظمتوں کا وارث ہونے کے باوجود صحیح خطوط پر متعارف نہیں ہو سکا، حالانکہ ہر حکومت کے بنانے اور بگاڑنے میں اہلِ جھنگ نے ہمیشہ نمایاں حصّہ لیا ہے، رضیہ سُلطانہ کو تاج و تخت پر جھنگ کے ایک سردار نے متمکن کیا، وہ خلجیوں، غوریوں اور غزنویوں کا دستِ راست رہے۔ مغلوں کا مقابلہ بھی کیا اور حمایت بھی۔ سکھوں کی شورش کو دبایا اور ان سے معاہدے بھی کئے۔ برطانوی سامراج کی اعانت بھی کی، اور اس کے خلاف منظم بغاوت بھی، بلاشبہ اس خطے نے ہر دور میں اور ہر تحریک میں، نمایاں حصہ لیا ہے۔ تاریخ کے صفحات اہلِ جھنگ کے علمی کارناموں، جانفشانیوں اور قربانیوں سے بھرے پڑے ہیں در اصل ایک غلطی مؤرخین سے بھی متواتر سرزد ہوئی ہے جس کا خمیازہ اہلِ جھنگ کو بھگتنا پڑا ہے، انھوں نے جھنگ کے تمام واقعات کو صوبہ ملتان یا صوبہ لاہور کے مجموعی حالات میں گڈمڈ کر دیا ہے۔ صوبوں سے

وابستہ علاقوں کا ذکر محض ضمناً اور سرسری طور پر کیا گیا، نتیجتاً جھنگ کے اکثر واقعات لاہور اور ملتان کے کھاتوں میں درج ہوتے رہے۔ ایک لحاظ سے مورخین کا موقف بھی درست تھا، کیونکہ جھنگ لودھیوں، مغلوں اور سکھوں کے عہدِ حکومت کے سوا کبھی صوبہ نہیں رہا علاوہ ازیں ہمارے تاریخی تصور میں عوام پر طبقہ شاہان کو ہمیشہ فوقیت حاصل رہی ہے۔ اس لئے صوبوں کو بھی علاقوں کی نسبت اولیت دی گئی ۔ تاہم بعض مورخین نے جن میں بلاذری، مسعودی، فرشتہ، قرامطی، حمید اللہ اور ابن بطوطہ شامل ہیں، جھنگ کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔

جھنگ کے نام کے بارے میں ابتدائً یہ وضاحت ضروری ہے، کہ اس نام کا شہر مختلف ادوار میں بنا اور اُجڑا۔ اس کے بسانے میں ہمیشہ غیر ملکی افواج کا دخل رہا۔ کیونکہ جھنگ مغربی پاکستان کے قلب میں واقع ہے۔ اس لئے غیر ملکی حملہ آوروں نے جو عموماً ایران و افغانستان کی طرف سے آتے تھے، اسی علاقے میں چھاؤنیاں رکھیں۔ قدیم سنسکرت زمانے سے ہی لاہور، براستہ جھنگ درۂ خیبر، درۂ گومل اور درۂ بولان سے ملا ہوا تھا، یہ سڑک بڑی کشادہ تھی، اور حملہ آوروں کی آمد و رفت اسے ضرورت کے مطابق کشادہ بناتی رہتی تھی، یہ تصور کر لینا کہ جھنگ جھنگی سے بگڑا ہوا ہے محض سطحی بات ہے۔

مشہور چینی سیّاح ہیون سانگ ۶۴۱ء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کی سیر و سیاحت کرتا ہوا اِس سال کے موسمِ گرما میں جھنگ آیا تھا، وہ یہاں سے بھکر جانے کا متمنّی تھا، لیکن تریمو کے مقام پر جہلم اور چناب زبردست طغیانی کی آماجگاہ تھے، کشتی رانی کا سلسلہ بند تھا مجبوراً اُسے تریمو گھاٹ پر قیام کرنا پڑا۔ اپنے سفرنامے میں تریمو گھاٹ کا محلِ وقوع اور زمینوں کی زرخیزی کا ذکر کرنے کے بعد اس نے اس مقام کا نام جہانگ لکھا ہے، یہ علاقہ اس وقت چندر گپت نامی ایک فرد کی عملداری میں تھا، اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ جھنگ یا اس کی کوئی بدلی ہوئی صورت زمانہ قبل از تاریخ سے ہی مشہور تھی، جہانگ لفظ ممکن ہے چینی زبان کے اثر سے بگڑ کر جھنگ بن گیا ہو، قیاس کہتا ہے کہ اس نام کا شہر راون اور رام کے عہد میں بھی موجود تھا، کیونکہ ہندوؤں کے اتہاس اور پرانوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ایک جگہ جہاں سارے سدھو کے پاس رام اور سیتا کے دریائے راوی میں نہانے کا واقعہ پرانوں میں درج ہے، اس کے ساتھ یہ بھی ایک فقرہ موجود ہے کہ راوی سے بیس کوس پر جہانگ کی نگری ہے۔ اِس کے علاوہ بعض یونانی مورّخین نے سکندرِ اعظم کے حملہ ملتان اور شورکوٹ کے تفصیلی ذکر میں جھانگ کا بھی ضمناً تذکرہ کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ سکندر کا مقابلہ کرنے کے لئے جھانگ کا ایک جنگجو قبیلہ "مَل" "مسلح ... ہو کر آیا تھا، مَل قبیلے کے لوگ بڑے بہادر تھے، سکندر اِن کے اچانک حملے کی تاب نہ لا سکا" مَل قبیلے کے بارے میں

دو روایتیں ہیں، ایک تو یہ کہ مل راجپوتوں کی ایک گوت ہے جس نے ملتان آباد کیا تھا، جو ابتدا میں مل استھان تھا، بعد میں ملتان ہوا۔

دوسری روایت کے مطابق یہ قوم مل نہیں بلکہ موہل ہے، جو اب بھی موجود ہے۔ آثار و قرائن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ موہل قوم تھی جس کی سکونت ترمیوگھاٹ کے نواح میں تھی۔ اور یہیں سے وہ شور کوٹ گئی ہوگی۔ دوسری روایت کی تائید البیرونی کے ایک بیان سے بھی ہوتی ہے۔ محمد بن قاسم کے حملے کے ضمن میں البیرونی نے اس قوم کا ذکر شور کوٹ سے ادھر کیا ہے۔

مہابھارت کی عظیم جنگ جو قریباً پانچ ہزار سال قبل کورو اور پانڈو قبیلوں میں برپا ہوئی تھی اس میں جھنگ کے تین قصبات کا ذکر آتا ہے، جہاں پر سنسکرت کی تین مذہبی درس گاہیں ملکانہ، واسو اور اجھن اس جنگ میں تباہ ہوئی تھیں، ملکانہ قصبہ اب بھی تحصیل جھنگ میں اسی نام سے آباد ہے قصبہ واسو بھی آباد ہے، البتہ اجھن کے بارے میں صرف اس قدر نشان دہی ہو سکی ہے کہ یہ موجودہ قصبہ چنیوٹ کا نام تھا، یہ قصبہ دریائے چناب کے اس طرف جہاں اب قادیانی جماعت کا مرکز ربوہ آباد ہے، موجود تھا، بعد میں جب رانی چندن نے اس علاقے کی حکومت پر قبضہ کیا تو اس نے دریا کی دوسری جانب اپنے نام سے نیا شہر چندن وٹ بسایا جو اب چنیوٹ کے نام سے موجود ہے۔

۳۲۶ ق.م تک جھنگ کا تمام علاقہ چندر گپت خاندان کی حکومت کا حصہ تھا، اسی خاندان کے ایک دریادل اور باہمت راجہ شَو نے شور کوٹ کا قلعہ تعمیر کروایا تھا، اسی کے نام پر یہ علاقہ بعد میں شور کوٹ کے نام سے مشہور ہو گیا، ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ قصبہ شوری قوم نے آباد کیا تھا مگر اس کی تائید نہیں ملتی۔

۳۲۵ ق.م میں سکندر اعظم نے ملتان پر حملہ کیا۔ فتح ملتان کے بعد اس کی فوجیں دریائے چناب کے ساتھ ساتھ شور کوٹ کی طرف بڑھتی چلی گئیں اور ۳۲۴ ق م میں شور کوٹ شہر فتح ہو گیا، قلعہ کا زبردست محاصرہ کیا گیا۔ جو تین ماہ تک جاری رہا۔ ممکن تھا کہ قلعہ تسخیر کر لیا جاتا، لیکن کاٹھیا اور موہل سرداروں نے مل کر سکندر کا مقابلہ کیا، ایک ماہ تک دونوں طرف سے آتشیں اسلحہ استعمال ہوتا رہا، بالآخر سکندر نے قلعہ کی تسخیر کا ارادہ ترک کر کے اُسے برباد کرنے کا فیصلہ کر لیا، اور ایک زبردست حملہ کر کے قلعہ کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا، اس معرکہ میں کم و بیش اٹھارہ ہزار افراد کھیت رہے، قلعہ کے اندر لاشوں کے سڑنے سے اس قدر تعفن پیدا ہوا کہ بیس بیس میل تک اس کا اثر محسوس ہوتا تھا، وبا کے خوف سے علاقہ کے لوگ ہجرت کر گئے۔ سکندر اسی مہم میں ایک تیر سے زخمی ہوا جو بالآخر مہلک ثابت ہوا۔ شور کوٹ کا تمام علاقہ بھیانک جنگل میں تبدیل ہو گیا تھا، سکندر نے یہاں اپنے ایک جرنیل فیلقوس کو حکمراں مقرر کیا، شور کوٹ

کی مکمل تباہی کے پیشِ نظر نیلقوس نے اپنا صدر مقام ملتان قرار دیا۔

۳۲۲ ق۔م میں چندر گپت خاندان نے موقع پاکر پھر چڑھائی کردی۔ اور شورکوٹ و ملتان کا علاقہ یونانی تسلط سے آزاد کرالیا۔ اس خاندان کی حکومت ۳۰ ق۔م تک جھنگ میں برقرار رہی۔ اسی سال یونانی خاندان بکڑین نے جسے بغاوت کے الزام میں یونان سے جلا وطن کردیا گیا تھا، دوسری مرتبہ جمعیت فراہم کر کے شورکوٹ اور ملتان پر حملہ کردیا، اور حکومت چھین لی، لیکن چند سال کے بعد پھر چندر گپت خاندان نے ان کو بھگا دیا۔ یونانی سربراہ جان بچا کر بھاگ جانا چاہتا تھا، جب شورکوٹ کے قریب ایک گاؤں میں پہنچا تو مہاراجہ کے جاسوسوں نے اس کا سراغ نکال لیا اور موقع پاکر قتل کردیا۔

۴۷۰ء میں وائٹ ہنز نامی یورپی قبیلے نے پھر اس علاقے پر حملہ کیا، اور پنڈی بھٹیاں سے ملتان تک کا علاقہ فتح کر کے حکومت قائم کرلی جو ۵۰۵ء تک باقی رہی۔ اسی سال مہاراجہ بکرماجیت کے خاندان کے ایک فرد نے کروڑ پکا کی طرف سے یلغار کی۔ بھکر، لیہ، جھنگ اور ملتان میں ہولناک تصادم ہوا، بالآخر یورپین حکومت ختم ہوگئی۔ اور جھنگ پر ہرمن رائے نامی ایک شخص حاکم مقرر ہوا اور پھر محمد بن قاسم کی لشکر کشی تک یہاں اسی شخص کے خاندان میں حکومت رہی۔ البیرونی کے قول کے مطابق

ملتان کا علاقہ صوبہ سندھ میں شامل تھا لیکن جھنگ خود مختار صوبہ کی
حیثیت رکھتا تھا۔ جب ملتان پر ۶۳۱ء میں سندھ کے ایک برہمن چچھ
نے قبضہ جمایا تو اس نے فوراً ہی جھنگ پر بھی حملہ کر دیا۔ دونوں طرف
سخت رن پڑا اور ہزاروں آدمی جنگ میں کام آئے، یہ جنگ شورکوٹ
اور بن مرالی کے درمیان رونما ہوئی۔ ہرمن رائے نے شکست
کھائی اور چچھ نے سندھ سے کشمیر تک حکومت وسیع کر لی۔ چچھ
۶۷۱ء میں مر گیا تو اس کے بھائی چندر نے تخت سنبھالا۔ یہ بدھ مت کا
پیرو تھا۔ آٹھ سال تک جھنگ میں بدھ مذہب کی تبلیغ ہوتی رہی۔
چندر نے گڑھ مہاراجہ میں ایک مضبوط و مستحکم قلعہ تعمیر کروایا اور بدھ
کا عظیم الشان مندر بنوایا، جو مغلوں کے عہد تک قائم رہا۔ ۶۷۹ء میں
چندر کی وفات پر چچھ کا بیٹا داہر تخت نشین ہوا۔

اس زمانے میں عرب مسلمان تاجر سندھ میں آنے جانے
لگے تھے، اور ان کے قافلے جھنگ، منکیرہ اور بھکر تک آتے جاتے
تھے، مشہور مورخ مسعودی کے بیان کے مطابق ۷۱۲ء میں جب
محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کے ایما پر مسلمان تاجروں کی توہین کا
بدلہ لینے کے لئے راجہ داہر پر حملہ کیا تو مسلمان عساکر شورکوٹ تک ظفرمندی
کا پرچم لہراتے ہوئے پہنچ گئے۔ اسی دوران دربار خلافت نے

محمد بن قاسم کو واپس طلب کر لیا۔ اس موقع پر محمد بن قاسم نے صوبہ سندھ کے بعض حصے کاٹ کر صوبہ سندھ صرف ٹھٹھہ کے ماتحت کر دیا، اور ملتان کو صوبے کا درجہ دے دیا۔ ملتان میں داؤد نصر بن ولید عمانی کو حاکم مقرر کیا، احمد بن حزیمہ بن عتبہ کو بھکر، کروڑ اور منکیرہ کی حکومت تفویض کی، اور شورکوٹ و جھنگ کے لئے جلال الدین محمود عرف غازی پیر کو منتخب کیا، غازی پیر کا مزار شورکوٹ شہر میں مرجع خلائق ہے، اس کے بعد جھنگ براہ راست خلیفہ اسلام کے ماتحت آ گیا۔ حضرت غازی پیر کی وفات کے بعد جھنگ کی صوبہ داری حاتم طائی کے پوتے امیر داؤد طائی کے سپرد ہوئی، لیکن داؤد طائی خرابی صحت کی بناء پر دو سال بعد واپس وطن چلا گیا

ازاں بعد سندھ اور پنجاب میں قرامطی تحریک نے جس کا بانی عبداللہ تھا زور پکڑ لیا، اس نے خلیفہ وقت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بھاری جمعیت فراہم کر لی، اور مقبوضات خلافت پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ یہ شخص اسماعیلی شیعہ تھا۔ اس نے سندھ اور پنجاب میں بزور شمشیر اسماعیلی عقائد کو فروغ دیا، ملتان، جھنگ، ٹھٹھہ، سیستان اور بھکر کے علاقے اسماعیلیوں کے تصرف میں آ گئے، تقریباً دو سو سال تک ان کی حکومت رہی، اسماعیلی حکمرانوں میں صرف دو نام تاریخ میں

محفوظ ہیں، ایک حامد موسیٰ، جو جھنگ، منکیرہ اور شور کوٹ کا حاکم تھا۔ دوسرا شعبی جو ملتان اور ٹھٹھہ پر حکومت کرتا تھا۔

یہ دور جھنگ کے لئے سخت ابتلاء کا دور تھا، طوائف الملوکی کے باعث تمام نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ مذہبی مباحث اور فرقہ وارانہ فسادات روز افزوں تھے، محمد غوری کے ملتان فتح کر لینے کے بعد اسمٰعیلی قوت ٹوٹ گئی۔ اور یہ سارا علاقہ رفتہ رفتہ اسماعیلی عقائد سے برگشتہ ہو گیا۔

۳ ــــ ۹۷۰ء تک جھنگ سامانی بادشاہوں کے مقبوضات میں شامل رہا۔ پھر الپتگین کی تحویل میں چلا گیا۔ ۹۷۶ء میں سبکتگین سریر آرائے سلطنت ہوتو راجہ جے پال نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ تمام علاقہ اپنی قلمرو میں شامل کر لیا، پنڈی بھٹیاں، جھنگ اور ملتان تک کے علاقے پر حامد لودھی گورنر مقرر ہوا جب سبکتگین نے یہ صورت دیکھی تو اس نے جھنگ پر حملہ آور ہونے کی ٹھانی۔ شیخ حامد لودھی نے مقام الوانی پر سبکتگین کے سپہ سالاروں سے صلح کر لی۔ اور خراج دینا منظور کیا۔ ۹۸۰ء میں فرقہ قرامطیہ کے سردار علم بن شعبان نے موقع پاکر جھنگ اور ملتان پر پھر چڑھائی کر دی، اور یہ تمام علاقہ فتح کر کے اپنی فوج بھیرہ لے گیا، اس کی گزرگاہ جھنگ تھی۔ لہٰذا اس نے یہاں سخت ظلم و تشدد کیا، علماء کو موت کے گھاٹ

اتار دیا اور لاکھوں روپے کا مال و متاع لوٹ کر بھیرہ لے گیا جہاں بھیرہ کے
حاکم کو قتل کر کے اپنی حدودِ سلطنت بھیرہ سے سندھ تک وسیع کر لیں۔ شیخ
حامد کی وفات کے بعد اس کا پوتا ابوالفتح جھنگ کا والی مقرر ہوا۔ وہ
مذہب حنفیہ چھوڑ کر اسماعیلی عقائد کا پیرو بن گیا۔ عمر بن [illegible]ن سے معاہدہ کر کے
راجہ جے پال کو خراج دینا بند کر دیا۔ اسی دوران محمود غزنوی نے ابوالفتح کو
ملتان کے قریب گرفتار کر لیا۔ اس کا لشکر بھکر اور تریمو سے ملتان گیا تھا، سلطان
محمود فتح و نصرت کے پھریرے لہراتا ہوا سات روز کے بعد تریمو واپس آیا
یہیں اس کے ایک فوجی جرنیل مخدوم تاج الدین المعروف بہ اٹھارہ ہزاری
(ان کا منصب اٹھارہ ہزاری تھا) نے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت کی۔
اِن کی تجہیز و تکفین تریمو گھاٹ کے قریب عمل میں لائی گئی۔ یہ واقعہ ۱۰۱۰ء
کا ہے۔ محمود غزنوی نے اسماعیلی عقائد کی بیخ کنی کے لئے قدرے تشدّد
سے بھی کام لیا۔ ۱۰۳۰ء میں سلطان مسعود غزنوی نے ابوالفتح کو دوبارہ
اِسلام قبول کرنے کی شرط پر رہا کر دیا۔ اور پھر حاکم ملتان بنایا —
بعد ازاں سلطان محمود غزنوی کے نواسے سلطان غزنوی کو جھنگ پر
حکومت کرنے کا موقع ملا، اس نے علاقے کو مقامی سرداروں میں تقسیم
کر دیا، اور اِن سے خراج وصول کرتا رہا۔

۱۱۷۵ء میں شہاب الدین غوری نے جھنگ، بھکر اور منکیرہ پر فوج کشی

کی، شور کوٹ میں ایک عظیم الشان مندر کو تباہ کیا، یہاں سے وہ ملتان پہنچا، اس کے بعد تمام مفتوحہ علاقہ اس کے اقتدار میں آگیا۔ شہاب الدین غوری نے اسماعیلی عقائد کو سختی سے کچلا، نتیجتاً یہ علاقہ اسماعیلی اثرات سے بالکل پاک ہو گیا۔ ۱۱۳۶ء میں جھنگ پر کھوکھروں کا تسلط قائم ہو گیا، وہ سردار ایبک بک حاکم ملتان کے سخت مخالف تھے۔ انہوں نے علم بغاوت بلند کیا اور چنیوٹ سے لے کر دینا پور تک کا علاقہ (دریائے چناب کے ساتھ ساتھ) زیرِ نگیں کر لیا۔ جب شہاب الدین کو اس بغاوت کی خبر ملی تو اس نے بہاءُ الدین محمد حاکم سنگوان کو کھوکھروں کی گوشمالی کے لیے روانہ کیا، کھوکھروں نے ہزیمت اٹھائی، انھوں نے شکست خوردہ اور دل برداشتہ ہو کر گھگھڑوں سے سازش کر کے شہاب الدین غوری کو قتل کروا دیا، تحصیل جھنگ میں کھوکھراں تلواڑہ کا علاقہ ان کا مرکز تھا۔

۱۲۱۵ء میں جب ہندوستان پر خاندان غلامان کی حکومت قائم ہوئی تو جھنگ کا فرماں روا ناصر الدین قباچہ مقرر ہوا، پھر اس علاقے کی صوبہ داری لودھیوں کو تفویض ہوئی، لودھی جھنگ کے سیالوں سے بڑی محبت و انسیت رکھتے تھے، انھوں نے جھنگ کی حکومت سیالوں کے سپرد کر دی جس کے بعد جھنگ کی سیاسی تاریخ نے کروٹ بدلی۔ اور بیرونی حکم رانوں کے بجائے بااثر مقامی سردار حاکم مقرر

ہونے لگے؛ جھنگ اور ملتان کا پہلا مقامی حکمران ملک کبیر خان تھا جس نے ۱۲۳۶ء میں رضیہ سلطانہ کو تختِ دہلی پر متمکن کرنے میں کسی قسم کا دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا۔ وہ جھنگ کے سورماؤں کی ایک بھاری جمعیت اپنے اخراجات پر دہلی لے گیا تھا۔ جب رضیہ سلطانہ کی تاج پوشی مکمل ہوگئی تو جھنگ کے بہت سے خاندانوں کو شاہی دربار سے جاگیریں عطا ہوئیں۔

یہ چودھویں صدی عیسوی میں ہندوستان پر مغلوں کی تاخت و تاراج شروع ہوئی۔ مغل عساکر عموماً بھکر کی طرف سے آتے تریموگھاٹ پر چھاؤنیاں ڈالتے اور لوٹ مار کرتے۔ جھنگ محلِ وقوع کے اعتبار سے وسط میں واقع تھا، اس لئے ہمیشہ حملہ آوروں اور دفاعی جنگوں کے ظلم وستم کا نشانہ بنا رہا۔ یہ علاقہ اسی وجہ سے ترقی نہ کرسکا۔

جھنگ پر سب سے پہلا مغل حملہ ایک مغل سردار طرطائی نے کیا تھا، وہ بھیرہ میں قیام پذیر تھا۔ اس کا سامان کشتیوں میں لدکر جہلم کے ذریعے تریموپہنچا اور یہاں سے اُس نے خشکی اور دریائی دونوں راستوں سے شورکوٹ اور ملتان پر حملہ کردیا، مغلوں اور پٹھانوں کی کش مکش اقتدار تقریباً چالیس سال تک مسلسل جھنگ کو متاثر کرتی رہی۔

مشہور سیاح ابنِ بطوطہ ۱۳۳۴ء کے موسم گرما میں ملتان جانے کے لئے ترگیو کے مقام پر پہنچا، اس وقت جھنگ پر مبارک خاں نامی ایک شخص حکمراں تھا، ابن بطوطہ نے اس حاکم سے دو شالیں اور ایک گھوڑا بطورِ تحفہ وصول کیا تھا، اور اس کے سپاہیوں کی حفاظت میں ہی ملتان گیا تھا۔

سرزمینِ جھنگ پر مغلوں کا دوسرا زبردست حملہ ۱۴۳۰ء میں ظہور پذیر ہوا جس سے دریائے جہلم و چناب کا درمیانی علاقہ تباہ و برباد ہوگیا، مغلوں نے معصوم بچوں کو بھی تہ تیغ کرنے سے دریغ نہ کیا، اصل میں قصّہ یہ ہوا کہ مغل تاجدار شاہ رُخ میرزا نے کابل کے حکمراں شیخ علی کو ملتان فتح کرنے پر مامور کیا۔ شیخ علی نے ۱۴۳۰ء میں ملتان پر یلغار کی، حاکمِ مُلتان عمادُالملک تلمبہ کے مقام پر اس کے خلاف صف آرا ہوا۔ شیخ علی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا، اس نے آتشِ انتقام سے مغلوب ہوکر دریائے راوی عبور کرنے کے بعد جھنگ پر ہلّہ بول دیا، سلطان شاہ لودھی نے مقامی حکمرانوں کی التجا پر اپنی فوج اس کے مقابلے میں روانہ کی۔ لیکن سلطان شاہ خود قتل ہوگیا۔ شیخ علی نے پنڈی بھٹیاں سے لے کر ترمبوں تک کا سارا علاقہ روند ڈالا، اور شورکوٹ پر حکومت قائم کرلی۔

۱۴۳۱ء میں اس نے پھر جھنگ کے کھوکھروں کے سردار جسرت سے سازِش کرکے ملتان پر براستہ تلمبہ حملہ کردیا۔ لیکن سید مبارک شاہ

حاکم دہلی جو اس وقت دیپال پور میں قیام پذیر تھا، بہ نفس نفیس مقابلے پر آیا اور اسے شکست دی، کھوکھروں کو عبرت ناک سزائیں دی گئیں، مبارک شاہ چند سال تک براہ راست جھنگ پر حکومت کرتا، پھر اس نے محمد شاہ نامی ایک شخص کو والی مقرر کر دیا۔

حکومت دہلی یہاں کی شورشوں اور فتنہ سامانیوں سے تنگ آ چکی تھی، آئے دن کی افراتفری کا یکبارگی خاتمہ کرنے کے لئے جھنگ، بھیرہ، بھکر اور شور کوٹ کا تمام علاقہ صوبہ ملتان میں مدغم کر دیا گیا۔ حضرت شیخ یوسف جو حضرت بہاء الدین زکریا کی اولاد میں صاحب حیثیت بزرگ تھے، حاکم مقرر ہو گئے۔ ان کے دور حکومت کے ابتدائی چند سال اطمینان سے بسر ہوئے۔ ناگاہ لنگاہ قوم کے ایک فرد نے شیخ یوسف کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا، اور ملتان کی فرماں روائی خود سنبھال لی۔ ۱۵۲۸ء تک جھنگ، چنیوٹ اور شور کوٹ پر لنگاہ قوم کے افراد قطب الدین حسین خاں لنگر خاں اور شمشیر خاں قابض رہے، اور پھر مغلوں کے ہاتھوں شکست کھا کر یہ خاندان ہمیشہ کے صفحہ اقتدار سے محو ہو گیا،

۱۵۲۸ء تا ۱۵۴۰ء جھنگ کا علاقہ پہلے مغل تاجدار ظہیر الدین بابر کی سلطنت کا حصہ رہا، اور مقامی طور پر نواب مبارک خاں و نواب عزت خاں حکومت کرتے رہے، ہمایوں کی شکست کے بعد جب اقتدار شیر شاہ سوری

کے ہاتھوں میں منتقل ہوا تو یہ علاقہ بھی شیر شاہ کی تحویل میں آ گیا، شیر شاہ پہلا فرماں روا ہے جس نے جھنگ میں فوجی چوکیاں قائم کیں۔ یہ چوکیاں چنیوٹ لنگر مخدوم، بخاریاں، رسول پور، تریمو اور گڑھ مہاراجہ میں تعمیر ہوئیں، پرانی سڑکوں کی مرمت ہوئی۔ شیر شاہی عہد کی تعمیر کردہ سڑکوں کے آثار ہنوز موجود ہیں ان میں دو سڑکیں جھنگ صدر سے گزرتی ہیں، پہلی سڑک موجودہ حفاظتی بند کے ساتھ چاہ گھوڑا کے قریب ہے، اور دوسری دو سڑکیں مستن اور سبتن کو جاتی ہیں۔ دریا کی شاخوں پر تین پل بھی اسی عہد میں تعمیر ہوئے۔ شیر شاہ سوری نے جھنگ میں ایک بڑا فوجی اصطبل اور قلعہ بھی بنوایا تھا، یہ قلعہ موجودہ کٹہرہ ہیر والا کے گرد و نواح میں واقع تھا، اور اصطبل اس سے ملحق تھا، کٹہرہ ہیر والا کا میدان عساکر شاہی کے لئے پڑاؤ کا کام دیتا تھا، اس کے علاوہ موجودہ گرلز کالج کی جگہ ایک کشادہ میدان تھا، جو لشکریوں کی قیام گاہ کے طور استعمال ہوتا تھا۔ شیر شاہ نے شورکوٹ میں اپنے چچازاد بھائی تاج الدین سوری کو حاکم مقرر کیا، ملتان تک کا علاقہ اس کی عملداری میں تھا، تاج الدین ایک خدا ترس اور درویش صفت حکمراں تھا، اس کے عہد حکومت میں ہر طرف خوش حالی کا دور دورہ تھا، موجودہ شورکوٹ شہر اسی کا آباد کردہ ہے، کیونکہ سکندر اعظم کے حملوں سے شورکوٹ شہر تباہ و برباد ہو گیا تھا، بعد کے حکمرانوں نے نواں شہر شورکوٹ کے قریب عارضی شہر بسایا، جو اجڑ گیا

تاج الدین سُوری نے برباد شدہ قلعہ کی کھدائی شروع کرائی، تاکہ جگہ کو ہموار کر کے نیا شہر آباد کیا جائے۔ لاکھوں روپے کے مصارف کے باوجود قلعہ کے کھنڈرات ہموار نہ ہو سکے، مجبوراً قلعہ کے نیچے نیا شہر تعمیر ہوا، جس کی ابتدا میں فصیل بھی تھی، اور پختہ دروازے بھی، لیکن بعد میں امتدادِ زمانہ کے باعث فصیل اور دروازے گر گئے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جھنگ کے حکمران خاندانوں کے عروج وزوال کا ذکر واقعات کے تسلسل کے تحت ذیل میں کر دیا جائے۔

لودھیوں کے عہدِ حکومت تک شورکوٹ اور چنیوٹ علاحدہ ریاستوں کا درجہ رکھتے تھے اور ان کا نظم ونسق مقامی حکمرانوں کے سپرد تھا، جو صوبہ دار ملتان یا صوبہ دار لاہور کے تابع ہوتے تھے، یہ حکمران ہر سال دربار لاہور کو خراج ادا کرتے تھے۔ لیکن نواب بہلول لودھی کے عہد میں ۸۴۸ھ کے لگ بھگ جھنگ کے تمام علاقوں کو ملا کر ایک ریاست بنا دی گئی جس کی حکومت چوچک سیال کو تفویض ہوئی۔ چوچک سیال قوم کا پہلا حکمراں تھا، جھنگ میں سیال قوم کی کم وبیش ۳۲ شاخیں مختلف ناموں سے موجود ہیں اور اب تک یہاں کے صاحبِ حیثیت زمیندار اسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا جدِ اعلیٰ راسیال علاقہ جون پور (یوپی) سے حضرت

بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوا۔ اور باباصاحب کے ارشاد کے مطابق اس نے علاقہ کھچی میں سکونت اختیار کی، کھچی اس علاقے کو کہتے ہیں جہاں دریا کے ساحل کے ساتھ ساتھ ریگ زار ہو، یہ دریائے جہلم کے کناروں کے ساتھ ساتھ خوشاب تک پھیلا ہوا ہے، کھچی پر اس میکن قوم حکم راں تھی۔ اوران کی حدود ریاست منکیرہ اور قصبہ اموانی (موجودہ نام حیدرآباد) تک وسیع تھیں، راسیال نے جہاں قیام کیا وہ جگہ اب تک سیالکوٹ کے نام سے مشہور ہے۔ حاکم وقت بہاؤخاں، راسیال کی شرافت، عزتِ نفس اور حسنِ اخلاق سے بے حد متاثر ہوا۔ اور اپنی سوہاگ نامی لڑکی اس کے حبالۂ عقد میں دے دی، جس کے بطن سے تین لڑکے بھرمی کوہلی اور راہنی پیدا ہوئے، سیالوں کی نسل انہی سے چلی، موجودہ قصبہ کوٹلی باقر کا رئیس چوچک ولد چوٹ تھا، جس کی ریاست جبوانہ سے ماچھیوال تک پھیلی ہوئی تھی، سیالوں میں یہ پہلی جاگیر تھی، جو نواب بہلول لودھی حاکم لاہور نے بخشی تھی، ورنہ قبل ازیں سیالوں میں کوئی رئیس یا حکم ران نہ تھا، البتہ لوگ بابا فریدؒ کی نسبت سے اُن کا احترام کرتے تھے، اور حکم راں بھی ان کی بزرگی ملحوظِ خاطر رکھتے تھے،

چوچک بے اولاد تھا، اور حضرت محمد احمد کبیر ثانی بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا مرید تھا، اس نے مخدوم صاحب سے اولاد کے لئے دُعا کرائی۔

ایک دن مخدوم صاحب نے چوچک سے کہا کہ خدا نے تمہاری دُعا قبول کر لی ہے انشاء اللہ تمہیں اولاد نصیب ہوگی، ۳۰ھ میں اس کے گھر لڑکی پیدا ہوئی۔ جس کا نام عزت بی بی تجویز ہوا، وہ بڑی صالحہ، نیک سیرت اور عبادت گزار تھی۔ اس کے زہد کی وجہ سے لوگ اسے "ہیر" کہتے تھے، بعض شعراء نے رانجھا سے اس خاتون کے عشق و محبت کا افسانہ تراشا، حالانکہ رانجھا حقیقت میں ہیر کا مرید اور خلیفہ تھا۔ (کتاب کے آخر میں تفصیلی مضمون ملاحظہ فرمائیے)

نواب بہلول لودھی ہیر کے حلقہ ارادت میں شامل تھا۔ اس نے اپنی مرشدہ کی خدمت کے لئے جھوانہ سے ماچھیوال تک کا علاقہ بطورِ جاگیر عنایت کیا۔ ہیر دنیاوی دھندوں سے ماوراء تھی، بنا بریں جاگیر کا انتظام اس کے والد چوچک نے سنبھال لیا، چوچک کی وفات کے بعد ہیر کا حقیقی بچا مل خاں ریاست کا وارث ہوا۔ مل خاں بڑا زیرک، بہادر اور خوش گفتار تھا، اس نے حاکم لاہور سے قریبی مراسم ہموار کئے، رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک اختیار کیا اور اپنی معاملہ فہمی اور خوش تدبیری سے رعایا کی تائید و حمایت پر اپنے مقبوضات میں توسیع کی کوشش کی۔ مل خاں کے زمانے میں ریاست جھنگ قوم نول کے زیرِ اقتدار تھی، اگرچہ نول بڑے دلیر اور جفاکش تھے، لیکن میر داد خاں نول جو اس وقت حاکم تھا، سخت تیز مزاج اور

وہمی طبیعت کا مالک تھا، اس کے خلاف شکایات دربار لاہور تک جاتی رہتی تھیں،
اسی دوران مل خاں کو موقع مل گیا اور اس نے دریائے چناب عبور کر کے نول
ریاست کے ایک حصّہ پر قبضہ کر لیا۔ اور جھنگ شہر کو دوبارہ بسایا (تاریخ میں جھنگ
شہر پانچ بار اُجڑ کر آباد ہوا ہے) کیونکہ دریائے چناب کی طغیانی نے اسے
تباہ و برباد کر دیا تھا۔ مل خاں جھنگ شہر کو اپنا مرکز بنا کر نولوں سے
برسرِ پیکار رہا۔ اور متعدد بار اِس کے ہاتھوں نولوں کو شکست اُٹھانی
پڑی، یہاں تک کہ وہ کوٹ لکھنانہ کے قلعہ میں سمٹ آئے اور محصور ہو گئے
نولوں نے مل خاں کے خلاف نواب بہلول کی خدمت میں عرض داشت پیش کی
جس میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ مل خاں کی بھتیجی عزت بی بی عرف ھیر ایک بدکردار
عورت ہے اور رانجھا نامی ایک شخص سے اس کے ناجائز مراسم ہیں، اور علاقہ
کی حکومت کا اصل دارومدار ھیر پر ہے۔ مل خاں کے پاس کوئی اختیارات
نہیں، نواب بہلول اپنی مرشدہ کے بارے میں ایسے گھٹیا الزامات سُن کر
آگ بگولہ ہو گیا، اور نولوں کے نمائندے کو پابند سلاسل کر دیا۔ اِن سے
اقتدار ہمیشہ کے لئے چھین لیا گیا، اور یہ تمام علاقہ مل خاں کی تحویل میں آ گیا،
نول قوم کی حکومت ختم ہو گئی۔ اور خانہ جنگی بھی انجام پذیر ہوئی، بقول
اختر علی ندوی "ھیر کے بارے میں عشقیہ کہانی کا پلاٹ یہیں سے پیدا
ہوا جو شاعروں کے ہاتھ میں کہیں سے کہیں پہنچ گیا، مل خاں کو خانی کا خطاب

اور تمام ریاست جھنگ اس کے حیطۂ اقتدار میں آگئی، یہ صورت دیکھ کر دوسری قوموں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ اور وہ بھی حکومت کے خواب دیکھنے لگیں نتیجتاً مل خاں کے خلاف بغاوتوں کا سلسلہ کھڑا ہو گیا، لیکن مل خاں نے پے در پے تمام باغیانہ عناصر کی سرکوبی کی۔ اور انھیں ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ ہیر کی وفات اپنے چچا کی زندگی میں ہی واقع ہو گئی تھی۔ مل خاں نے اپنی بھتیجی کو موجودہ مزار کی جگہ پر دفن کیا۔ نواب مل خاں کے انتقال کے بعد اس کے چار لڑکوں میں سب سے بڑے لڑکے دولت خاں کو باپ کی وراثت اور جانشینی تفویض ہوئی، اس کے زمانے میں تھل کے بلوچوں نے بغاوت کر کے کھچی کا علاقہ قبضہ میں کر لیا، دولت خاں بغاوت رفع کرنے کے لئے روانہ ہوا اور میدانِ جنگ میں ایک تیر لگنے سے جاں بحق ہو گیا، اس کا مزار اٹھارہ ہزاری میں موجود ہے، اس کے بعد اس کے بیٹے غازی خاں کو حکمران تسلیم کیا گیا غازی خاں نے تھل پر حملہ جاری رکھا، اور بلوچوں کو شکستِ فاش دی۔ پھر ان کے قتلِ عام کا حکم دے دیا، منکیرہ تک کا علاقہ غازی خاں کے ہاتھ آگیا، بلوچوں نے جھنگ میں آکر غازی خاں سے پناہ مانگی، جو انھیں مل گئی۔ اور تھل کا علاقہ واگزار کر دیا گیا۔ غازی خاں پہلا حکمران تھا جس نے اپنی فوج کی بھرتی اور انتظام ماہانہ تنخواہ پر کیا، اور اپنا سکہ

رائج کیا، یہ سکہ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں بند ہوگیا تھا۔ اِس نے اپنی ریاست کی سرحدوں پر مضبوط قلعے تعمیر کرائے، جن میں چوترہ کا قلعہ مشہور تھا، یہ قلعہ اب دریائے جہلم کی نذر ہو چکا ہے، ڈیرہ غازی خاں کا شہر بھی، غازی خاں کا ہی آباد کردہ ہے۔

مگھیانہ شہر کی بنیاد

موجودہ شہر مگھیانہ عہد اکبری میں آباد ہوا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ میگھا نامی ایک شخص نے جس کا شجرہ چار پشتوں کے بعد غازی خاں کے اجداد سے ملتا تھا، غازی خاں سے کہا کہ میرے قبیلے کے لوگ خانہ بدوشوں کی طرح تیری ریاست میں در بدر پھرتے ہیں۔ ان کو ایک جگہ آباد کردو تو یہ لوگ تمہاری وفاداری کریں گے، غازی خاں نے میگھا کو شہر بسانے کی اجازت دے دی، اس طرح مگھیانہ شہر معرض وجود میں آیا، مگھیانہ سیالوں کا اثر و رسوخ یہاں اب تک پایا جاتا ہے۔

ریاست کھیوہ

غازی خاں کے ایک اور رشتہ دار مسمی کھیوہ ولد ستی نے

میگھا کے تتبع میں اپنے قبیلے کے لئے بھی علاحدہ شہر بسانے کی اجازت طلب کی، غازی خاں آمادہ ہوگیا، چنانچہ ستی نے موجودہ قصبہ سیتستانہ آباد کیا اور اس کے بیٹے کھیوہ خاں نے موجودہ قصبہ کھیوہ کی بنیاد رکھی، بعد ازاں کھیوہ کو جھنگ کی ذیلی ریاست کا درجہ حاصل ہوگیا، جس کی حکومت ۱۵۷۰ء کے بعد چار پشتوں تک کھیوہ خاں کی اولاد میں رہی، رجوعہ کی ریاست بھی اکبر کے عہد میں ہی معرض وجود میں آئی۔ بادشاہ نے یہ علاقہ شاہ دولت بخاری کو بطور جاگیر عطا کیا تھا؛

غازی خاں کی وفات کے بعد اس کا بیٹا جلال خاں ریاست جھنگ کا مالک بنا۔ جلال خاں اپنے بھائی پہاڑ خاں سے برسرِپیکار رہتا تھا، جو اس وقت چوترہ کا حاکم تھا۔ دونوں بھائیوں میں ابتداء ہی سے چپقلش اور ناراضی تھی۔ جلال خاں نے بھرپور حملہ کرکے گڑھ مہاراجہ تک کا علاقہ فتح کرلیا، اس وقت گڑھ مہاراجہ مظفر گڑھ میں شامل تھا۔ اس کے بعد یہ علاقہ مستقل طور پر جھنگ کا حصّہ بن گیا۔ لیکن اس کی متعدد ذیلی ریاستیں ہوگئیں۔ ان میں رامسن نے ریاست مسن قائم کی۔

غازی خاں کے آٹھ بیٹے تھے، ان میں صرف جلال خاں

باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ جلال خاں کے انتقال پر اس کا بیٹا رشید خاں حکمراں بنا، رشید پور کا قصبہ اسی نے آباد کیا لیکن وہ از خود ریاست کا انتظام اپنے بڑے بیٹے فیروز خاں کے سپرد کر کے دست بردار ہوگیا۔ فیروز کمزور طبیعت کا شخص تھا، اس کا چھوٹا بھائی کبیر خاں بڑا دلیر، شجاع اور غیرت مند تھا، اس نے اپنے دادا جلال خاں کا انتقام لینے کا ارادہ کیا، اور اس غرض سے بھاری جمعیت فراہم کرنے میں مصروف ہوگیا، موجودہ قصبہ گل مالہ میں اس نے اپنے لئے قلعہ تعمیر کروایا، قلعہ و شہر کی تعمیر و استحکام سے فراغت حاصل کر کے اس نے فیروز خاں سے ریاست کے نصف حصے کا مطالبہ کر دیا، فیروز خاں صورت حال بھانپ کر اپنے حق سے دست کش ہوگیا، اور تمام ریاست کبیر خاں کے سپرد کر دی۔ یہاں سے وہ اپنے خاندان سمیت ماچھیوال ہجرت کر گیا، اور ماچھیوال کے قریب نیا شہر فیروز پور کے نام سے آباد کیا۔ جہاں اس نے ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا، قلعہ کے نشانات آج تک موجود ہیں۔

ریاست بھنگو کی تاسیس

علاقہ شور کوٹ میں بھنگو ایک مشہور قصبہ ہے، مغل شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں شور کوٹ کے رابھنگو نامی ایک حاکم نے اس کی بنیاد رکھی،

اس کا وزیر اعلیٰ میرک خاں سیال تھا، میرک خاں نے موقع پا کر اس کے خلاف مسلح بغاوت کر دی اور بھنگو کو قتل کر دیا، شورکوٹ پر میرک کا قبضہ ہو گیا، اس نے نیا شہر اپنے نام پر بسایا اور اسے ریاست شورکوٹ کا صدر مقام قرار دیا۔ قصبہ میرک سیال آج بھی تحصیل شورکوٹ کا مشہور قصبہ ہے۔

اسی عہد کا ایک اہم ترین واقعہ شہزادہ خرم کی بغاوت ہے۔

خرم جو بعد میں شاہ جہاں کے لقب سے تختِ دہلی پر رونق افروز ہوا اپنے باپ جہانگیر کے خلاف صف آرا ہونے کے لئے سیالوں کی نصرت و حمایت کا طلب گار ہوا، جب وہ جھنگ پہنچا تو سیالوں نے اسے تریمو کے قریب گھیرا ڈال کر گرفتار کر لیا، اور اس کا تمام ساز و سامان لوٹ کر اس کو جہانگیر کے روبرو پیش کر دیا، جہانگیر نے خوش ہو کر سیالوں کی ریاست کو مزید وسعت دے دی اور انہیں انعام و اکرام سے نوازا، اسی زمانے میں جھنگ کے نواب وزیر خاں جن کا صحیح نام علم الدین انصاری تھا، جہانگیر کے مقرب بن کر لاہور کے حاکم مقرر ہوئے تھے،

مرزا صاحباں

مرزا صاحباں سرزمینِ جھنگ کا مشہور رومانی قصہ ہے۔ اس حسین باب کی اصلیت یہ ہے کہ ریاست کھیوڑہ کے حکمران کھیوہ خاں کی منہ بولی بہن جو قوم مرحل سے تھی

دانا آباد علاقہ کمالیہ کی ساھی قوم کے ایک شخص سے بیاہی ہوئی تھی، (ساھی کھرلوں کی شاخ ہے) اس خاتون کے ایک بیٹے کا نام میرزا خاں تھا جو جو اوائلِ عمر سے ہی اپنے کھیوہ خاں کے پاس مقیم تھا، کھیوہ خاں کی بیٹی صاحباں اس کی ہم عمر تھی اور دونوں ایک ہی مسجد میں تعلیم پاتے تھے، دونوں کے درمیان احساسِ یگانگت در فاقت بچپن ہی سے بیدار ہو رہا تھا، جب دونوں سن بلوغ کو پہنچے تو ان کی باہمی محبت آشکارا ہو گئی کھیوہ خاں نے فی الفور صاحباں کے رشتہ کا بندوبست کر لیا۔ خان طاہر چھابند چھٹر دولھا بن کر برات لے آیا۔ اچانک مرزا نے شب خون مارا، اور صاحباں کو اغوا کر لیا، چدھڑوں نے تعاقب کر کے مرزا کو راوی کے کنارے قتل کر دیا صاحباں کی شادی ہو گئی، لیکن صاحباں مرزا کا خون معاف نہ کر سکی، اسے اس کی ہلاکت کا بے حد قلق تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ خاوند اور زوجہ کے مابین مناسب تعلقات برقرار نہ رہ سکے۔ بالآخر صاحباں کو کھیوہ خاں کے ایماء پر قتل کر دیا گیا، اسی روز سے ماہنی سیالوں میں دختر کشی کی رسم چل پڑی، ماہنی سیالوں نے ہزارہا لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی تہ تیغ کر دیا۔ یہ قبیح رواج میجر جارج ویم ہیملٹن کمشنر ملتان کی بھرپور کوششوں سے برطانوی عہدِ حکومت میں بڑی مشکل سے ختم ہوا۔

حضرت مجدد الف ثانی سرہندی بھی ایک بار جھنگ

تشریف لائے تھے، آپ نے اپنے ہم مکتب دوست نواب سعد اللہ خاں کی معیت میں ایک ہفتہ چنیوٹ میں قیام فرمایا۔ بعد میں سعد اللہ خاں شاہجہان کے وزیر اعظم مقرر ہوئے، (ان کے حالاتِ زندگی پر مشتمل کتاب عن قریب شائع ہو رہی ہے)

داراشکوہ نے بھی اپنے باپ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے جھنگ میں قیام کیا تھا، وہ جھنگ صدر کے محلہ چنیلی مارکیٹ کی ایک گلی میں جو دفتر میونسپل کمیٹی کے بالمقابل واقع ہے ٹھہرا تھا، اس نے اپنی جائے رہائش سے ملحق ایک مسجد تعمیر کرائی جو آج بھی موجود ہے، اگرچہ اس کی عمارت دوبارہ تعمیر ہوئی ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر نے قندھار کی مہم سے مراجعت کے دوران قلعہ گڑھ مہاراجہ میں ایک ہفتے قیام کیا، اور یہاں کے فقراء سے ملاقات کی، ان میں حضرت محبوب عالم جن کا مزار شورکوٹ میں ہے اور حضرت باہو سلطان بھی شامل ہیں، محبوب عالم کو وسیع جاگیر عطا کی،

کبیر خاں نے سولہ سال تک جھنگ پر بڑے تزک و احتشام اور طنطنہ و دبدبہ کے ساتھ حکومت کی، لیکن درشت مزاج کا مالک تھا عوام کے دل نہ جیت سکا، اس کی موت کے بعد اس کا لڑکا ولی داد خاں جانشین

بنا، ولی داد خاں نہایت زیرک، معاملہ فہم اور جہاں دیدہ شخص تھا، اس نے زمامِ حکومت سنبھالنے کے بعد تمام ذیلی ریاستوں کے نظامِ مالگزاری کا جائزہ لیا، اور انتظامی امور کی دیکھ بھال شروع کی، ایسے کاموں سے ولی داد کی شہرت و عظمت میں چار چاند لگ گئے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ لاہور کے صوبہ دار نے تمام مقامی سربراہوں اور والیوں کو مال گزاری ادا کرنے کے لئے چنیوٹ میں طلب کیا — ولی داد خاں کے سوا تمام رئیسوں نے حاضری دے کر معذرت کی، لیکن حاکمِ اعلیٰ کو ولی داد خاں کے خلاف بھڑکانے اور مشتعل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ولی داد کو معلوم ہوا تو اس نے ایک انتہائی تیز رفتار قاصد چنیوٹ روانہ کیا، اور اطلاع بھیجی کہ وہ تمام بقایاجات کی ادائی کرنا چاہتا ہے، اس نے جاتے ہی تمام روپیہ ادا کر دیا اور صوبیدار سے درخواست کی کہ جن رئیسوں نے حساب بے باق نہیں کیا ہے ان سے وصولی کا فرض اس کے سپرد کر دیا جائے، وہ تمام باقی داروں سے روپیہ وصول کر کے دربار لاہور میں خود بھیج دے گا؛ صوبہ دار نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا، اور جملہ امور کی انجام دہی کے اختیارات اس کے فرائض میں شامل کر دئے، ولی داد خاں اِن رئیسوں کو اپنے ہمراہ لایا اور آتے ہی قید میں ڈال دیا، ان کی ریاستوں کو لشکر کشی کے ذریعے براہِ راست

اپنے قبضہ میں لے لیا، مفتوحہ ریاستوں میں کھیوہ، کمالیہ، مسن، رشید پور، میرک سیال، رجوعہ اور چنیوٹ شامل تھیں، بعد ازاں رجوعہ کی ریاست جہانگیر کے حکم پر سادات رجوعہ کو واپس لوٹا دی گئی، رفتہ رفتہ ولی داد خاں نے باقی ماندہ ریاستوں کا بھی الحاق کر لیا، ان میں ماڑی شاہ سخیرا، ٹلواڑہ کھوکھراں، کوٹ خاں تابل ذکر ہیں۔ ماڑی شاہ سخیرا دراصل سادات کی ملکیت تھی، لیکن ڈیرہ غازی خاں کے ایک بلوچ نصرت نے حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا، ولی داد خاں نے نصرت کو شکست دے کر پنڈی بھٹیاں سے کمالیہ تک اپنی ریاست وسیع کر لی، یہ مردم شناس اور دانا حکمران وزیر آباد کے قریب سکھوں کی ابتدائی شورش کا قلع قمع کرنے میں مصروف تھا کہ قولنج کا سخت حملہ ہوا پھر وہ اس مہلک مرض سے جانبر نہ ہو سکا۔ اور ۱۱۶۳ھ میں دارِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گیا۔

ولی داد خاں کی رعایا پروری ایک مدت تک ضرب المثل رہی، اس نے عوامی فلاح و بہبود کے کاموں میں دل کھول کر حصہ لیا تھا، رعایا خوش حال اور فارغ البال تھی، ہر طرف اطمینان و سکون کا بسیرا تھا، اور لوگ امن و چین کی زندگی گزار رہے تھے، ولی داد خاں کو تعمیرات کا بھی شوق تھا، اس نے متعدد عمارتیں بنوائیں، ان میں احمد پور سیال کا قصبہ اور گڑھ مہاراجہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

عنایت اللہ فیروز جنگ

ولی داد خاں اولاد نرینہ سے محروم تھا۔ اس کی ایک بیٹی فتح بی بی تھی، جس کو اس نے اپنے بھتیجے عنایت اللہ خاں کے عقد میں دے دیا تھا، اس کے دو بیٹے شہادت خاں اور شیر خاں تھے، ولی داد کے مرنے کے بعد اس کے دونوں نواسے بیک وقت جانشین قرار پائے۔ وہ دونوں ابتدا میں ایک ہی تخت پر بیٹھتے تھے، لیکن بعد میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ دونوں میں زبردست مقابلہ ہوا، عنایت اللہ خاں کو ان کی باہمی کش مکش اور غارت گری سے رنج پہنچا، اس نے ریاست کا نظم و نسق ۱۱۶۷ھ میں تنگ آکر خود سنبھال لیا، جب ہندوستان پر احمد شاہ ابدالی کے حملے شروع ہوئے، ولی داد خاں کی ریاست کا میر منتظم عنایت اللہ خاں ہی تھا، اس نے احمد شاہ ابدالی سے معاہدہ کر کے جھنگ کو لوٹ مار اور غارت گری سے محفوظ رکھا، البتہ ابدالی کے لشکر نے عنایت اللہ خاں کے مخالفین کی اچھی طرح گوشمالی کی، اور جو ریاستیں مثلاً رشید پور، منکیرہ، فیروز پور وغیرہ ان کے قبضے میں تھیں وہ ساری عنایت اللہ خاں کے حوالے کر دیں، اس کے عوض عنایت اللہ نے احمد شاہ ابدالی کو تھل اور ملتان کے حکمران خاندانوں کی کمزوریوں اور رازوں کے بارے میں خفیہ معلومات مہیا کیں

جن سے استفادہ کرتے ہوئے احمد شاہ نے لوٹ مار کا بازار خوب گرم کیا

ملتان پر یلغار

احمد شاہ ابدالی کی ملتان پر فوج کشی، مسلسل حملوں اور تاخت وتاراج کے نتیجے میں متعدد حکم رانوں کو اپنی ریاستوں سے دست بردار ہونا پڑا تھا۔ انھوں نے اپنی محرومی کا انتقام عنایت خاں سے لینے کا فیصلہ کیا، ان میں نواب علی محمد خاں ایک نامور جرنیل تھا۔ اس نے جھنگ کے بعض علاقوں پر دھاوا بول دیا اور سخت کشت وخون کے بعد ماڑی شاہ سخیرا پر قبضہ کر لیا۔ عنایت اللہ خاں نے بڑی بے جگری سے اس کا مقابلہ کیا، معرکہ کارن پڑا اور بالآخر علی محمد خاں کے لشکر نے راہِ فرار اختیار کی، سینکڑوں سپاہی گرفتار ہو گئے، نتیجتاً علی محمد خاں کے علاقوں پر بھی عنایت اللہ خاں کا تسلط ہوگیا۔

کوٹلہ ظریف خاں

شورکوٹ کے قریب کوٹلہ ظریف خاں ایک اہم قصبہ موجود ہے اس کی بنیاد احمد شاہ ابدالی کے ایک سپہ سالار ظریف خاں نے ۱۱۷۱ھ میں رکھی تھی، احمد شاہ ابدالی اور عنایت اللہ کے مابین جو معاہدہ طے پایا تھا

اس کی رُو سے عنایت خاں نے خراج دینا منظور کیا تھا جس کی وصولی کے لئے احمد شاہ نے ظریف خاں کو مقرر کیا، ظریف خاں نے یہاں قلعہ تعمیر کروایا اور یہیں وفات پائی، بعد میں اس کی اولاد نے بھی مستقل طور پر جھنگ میں بود و باش اختیار کر لی، ظریف خاں عصیب کوکا خیل نسل سے تعلق رکھتا تھا جس کا پدری شجرہ نسب عبدالرشید بن قیس سے جو پہلا یہودی النسل مسلمان تھا اور افغانستان میں آباد ہو گیا تھا، جا ملتا ہے، اور مادری سلسلہ خالد بن ولید پر منتج ہوتا ہے،

گڑھ مہاراجہ

نواب علی محمد خاں گڑھ مہاراجہ پر حکومت کرتا تھا، اس کا علاقہ صوبہ دار ملتان کے ماتحت تھا: نواب مذکور نے صورت سنگھ اور عجب سنگھ نامی دو افراد کو اپنا مختار کار بنا رکھا تھا، جب علی محمد خاں مازی سنخیرہ سے شکست کھا کر بھاگا تو عنایت اللہ خاں نے اس کا تعاقب کیا، اسی دوران اسلام آباد، نیکو کارہ اور جلال پور تحصیل شور کوٹ کے کملانہ قوم کے رؤسا علی محمد کی حمایت پر کمر بستہ ہو گئے۔ اور انہوں نے عنایت خاں کی فوجوں کو گڑھ مہاراجہ سے نکال دیا، عنایت خاں ہزیمت اٹھا کر شور کوٹ چلا آیا، جہاں اس نے بہادر شاہ قریشی دموسس قصبہ

حویلی بہادر شاہ) میاں ماچھی اور عنایت خاں (عمائدین قوم جنجبیانہ) نورنگ خاں (سردار قوم کاٹھیہ) سلطان خاں (سردار قوم سگرنہ) سے امداد طلب کی اور دوبارہ گڑھ مہاراجہ کا محاصرہ کرلیا، دو ماہ تک جنگ جاری رہی، بالآخر عنایت اللہ خاں نے قلعہ مسخر کرلیا، اس مہم میں نواب علی محمد خاں قتل ہوگیا، اور اس کی نعش ملتان بھجوادی گئی،

کوٹ ایمنگر

قصبہ ماڑی سے ساہیوال تک کی ریاست شیر خاں ٹوانہ کے پاس تھی، اُس نے عنایت خاں کو مال گزاری کا حصہ دینا بند کردیا، شیر خاں اور عنایت کے مابین مخاصمت شروع ہوئی۔ شیر خاں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے باپ مہان سنگھ سے معاونت کی درخواست کی، یہ پہلی فوج تھی جو بھنگی سکھوں کی قیادت میں جھنگ پر حملہ آور ہوئی۔ عنایت خاں نے ریاست بڑانہ کے سربراہ ہتائی بھٹی کی امداد سے سکھ.. فوج کا مقابلہ کیا، اور انھیں شکست فاش دی، ریاست جھنگ کی حدود ساہیوال تک وسیع ہوگئیں۔ شیر خاں ٹوانہ اسیر ہوکر جھنگ پہنچا، لیکن اسے بعد میں رہا کردیا گیا،

چنیوٹ پر سکھوں کا حملہ

جب سلطنتِ مغلیہ کا آفتابِ اقبال غروب ہو گیا تو سکھوں نے شاہی مقبوضات پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا، چنانچہ سردار گنڈا سنگھ کے بھتیجے وسوسنگھ نے چنیوٹ پر ہلّہ بول دیا، اِس وقت چنیوٹ کا قلعہ دار انوپ سنگھ تھا؛ اُس نے حملہ آوروں کے ساتھ سازش کر لی، نتیجتاً خود عنایت خاں نے میدانِ جنگ میں نوجوں کی کمان کی، سکھ ہار گئے، وسوسنگھ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا، باقی سکھوں نے امان طلب کی، اِس طرح چنیوٹ پر عنایت خاں کا تسلّط برقرار رہا۔ چنیوٹ کا شہر اور قلعہ ماچھی خاں کی بہن رانی چندن نے تعمیر کروایا تھا، جو عموماً مردانہ لباس پہنتی اور بڑے کروفر کے ساتھ حکومت کرتی تھی،

حیدر آباد کی فتح

حیدر آباد و منکیرہ پر خوش حال خاں کی حکومت تھی، بلوچوں نے اس کے خلاف بغاوت کی اور دونوں شہروں پر قبضہ کر لیا۔ خوشحال خاں سادات بخاری کا معتقد تھا، اس نے نوبہار شاہ بخاری ساکن اچ بھاٹیوں

کی خدمت میں شکایت پیش کی ، نوبہار شاہ نے اس کی امداد کے لیے عنایت خاں کو لکھا ، عنایت خاں نے اپنے لڑکے صاحب خاں کی زیر قیادت لشکر روانہ کیا ، حیدر آباد اور منکیرہ فتح ہو گئے ، اور بلوچوں کو گرفتار کر لیا گیا ۔ اس طرح جھنگ کی حدود میاں والی تک وسیع ہو گئیں

امیر کابل کی آمد

عنایت اللہ خاں کے آخری سالوں میں امیر دوست محمد خاں والیٔ افغانستان کے والد امیر جہاں خاں ۱۱۹۸ھ میں جھنگ تشریف لائے آپ نے عنایت خاں کے پاس قیام کیا اور عنایت خاں سے اس کی ہمشیرہ کے رشتے کی درخواست کی ۔ اس وقت عنایت خاں کی سات بہنیں بن بیاہی موجود تھیں ۔ اس نے ایک ہی رات میں سب کا نکاح کر کے امیر جہاں خاں سے گلو خلاصی حاصل کی ۔ جہاں خاں ، عنایت خاں کے انکار سے دل برداشتہ ہو کر واپس چلے گئے ۔

عنایت اللہ خاں نے ۱۵ صفر ۱۲۰۳ھ کو وفات پائی ۔

سکھوں کا دوسرا حملہ

عنایت خاں کے دو بیٹے تھے ، ایک سلطان محمود خاں ،

دوسرا صاحب خاں، صاحب خاں ایک طوائف کے بطن سے تھا، سلطان محمود
باپ کا جانشین مقرر ہوا۔ صاحب خاں نے چند سال تو صبر کے تلخ گھونٹ
پئے، انجام کار بھائی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ
کے والد سردار مہان سنگھ سے امداد طلب کی، مہان سنگھ لشکر
لے کر نڈھا گھر سے شاہ جیونہ پر حملہ آور ہوا، شاہ جیونہ اس وقت دفاعی
چوکی تھی، جس پر کرم سنگھ بطورِ نگراں متعین تھا، کرم سنگھ نے
شکست تسلیم کرلی۔ مہان سنگھ اور صاحب خاں کی افواج نے مسن
تک تمام علاقہ فتح کرلیا، سلطان محمود نے گڑھ مہاراجہ، منکیرہ، ملتان
اور شورکوٹ کے والیانِ ریاست سے کمک حاصل کرکے مہان سنگھ اور
صاحب خاں کو شکست دی، مہان سنگھ واپس چلا گیا اور صاحب خاں
روپوش ہوگیا، چھ ماہ بعد صاحب خاں کو خبر ملی کہ اس وقت جھنگ
خالی ہے، سلطان محمود کی فوجیں باہر ہیں، اس نے موقع غنیمت جان کر
جھنگ شہر پر حملہ کردیا، اور قلعہ فتح کرکے سلطان محمود کی ماں کو جو بیٹے
کے نام پر خود حکومت کرتی تھی موت کے گھاٹ اتار دیا، یہ واقعہ ماہ
شعبان ۱۲۰۴ھ میں رونما ہوا۔ ضلع کے زعماء نے دونوں بھائیوں
میں مفاہمت کرادی، چنانچہ دونوں بھائی بیک وقت دربار لگانے لگے،
مگر چھ ماہ بعد صاحب خاں کی نیت پھر خراب ہوئی اور اُس نے سلطان محمود

کو قلعہ چوترہ میں نظر بند کر دیا، محرم الحرام ۱۲۰۵ھ میں بالآخر اس نے گلا گھونٹ کر سلطان محمود کا کام تمام کر دیا، لیکن خود بھی اسی سال ۲۴ جمادی الثانی کو عبرتناک انجام سے دوچار ہوا، عین اس وقت جب وہ سہرا باندھے اپنی دلہن کے پاس جا رہا تھا قتل کر دیا گیا، اس کے قتل میں شاہ جیونہ کے سیدوں اور بھروانوں کی سازش تھی۔ وہ اسے عہد شکن اور حریص تصور کرتے تھے، بھروانوں اور مینی سیالوں نے صاحب خاں کی بارات کا تمام ساز و سامان اور قلعہ کا کل مال و اسباب لوٹ کر اپنا غصہ ٹھنڈا کیا۔ صاحب خاں کے قتل سے تین روز بعد جھنگ کی ریاست کبیر خاں سیال کے سپرد کر دی گئی اور صاحب خاں کی بیوہ نے بھی کبیر خاں سیال سے نکاح کر لیا، کبیر خاں دور اندیش اور مصلحت شناس تھا، اس نے دیگر حکمرانوں اور خاص طور پر سکھ لٹیروں کی دست برد سے جھنگ کو محفوظ رکھنے کی ہر ممکن تدبیر کی، گیارہ سال حکومت کرنے کے بعد وہ ۱۲۱۶ھ میں فوت ہو گیا، اس کا بیٹا احمد خاں اس کی زندگی میں ہی باغی ہو گیا تھا۔ احمد خاں نے باپ کو بے حد تنگ کیا اور خود ریاست کا مالک بن بیٹھا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا حملہ

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کبیر خاں کے بیٹے احمد خاں کو جھنگ کا حکمران تسلیم کر لیا تھا، لیکن اس کی نیت میں فتور تھا، وہ در اصل خود براہِ راست حکومت کا خواہش مند تھا، اس نے براستہ چنیوٹ حملہ کیا، چنیوٹ فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ اور پھر ۱۸۰۹ء عیسوی میں جھنگ پر زبردست یورش کی، احمد خاں نے ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ خراج کی پیش کش کی۔ جس پر مہاراجہ نے صلح کر لی اور واپس چلا گیا، لیکن تین سال بعد پھر احمد خاں پر عہد شکنی کا الزام لگا کر حملہ آور ہوا۔ سکھوں نے جھنگ نگھیانہ کے مضافات میں دو ماہ تک زبردست قتل و غارت اور لوٹ مار جاری رکھی، احمد خاں قلعہ میں محصور ہو گیا۔ مہاراجہ نے قلعہ پر گولہ باری کر کے اُسے فتح کر لیا، اس مہم میں جھنگ نگھیانہ کی غیر مسلم آبادی نے سکھ فوج کا ساتھ دیا۔ احمد خاں موقع پا کر اُچ گل امام کے قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا، اسی دوران احمد خاں نے پھر مہاراجہ سے سلسلہ جنبانی شروع کی، آخر کار مہاراجہ ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ خراج اور احمد خاں کے لڑکے عنایت خاں کو بطور یرغمال قبول کرنے پر رضامند ہو گیا۔ قلعہ گرو مہاراجہ میں دونوں

کے درمیان معاہدہ صلح طے پاگیا اور احمد خاں نے اپنے بیٹے عنایت کو مہاراجہ کے حضور میں بطورِ یرغمال پیش کر دیا، مہاراجہ عنایت کو اپنے ہمراہ لاہور لے گیا۔ اور فوج میں بھرتی کر لیا۔ پھر اسے لاہور کے قریب پرگنہ میروال کا رئیس مقرر کر دیا گیا، لیکن جب چھ ماہ بعد ملتان پر چڑھائی کرنے کے لئے کھڑک سنگھ کی قیادت میں فوج روانہ کی تو عنایت خاں کو بھی اس کے سپرد کر دیا۔ سکھوں نے ۲ رمضان المبارک ۱۲۳۰ھ ہجری کو براستہ جھنگ ملتان فتح کر لیا، عنایت خاں کو لیہ کا حاکم مقرر کر دیا گیا۔ ایک سال بعد عنایت خاں کا سووال کے مقام پر راجہ گلاب سنگھ اور دیوان ساون مل حاکم ملتان کے درمیان لڑائی کی بھینٹ چڑھ گیا، اس کے بعد جھنگ پر دیوان مول راج نے حکومت سنبھالی، یہ شخص اچھا فرماں روا ثابت ہوا۔ اور لوگوں کو اطمینان اور دل جمعی کی زندگی نصیب ہوئی۔

سکھوں کے عہدِ حکومت کے یادگار آثار میں ساحل چناب پر واقع ایک عظیم مندر ہے، جو آج بھی سیاحوں کی خصوصی توجہ کا مرکز بنتا ہے۔ یہ مندر جموں کے مہاراجہ گلاب سنگھ نے چنیوٹ پر قبضہ کرنے کے بعد تعمیر کرایا تھا۔ اسی طرح جھنگ سے چھ میل دور موضع باغ کے نزدیک نانک سر نام کا گاؤں آباد ہے۔ یہاں بابا نانک تشریف لائے تھے

اور ایک روز قیام فرما رہے تھے، بعدازاں اسی مقام پر گورو گوبند سنگھ نے ایک شاندار عمارت بنوائی جو سکھوں کے نزدیک متبرک تصور کی جاتی ہے۔

اس کے بعد مختلف ہندو اور سکھ جھنگ پر حکومت کرتے رہے، سیالوں کی حکومت عملاً معدوم ہو چکی تھی، البتہ ان کو جاگیروں سے نوازا گیا۔ اور بعض رئیسوں کے وظائف بھی مقرر ہوئے جو انگریزی عہد تک قائم رہے، انہی جاگیرداریوں کی وجہ سے سیال آج تک زمیندار بنے ہوئے ہیں۔

۱۸۴۹ء میں پنجاب پر انگریزوں کا تسلط قائم ہو گیا، ضلع جھنگ نتیجتاً براہِ راست برطانوی عمل داری کے تحت آ گیا، برطانوی دور کا پہلا ڈپٹی کمشنر راجرین تھا، جس نے ریاستوں کی حد بندی ختم کر کے از سرِ نو مال گزاری کی شرح مقرر کی اور بندوبست اراضی کا اہتمام کیا۔ ابتدا میں برطانوی حکومت نے جھنگ کو چار تحصیلوں میں تقسیم کیا، تحصیل چنیوٹ، تحصیل قادرپور، تحصیل شور کوٹ اور تحصیل گڑھ مہاراجہ، مگر ۱۸۶۰ء کے بندوبست مال کے مکمل ہونے پر گڑھ مہاراجہ اور قادرپور کی دو تحصیلیں ختم کر دی گئیں، اور جھنگ کی تحصیل وجود میں آئی، مگھیانہ شہر کے موجودہ چوک بازار میں عدالتیں اور سرکاری دفاتر تعمیر ہوئے، میونسپلٹی جھنگ کی بنیاد ۱۸۸۰ء میں رکھی گئی

شہری آبادی روز افزوں تھی، اِس لئے عدالتیں اور دفاتر سابقہ مقامات سے اٹھا کر موجودہ احاطہ کچہری میں منتقل کر دئے گئے (یہ حصہ اس وقت شہر سے باہر تھا) اس کے علاوہ جھنگ کی حدود میں ان گنت ردو بدل کیے گئے۔

برطانوی حکومت کے قبضہ اقتدار کے وقت لیہ، حیدر آباد، منکیرہ، پنڈی بھٹیاں، خوشاب، ساہیوال، کمالیہ، لائل پور اور منٹگمری جھنگ کی حدود میں شامل تھے: ۱۹۰۱ء میں کمالیہ اور منٹگمری کو علاحدہ کر کے ضلع منٹگمری بنا دیا گیا، خوشاب، ساہیوال کو شاہ پور میں ضم کر دیا ۱۹۰۶ء میں لائل پور کا نیا ضلع معرض وجود میں آیا، لیہ مظفر گڑھ میں اور منکیرہ و حیدر آباد ضلع میانوالی میں شامل ہو گئے، پنڈی بھٹیاں کا علاقہ بعد میں ضلع گوجرانوالہ میں شامل کر دیا گیا: اور شاہ پور ضلع سے لالیاں کا علاقہ جھنگ میں شامل کیا گیا

انگریزوں کے خلاف نفرت

برطانوی حکومت کے خلاف اہل جھنگ کے قلوب میں سخت نفرت جاگزیں ہوگئی، اس کی دو وجوہ تھیں، زعمائے علاقہ اس لئے ناراض تھے کہ ان کی حکومتیں اور اقتدار چھن گیا تھا، عوام انگریزوں کو کافر قرار دیتے تھے: ابتداء ہی انگریزوں کو نظم و نسق سنبھالنے میں بڑی مشکلات پیش آئیں، مختلف مقامات پر قوموں اور قبیلوں نے لوٹ مار کا سلسلہ

شروع کر دیا، انگریز افسر قتل ہونے لگے، اور سرکاری مال لوٹا جانے لگا، اس قتل و غارت گری کا اہم مرکز کھچی کا علاقہ تھا، رفتہ رفتہ عوامی اضطراب منظم بغاوت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں کھچی کی جملہ قوموں نے نمایاں حصّہ لیا، یہ مجاہدین جنگلوں میں روپوش رہتے اور موقع ملتے ہی سرکاری گوداموں کو لوٹ لیتے، جب دہلی میں نشانِ حریت بلند ہوا تو اہلِ جھنگ قربانیاں پیش کرنے میں کسی سے پیچھے نہ تھے، یہاں کے قریشیوں، ماہنی سیالوں، نولوں، سیّدوں، چنیوٹ کے بعض خوجوں اور اعوانوں نے مجاہدین کے دستے دہلی کی جانب روانہ کر دئے، انگریز ڈپٹی کمشنر کاکس پر کلے کو سخت صدمہ ہوا اور اس نے کثیر فوج لے کر کھچی پر حملہ کر دیا، مجاہدین نے تین ماہ تک کھیوہ خاں کے پوتے نصرت خاں جو مجاہدین کا کمانڈر تھا کی نگرانی میں ڈٹ کر مقابلہ کیا اس جنگ میں نصرت خاں شورکوٹ کے قریب شہید ہو گیا۔ انگریزی فوج کیل کانٹے سے لیس ہر طرح چاق و چوبند تھی۔ اس کے برعکس مجاہدین ع ــــــ مومن ہے، تو بے تیغ ہی لڑتا ہے سپاہی کے مصداق بغیر ساز و سامان و آلاتِ حرب کے جنگ لڑ رہے تھے، نتیجتاً ایک ہزار مجاہدین نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اِن سرفروشوں کی قبریں ماچھیوال، چاندنہ، کوٹ شاکر اور ربہ ولایت شاہ کے وسیع و عریض میدانوں میں دعوتِ نظارہ دے رہی ہیں ؎

اِس جگہ وہ لوگ دم سادھے ہوئے خاموش ہیں
کارنامے جن کے جرأت بخش وسطوت کوش ہیں

ہیں یہاں مدفون وہ سیمیں تن ورنگیں عذار
سینکڑوں قلب ونظر کرتے تھے جن کا انتظار

دفن ہیں اِن خاک کے تودوں میں وہ آنکھیں وہ دل
منکشف تھے جن پہ اسرار و رموزِ آب و گل

ہو گئی دے کر جو البیلی دلہن کے واسطے
کٹ گئے اُٹھتی جوانی میں وطن کے واسطے

مجاہدین نے موضع باغ سے چار میل دور ڈپٹی کمشنر برکلی کو قتل کر کے آتشِ انتقام بجھائی۔

۱۸۸۰ء تک جھنگ میں برطانوی حکومت مال گزاری کی وصولی کا نظام اپنے قابو میں لا چکی تھی، لیکن نفرت و کدورت ہنوز باقی تھی، جسے انگریزوں نے رفتہ رفتہ بڑی بڑی جاگیروں اور اعزازات کا لالچ دے کر ختم کیا۔

جھنگ کے مسلمانوں نے بادلِ نخواستہ انگریزی سطوت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا، لیکن جب بھی موقع ملتا اس کے خلاف محاذ قائم کر لیتے۔ بیسویں صدی میں تحریکِ آزادی نے ملک گیر پیمانے

پر جو مہم شروع کی تھی، جھنگ والوں نے اسے آگے بڑھانے میں جوش وخروش سے حصہ لیا، لیکن ضلع کے بااثر اور متمول زمیندار جن میں بعض خوجے، سید، سیال اور قریشی شامل ہیں حکومت کے نمک خوار بن گئے۔ ۱۹۱۸ء میں حضرت مولانا محمد علی جوہر کی جھنگ میں تشریف آوری کے موقع پر کچھ صورت حال بدلی۔ اہل جھنگ نے دس ہزار روپیہ فراہم کیا اور اپنے آپ کو تحریک خلافت کے پُرجوش حامیوں کی صف میں کھڑا کر کے گرفتاریوں کے لئے پیش کر دیا۔ جھنگ سے پہلی گرفتاری مولانا محمد ذاکر ناظم جامع محمدی شریف نے دی۔ پھر جب ۱۹۳۱ء میں مجلس احرار نے تحریک آزادی کشمیر شروع کی تو جھنگ سے کچھ سر رضا کار محاذ کشمیر پر پہنچے، اس تحریک کا شہید اوّل الٰہی بخش تھا، جو چنیوٹ کا باشندہ تھا۔ اس کے بعد ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم کے لئے فوجی بھرتی شروع ہوئی تو جھنگ کے عوام اس کا بائیکاٹ کرنے میں پیش پیش تھے۔ فوجی بھرتی کے خلاف معاندانہ سرگرمیوں کے الزام میں کم وبیش دو سو اصحاب جیلوں میں ڈال دیئے گئے جو طویل عرصہ تک قید وبند کی صعوبتیں اٹھاتے رہے لیکن وہ اپنے موقف سے ایک انچ نہ ہٹے، ان میں نونہال شہید بھی تھا جو جیل میں اذیت کے باعث جاں بحق ہوا اور اس کے یادگاری جلسے میں پنڈت جواہر لال نہرو بھی شریک ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں جب ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک نے زور پکڑا تو ملک کے دوسرے حصوں کی طرح یہاں سے بھی ہزارہا افراد گرفتار ہوئے، تین ماہ تک شہر میں مکمل ہڑتال رہی اور نظام زندگی درہم برہم ہو گیا۔

برطانوی ہند کی جو فوج ۱۹۴۲ء میں برما، ملایا اور سنگاپور کے محاذ پر جاپانیوں سے برسر پیکار

تھی اس کے میجر جنرل موہن سنگھ اور کرنل محمد اکرم نے آزادیٔ ہند کی خاطر بغاوت کر دی اور جاپانیوں سے مل کر آزاد ہند فوج کی بنیاد رکھی، جسے بعد میں آزاد ہند حکومت کا نام دیا گیا بنگال کے سرت چندر بوس اس کے پہلے صدر مقرر ہوئے، کیپٹن مہر اللہ یار خاں رمانہ سیال جو اب گورنمنٹ ہائی سکول میں سیکنڈ ہیڈ ماسٹر ہیں آپ کے مشیر قرار پائے بعد ازاں جب سبھاش چندر بوس نے آزاد ہند فوج کو دوبارہ منظم کیا تو مہر اللہ یار نے اپنے اثر و رسوخ سے مسلمان نوجیوں کی خاصی تعداد کو آزاد فوج میں بھرتی کرا دیا فوج میں مہر صاحب کے علاوہ بہت سے سپاہی اور کلرک بھی جھنگ کے باشندے تھے، اس فوج نے جاپانیوں سے گولہ بارود حاصل کر کے نئی پور امپھل اور کوہیما وغیرہ کے علاقے برطانیہ سے آزاد کرا لئے لیکن جب ہیروشیما کی تباہی کے بعد جاپان نے ہتھیار ڈال دئے، تو آزاد ہند حکومت کو بھی سپر انداز ہونا پڑا۔ مہر اللہ یار اس جنگ میں زخمی ہو کر رنگون لکھنؤ اور بنگلور کے ہسپتالوں میں ڈیڑھ سال تک زیر علاج رہے، اور ۱۹۴۶ء میں واپس وطن پہنچے آزاد ہند فوج کے افسروں کو بلیک لسٹ کر دیا گیا ان میں مہر صاحب بھی شامل تھے، ان کو مزید یہ سزا دی گئی کہ ان کی پنشن کا حق ضبط کر لیا گیا جو بعد میں حکومت پاکستان نے بھی اپیل کے باوجود بحال نہ کیا۔ پھر ۱۹۴۶-۴۷ء میں اہلِ جھنگ نے تحریکِ پاکستان میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ قیامِ پاکستان کے سلسلے میں بھی سب سے پہلی قربانی جھنگ کے ایک مجاہد قاضی محمد شریف نے پیش کی تھی، قاضی شریف کا مزار شہید روڈ پر نور مسجد کے صحن میں موجود ہے، شہید روڈ انہی کے نام سے موسوم ہے، میری دانست کے مطابق ملکی تحریکوں میں اہلِ جھنگ کی قربانیاں ایک مستقل کتاب کا موضوع ہیں، جس کا ابھی انتظار ہے۔

حضرت ابوزید محمد

ولادت :- ۹۹۶ھ

وفات :- ۱۰۵۶ھ

مدفن :- شورکوٹ شہر

حضرت ابوزید محمد (بعض روایات کے مطابق بازید محمد) سادات بنو ہاشم میں سے تھے، آپ کا شجرہ نسب تیس واسطوں سے حضرت علی علیہ السلام سے اور سولہ روحانی واسطوں سے حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی سے ملتا ہے

آپ کا خاندان عباسی حکومت کے زوال پذیر ہونے پر ہجرت کر کے افغانستان چلا آیا، جہاں آپ کے ایک بزرگ شاہ حسین نے ہرات پر قبضہ کر کے اپنی حکومت کی طرح ڈالی۔ یہ افغانستان میں پہلی ہاشمی حکومت تھی۔ شاہ حسین کے بعد ان کا بیٹا شاہ امان ہرات کا حاکم مقرر ہوا۔ چند سال بعد شاہ امان کی حکومت کو ایک جنگ میں شکست ہوگئی جس سے آپ کے خاندان کو ہجرت کرنی پڑی، اور حضرت ابوزید محمد اپنا خاندان لے کر ہندوستان آئے۔ اس وقت جہانگیر دہلی کے تخت پر متمکن تھا۔ آپ نے جہانگیر سے ملاقات کی، اس نے آپ کو پنجاب میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت دی، چنانچہ آپ خوشاب ضلع سرگودھا کے قریب ایک گاؤں میں آباد ہوگئے۔ اسی دوران آپ کی علمی اور فوجی صلاحیتوں

کا چرچا ہوگیا چنانچہ آپ کو صوبہ دار ملتان نے اپنے پاس بلا کر امرائے دربار میں شامل کرلیا۔ اسی دوران قصبہ بھروٹ (جو آج کل بگڑ کر امروٹ ہوگیا ہے) کے ہندو حاکم نے بغاوت کرکے بھروٹ ضلع ڈیرہ غازی خاں کا علاقہ ملتان کی صوبہ داری سے آزاد کرالیا۔ جب ملتان کے حاکم کو اس شورش و بغاوت کی اطلاع ملی تو اس نے آپ کو فوج کا کمانڈر مقرر کرکے بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا، چنانچہ زبردست لڑائی کے بعد راجہ بھروٹ شکست کھا کر قلعہ میں محصور ہوگیا۔ آپ نے قلعہ کا تین ماہ تک محاصرہ جاری رکھا۔ ایک روز موقع پاکر قلعہ میں داخل ہوگئے۔ جہاں مہاراجہ دربار لگائے بیٹھا تھا۔ آپ نے ایک ہی وار سے اس کا سر قلم کردیا۔ مہاراجہ کے مٹھی بھر درباریوں نے آپ کو زندہ یا مردہ پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ نے موقع پاکر قلعہ کا دروازہ کھول دیا جس سے مسلمان فوج قلعہ میں داخل ہوگئی اور اس طرح قلعہ فتح ہوگیا۔ مہاراجہ کا سر صوبہ دار ملتان کے سپرد کردیا گیا اس کے صلہ میں حاکم ملتان نے آپ کو شورکوٹ میں جاگیر عطا کی۔

آپ ملتان کے بعد شورکوٹ چلے آئے اور مستقل سکونت اختیار کرلی، بعض روایات کے مطابق آپ کچھ عرصہ ضلع میانوالی کے علاقہ کھبگر اور کالاباغ میں بھی مقیم رہے۔

مورخین نے آپ کی اولاد میں صرف حضرت سلطان باہوؒ کا ذکر کیا ہے، یہ علم نہیں ہوسکا کہ ان کے علاوہ اور بھی آپ کی کوئی اولاد

تھی یا نہیں۔

آپ جلالی بزرگ تھے، سلسلہ سہروردیہ، قادریہ کے مبلغ تھے۔
عبادت وریاضت آپ کو ورثہ میں ملی تھی، فرض وسنت تو کیا، نوافل ومستحب تک کی ادائی کا التزام فرماتے تھے، ساری زندگی اتباعِ شریعت میں گزاری، شریعت کے تارک اصحاب سے مراسم رکھنا پسند نہ کرتے تھے، حد درجہ کے سخی اور خدا ترس تھے، آپ کی وفات ساٹھ سال کی عمر میں، ہجری ۱۰۵۶ھ میں ہوئی، اور آپ کا جسد شورکوٹ شہر میں دفن کیا گیا۔ جہاں آپ کا مزار موجود ہے۔ عقیدت منداں باہوؒ مزار کی حاضری کو سعادت سمجھتے ہیں۔

○

حضرت حاجی احمد درویش

ولادت :- ۱۲۶۸ھ

وفات :- ۱۳۷۱ھ

مدفن :- صحن جامع مسجد نور شہید روڈ جھنگ صدر

حضرت حاجی احمد درویش وقت کے عظیم صاحب سلوک اور با عظمت بزرگ تھے، ان کی زندگی کا بیشتر حصہ جھنگ صدر میں گزرا، نہایت متشرع، متوکل، کم گو، سادگی پسند تھے، دس سال کی عمر میں صوم وصلوٰۃ کے سخت پابند ہو چکے تھے، نماز تہجد اختیار کر لی تھی اور مرتے دم تک پابندی سے تہجد ادا فرماتے رہے۔

ان کے حالاتِ زندگی جو مختلف ذرائع سے ملے ہیں، ان کے مطابق حاجی احمد درویش ڈیرہ اسماعیل خاں کے مشہور بلوچ قبیلہ کے چشم و چراغ تھے ان کے والد سلسلۂ چشتیہ سے منسوب تھے، ابتدائی عمر میں آپ بھی اپنے والد ... سلسلۂ چشت سے بیعت تھے، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں حاصل کی۔ شرعی علوم والد صاحب سے اخذ کئے۔ طبیعت میں جلال تھا، پیدائشی

ولی تھے اور بچپن ہی سے خلافِ شرع لوگوں کی صحبت سے گریز کرتے تھے۔ علماء وصوفیاء کی صحبت میں بیٹھتے، عموماً ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اور حلال روزی کماتے اور کھاتے۔ تقریباً بائیس برس کے تھے جب اپنے مرشد کے حکم پر جھنگ تشریف لائے آپ نے ریل بازار کی ایک دکان میں رہائش اختیار کی، آپ کا پیشہ برتنوں پر قلعی کرنا تھا۔ حسبِ معمول روزانہ تہجد کے لئے بیدار ہوتے، نماز فجر کے وقت تک تہجد پڑھنے کے بعد ذکر الٰہی میں مشغول ہوجاتے، فجر اول وقت میں ادا فرماتے، اس کے بعد پھر ذکر الٰہی میں محو ہوجاتے، جب آفتاب طلوع ہوتا تو نمازِ اشراق پڑھتے، اس کے بعد کام پر بیٹھ جاتے۔ اپنی ضرورت کے مطابق کام کرتے، روزمرہ کی ضرورت سے زائد ایک پائی کا بھی کام نہ کرتے، اگر ان کے پاس کام زیادہ آتا تو واپس کر دیتے یا روزانہ ضرورت کے تناسب سے وعدہ کرتے، اور پھر کھانا کھاتے، دوپہر کو چند لمحے آرام کرتے اور پھر عبادات میں مصروف ہوجاتے، ان کی زندگی کا آخیر تک یہی معمول رہا۔

زیادہ بات نہ کرتے، نماز عشاء کے بعد تھوڑی دیر تک اپنے محدود دوستوں کے ساتھ شرعی مسائل واحکام واذکارِ اولیاء پر گفتگو کرتے، صرف ایسے لوگوں کو قریب بٹھاتے جو ان کے معیار وانداز فکر پر پورے اترتے، راقم الحروف نے خود اپنی آنکھوں سے اِن کے معمولات کا مشاہدہ کیا ہے۔ پیر فتح شاہ اور سائیں مچھلیاں والی عموماً ان کے ہم نشین ہوتے۔

جھنگ آنے سے قبل بغداد تشریف لے گئے اور حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم کے مزار پر حاضری دی اور وہاں سے سلسلۂ قادریہ سے بیعت ہوئے۔ اور جھنگ تشریف لائے، قریباً ۱۳۱۷ھ ہجری میں آپ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے

ان کے دوستوں میں ایک شخص خدا بخش نہاریہ مرحوم تھے؛ وہ عموماً رات کو ان کی مجلس میں شامل ہوتے، ان کا بیان تھا کہ ایک رات میں ان کی رہائش گاہ پر حاضر ہوا۔ باہر کا دروازہ کھلا تھا، میں حسب معمول اندر چلا گیا، اندر کے کمرہ کا دروازہ بھی کھلا تھا، اور چراغ جل رہا تھا، میں نے جونہی دروازہ میں قدم رکھا تو ایک نظر دیکھا جس سے میں ڈر گیا کہ درویش صاحب کا جسم کٹا پڑا ہے، سر، بازو اور دیگر اعضاء علیحدہ علیحدہ ہوئے پڑے ہیں، مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے قتل کر دیا ہے، میں گھبرا کر باہر بھاگا تو اچانک مجھے درویش صاحب نے بلا لیا، اور فرمایا "خدا بخش ڈر گیا میں تو زندہ سلامت ہوں" ۔ پھر خدا بخش کو پاس بٹھایا اور ذکر الٰہی میں مصروف ہوگئے۔

حاجی احمد درویش کے ایک قابلِ اعتماد عقیدت مند حاجی محمد شریف ٹین ساز ہیں جو ان کے زندگی بھر خادم رہے اور ان سے ہی فیض حاصل کیا، ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مرشد نے ان کو ایک خط دیا کہ لاہور

جاکر حضرت داتا گنج بخش رح کے آستانۂ عالیہ پر پیش کریں اور جو جواب وہ
عنایت فرمائیں اس سے مجھے مطلع کریں، چنانچہ مرشد کے حسبِ فرمان
وہ لاہور گئے، داتا صاحب کے آستانہ پر حاضری دی، ان کا بیان ہے
کہ تھوڑی دیر بعد داتا صاحب تشریف لائے اور مجھ گناہ گار سے دریافت
کیا۔ میں نے اپنے مرشد کا رقعہ پڑھ کر ان کو سُنایا، انھوں نے جواب
ارشاد فرمایا تو میں نے واپس آکر انھیں بتا دیا، جواب سننے سے قبل مرشد
نے مجھ سے کہا۔ پہلے داتا صاحب کا حلیہ مبارک بیان کرو، میں نے حلیہ مبارک
عرض کیا تو پھر رقعہ کا جواب سُنا۔

حاجی محمد شریف اس واقعہ کے بعد متعدد بار آستانہ عالیہ گنج بخش رح
پر حاضر ہوئے، لیکن ان کو پھر داتا صاحب رح کی زیارت نصیب نہ ہو سکی۔
اس ایک واقعہ سے ہی حاجی احمد درویش صاحب کی عظمت و بزرگی اور
بلندی درجات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، وفات سے کچھ دن قبل آپ
ریل بازار کی دوکان چھوڑ کر حاجی محمد شریف کے مکان پر رہائش پذیر ہو گئے
تھے، جس رات ان کا انتقال ہوا حاجی محمد شریف ان کی خدمت میں معمول
کے مطابق حاضر تھے تو انھوں نے فرمایا۔ "میرے بچوں کا (یعنی حاجی
محمد شریف کی اولاد) کا خیال رکھنا۔" درویش صاحب ان بچوں سے بہت رکھتے
تھے، حاجی محمد شریف اپنے مکان میں چلے گئے، عشاء کے بعد پھر حاضر ہوئے

تو فرمایا۔ "اچھا بیٹا سپردِ خدا"۔ مگر حاجی محمد شریف ان کے کلمات کی تہ کو نہ پہنچ سکے، لیکن بے قرار رہے، کوئی دو گھنٹے بعد اپنے قلبی اضطراب کو ...... دور کرنے کے لئے پھر مرشد کے پاس آئے تو وہ چارپائی پر بیٹھے تھے، معمول کے مطابق تسبیح ہاتھ میں تھی۔ حاجی صاحب تھوڑی دیر مؤدب بیٹھے رہے کہ وہ خود ارشاد فرمائیں گے۔ پھر انھوں نے کھنکارا، ان کے سامنے حقہ رکھا، مگر ان کے جسم کو حرکت نہ ہوئی تو حاجی محمد شریف نے ان کے قدموں کو ہاتھ لگایا، مگر وہاں تو جسد خاکی تھا، روح پرواز کر چکی تھی۔ اسی وقت ان کے انتقال کی خبر شہر بھر میں پھیل گئی، دوسری صبح ان کو غسل دیا گیا، اور قبرستان مائی ہیر میں تدفین کے لئے جنازہ لے گئے، مگر ان کے لئے قدرت نے دوسری جگہ مقرر کر رکھی تھی، چنانچہ وہاں سے ان کا جسد پھر واپس لاکر شہید روڈ جامع مسجد نور کے احاطہ میں سپردِ خاک کیا گیا،

حاجی محمد شریف کا بیان ہے کہ انتقال کے روز عصر کے وقت حضرت صاحب نے خود غسل کیا اور کپڑے تبدیل کئے۔ گویا انہیں پہلے سے خبر تھی جس وقت ان کا جسد قبر میں رکھا گیا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ زندہ ہیں۔

حضرت احمد درویش چونکہ قناعت پسند، سادہ طبیعت، متوکل اور متوسل بزرگ تھے، اس لئے بہت کم دوسروں کے ہاں جاتے، جھنگ کے ایک ڈپٹی کمشنر چوہدری بشیر احمد تارڑ نے جو ان کے ہاں اکثر حاضری دیتے

تھے، ان سے درخواست کی کہ رمضان شریف ان کے ہاں گزاریں، انھوں نے وعدہ کرلیا، جونہی شوال کا چاند نظر آیا آپ ان کی کوٹھی سے میزبان کو اطلاع دیے بغیر اپنی رہائش گاہ پر چلے آئے، اور جب بشیر احمد تارڑ نے ان سے کہا کہ حضور مجھے تو آنے دیتے تو انھوں نے فرمایا میں نے تو وعدہ صرف رمضان شریف کے لئے کیا تھا، شوال کا چاند ہونے پر وعدہ پورا ہو گیا۔ اگر میں مزید ٹھہرتا تو وعدہ خلافی ہوتی۔

حاجی احمد درویش شریعت کے تمام چھوٹے بڑے احکامات کی پابندی کرتے تھے۔

○

خلیفہ صُوفی احمد یار

ولادت :۔ ۱۸۳۸ء

وفات :۔ ۱۹۳۷ء

مدفن :۔ قصبہ چاندنہ ۔ کھچی تحصیل جھنگ

حضرت خلیفہ صوفی احمد یار صاحب ۔ کھچی کے مشہور صوفی بزرگ اور با کرامت متوکل درویش ہوئے ہیں ۔ آپ حضرت سلطان شہید کھوکھر قطب شاہی کے ہمعصر حضرت میاں دلیل کی اولاد میں دسویں پشت تھے آپکی ولادت ۱۸۳۸ء ماہ اپریل میں ہوئی ۔ آپکے والد محترم خلیفہ محمد یار صاحب بھی اپنے وقت کے مشہور بزرگ ہوئے ہیں ۔اس خاندان کے اکثر بزرگ حضرت زکریا ملتانی کی اولاد کے اتالیق و خدام رہے ۔ خلیفہ صاحب خاندانی اعتبار سے اولیائے عظام کی نگاہوں میں با عتبار شمار ہوتے تھے ، خدا تعالےٰ نے آپ کو روحانی فیوض و برکات کے علاوہ فن شہ سواری کا ملکہ بھی عطا کیا تھا ، جس کے باعث مختلف با اثر شخصیتوں نے ہمیشہ آپ کا احترام کیا ، اور انعامات سے نوازا ، چونکہ آپ توکل و فقر کے رسیا تھے ، اس لئے دنیاوی مال و دولت کی کبھی پرواہ نہ کی دنیاوی دھندوں سے بے نیاز رہے ، ساری زندگی سلوک و معرفت کی منزلوں

میں گزاری، اولیائے عظام کی خدمت اور دینِ حق کی تبلیغ آپ کا شغل رہا یہی وجہ ہے کہ مختلف آستانوں سے آپ کا سلسلہ نیازمندی قائم رہا خاص طور پر آستانہ عالیہ حضرت غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی سے روحانی فیض کی دولت سمیٹی، اسی باعث تزکیہ نفس پر زیادہ زور دیتے اور مجاہدہ و ریاضت کو مستقل طور پر اختیار فرمایا، عموماً وظائف فرمائے، عبادت میں مصروف رہتے، خاص طور پر رات کے پچھلے پہر آپ خشوع وخضوع سے مصروفِ عبادت ہوتے، اور آپ پر استغراق طاری رہتا تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیمِ دین حاصل کرنے کے بعد حضرت غلام حیدر علی شاہ جلالپوری سے بیعت فرمائی۔ بعد میں حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سے فیض حاصل کیا، آپ چشتیہ سلسلہ کے مسلمہ مبلّغ تھے، آپ مقبولِ بارگاہ تھے جو زبان سے فرماتے، خدائے ذوالجلال کے حکم سے وہی ہوتا، آپ سے بے شمار کرامات مشہور و منسوب ہیں، آپ کا انتقال ۱۹۳۷ء میں ہوا۔ اور علاقہ کھچی کے قبرستان گل محمد میں دفن ہوئے۔ آپ کی اولاد بھی علم وعمل کی دولت سے فیض یاب ہوئی، آپ نے تین شادیاں کیں لیکن اولاد نصیب نہ ہوئی کیونکہ بچے پیدا ہوتے اور فوت ہو جاتے، بعد میں آپ کو احساس ہوا کہ قصیدہ بردہ کسی مجاز بزرگ کی اجازت کے بغیر پڑھتے تھے، چنانچہ آپ نے پیر غلام حیدر علی، جلالپور شریف

سے قصیدہ پڑھنے کی باقاعدہ اجازت حاصل کی، جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولادِ نرینہ عطا فرمائی - اولادِ نرینہ میں مولوی صفدر مرحوم - مولوی ارشاد علی اور شاہ سوار محمد انعام تین بیٹے ہوئے - مولوی ارشاد علی کے صاحبزادے ظفر اقبال احمد ہیں، جو فقراء کے خادم ہیں -

حضرت خلیفہ صوفی احمد یار صاحب کو آستانہ غوث بہا ر الحق زکریا سے خلافت ملی اور حضرت شاہ جیونہ، حضرت غلام حیدر شاہ صاحب جلالپوری ضلع جہلم، حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی اور مولوی مراد علی صاحب کھیڑا کے خدام و سجادگان سے قلبی مراسم استوار رہے -

حضرت شاہ اسمٰعیل بخاریؒ

ولادت :- ۷۶۲ھ

وفات :- ۸۵۰ھ

مدفن :- ٹھٹھی چنیوٹ شہر

حضرت شاہ اسمٰعیل بخاری حضرت سید شیر شاہ جلال سُرخ بخاری اُچ شریف کے خاندان کے چشم و چراغ تھے ۔ آپ اپنے مرشد حضرت چراغ دہلوی کے حکم پر ہجری ۸۱۰ھ میں جھنگ تشریف لائے ۔ ضلع جھنگ میں سادات بخاری نے جس فیاضی سے روحانی علم و عرفان تقسیم کیا وہ اِنہی کا حصہ ہے ۔

حضرت شیر شاہ جلال بخاری دو دفعہ خود جھنگ تشریف لائے ، پھر آپ کے صاحب زادے مخدوم سید احمد کبیر نے بھی اِس خطہ کو روحانی فیوض و برکات سے نوازا ۔ اِن کے بعد حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے بھی جھنگ کو اپنے علم سے سرفراز فرمایا ، اور پھر ان کی اولاد نے تو مستقل طور پر جھنگ کو منبعٔ فیض بنا دیا ۔ سینکڑوں بزرگ اِس گھر سے متمتع ہوئے اور علم و معرفت کا نور پھیلا ۔ حضرت شاہ

اسمٰعیل بخاری صاحب کرامت بزرگ تھے، آپ سید احمد کبیر ثانی کے نواسے تھے اور دہلی سے متصلہ ضلع کرنال سامانہ ضلع پٹیالہ اور اچھرال سے ہوتے ہوتے وارد جھنگ ہوئے، آپ نے متعدد غیر مسلم قبیلوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا، آپ کے عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے، آپ کی اولاد بھی دنیاوی اعتبار سے صاحب اقتدار رہی ہے اور اب بھی ہے۔ آپ کی اولاد کو شیخ سلمانے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ آپ کا ایک صاحبزادہ مخدوم جلیل الدین کے پاس پڑھتا تھا، مخدوم صاحب نے مسجد کی تعمیر کے لئے اپنے تلامذہ کو حکم دیا کہ گارا اور اینٹیں لائیں، شاگردوں نے تعمیل کی۔ اتفاق سے حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب بھی اس طرف سے گزرے، اور انھوں نے دیکھا کہ ان کا صاحبزادہ بھی گارا سر پر اٹھائے جا رہا ہے، حضرت شاہ اسمٰعیل نے محض تفنن کے طور پر مخدوم صاحب سے فرمایا کہ سیدزادوں سے تو گارا نہ اٹھواتے، مخدوم صاحب نے جواب دیا کہ "میں اپنے گھر کے لئے یہ خدمت نہیں لے رہا، بلکہ اللہ کا گھر بن رہا ہے" شاہ اسمٰعیل نے فرمایا " تو پھر یہ مسجد بھی آباد نہیں ہوگی"۔ مخدوم صاحب نے جواباً کہا کہ "مسجد آباد ہو یا نہ ہو، یہ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے، مگر تمہاری اولاد میں علم دین نہیں آئے گا۔"

شاہ صاحب گھر چلے آئے، لیکن آپ کو اس بات کا سخت ملال

ہوا اور آپ نے مخدوم صاحب سے بھی درگزر کرنے کو فرمایا اور اللہ کی بارگاہ میں استغفار کی،

آپ کو اس واقعہ کا اتنا رنج ہوا کہ آپ نے باقی زندگی گوشہ نشینی میں بسر کی۔ اور جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ مخدوم جمیل الدین صاحب پڑھائیں۔ چنانچہ آپ کا انتقال ہجری ۸۵۰ھ میں ہوا، اور ٹھٹھی سیداں میں آپ کا مزار اب تک مرجع خلائق ہے۔ آپ کی اولاد میں مشہور شخصیتیں گزری ہیں، ان میں میاں چوہڑ شاہ، سید غلام عباس رئیس ٹھٹھی بالا۔ راجہ سید الطاف حسین سابق ایم، ایل، اے وغیرہ شامل ہیں۔

اصحابؒ

آمد:- ۱۳۰ ہجری
مدفن :- قصبہ وجھلانہ جھنگ بھکر روڈ

قصبہ وجھلانہ میں " اصحابؒ " نام سے ایک بزرگ کا مزار موجود ان کی قبر قریباً دس گز لمبی ہے۔ ان کے نام کا کوئی علم نہ ہو سکا۔ صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ یہ غازی محمد بن قاسم کے لشکر کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ اور ملتان تک لشکر کے ساتھ رہے۔ لڑائی کے دوران یہ شہید ہو گئے ان کا دھڑ ملتان میں گر گیا۔ اور سر ہوا میں اڑتا ہوا اس جگہ آگرا۔ جہاں ان کا مزار موجود ہے۔ ان کا روحانی فیض جاری ہے۔ مشہور ہے کہ وبائی امراض مثلاً چیچک خسرہ، ہیضہ، طاعون وغیرہ اس علاقہ میں کبھی نہیں پھیلا۔ بلکہ ان امراض میں مبتلا مریض ان کے مزار پر حاضری دے کر دعا مانگیں تو اللہ تعالیٰ ان کو شفا عطا کرتا ہے۔ ان کے مزار پر عقیدت مند چینا جو غلہ کی ایک قسم ہے تقسیم کرتے ہیں۔

○

سیّد اللہ جوایا شاہ

ولادت :۔ ۱۲۷۵ ہجری

وفات :۔ ۱۳۲۷ ہجری

مدفن :۔ بلاپا توانہ تحصیل جھنگ

سید اللہ جوایا شاہ سادات بخاری میں بھاکری خاندان کے صاحب سلوک وطریقت بزرگ تھے، آپ کے والد کا اسم گرامی بزید مجید تھا۔ ابتداء میں ہی فقر و تخلیہ کے پرستار تھے۔ دنیاوی کاموں سے نفرت تھی۔ عموماً جنگل میں چلے جاتے، تنہائی اختیار کرتے اور ہمیشہ "اِنّک علےٰ کلِ شیٔ قدیر" کا ورد فرماتے رہتے تھے جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو مجذوبیت سے سرشار ہو گئے۔ والدین نے کوشش کی کہ آپ کی شادی کر کے گھریلو زندگی بسر کریں، مگر آپ کی لو جس طرف لگی ہوئی تھی اس سے سرمو انحراف کا تصور بھی دل میں نہیں لا سکتے تھے۔ چنانچہ آپ مستقل طور پر گھر سے باہر چلے گئے، اور پورے بارہ برس جنگل میں تنہا رہائش پذیر رہے اس دوران میں آپ، کا عالم یہ تھا کہ طوفان میں دریا اس طرح پار کر جاتے جس طرح لہروں پر خس پوس تیرتے ہیں۔ عموماً تلاوت قرآن مجید

فرماتے رہتے، جب آپ کی عمر چالیس سال کے قریب ہوئی تو آپ بلّا باتوانہ میں مقیم ہوگئے اور مختلف قوموں مثلاً ورراج سلیانے وغیرہ کو اپنا گرویدہ بنالیا، سلیانہ قوم کے جد میاں محمد بخش صاحب آپ کے مرید تھے، نواب اسمٰعیل خاں سیال جو جھنگ کے حکمراں تھے آپ کے بے حد عقیدت مند تھے، انھوں نے آپ کو جاگیر عطا کی تھی، آپ کے پاس سینکڑوں لوگ فریادیں لے کر آتے آپ دعا فرماتے۔ مرتفیول کو ہاتھ لگاتے تو اللہ تعالےٰ ان کو شفا عطا فرماتا۔ آپ کی یہ کیفیت تھی کہ جب حاملہ عورتیں اولاد نرینہ کے لئے دعا کرانے آتیں تو آپ فرما دیتے کہ لڑکا ہوگا اور اس کے جسم پر یہ نشانی ہوگی، جب اس عورت کے لڑکا ہوتا تو آپ کی بتائی ہوئی نشانی موجود ہوتی، بھکر پار کے مشہور عالم غلام محی الدین محدث اور زین العابدین آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ جھنگ شہر کے سید ارشاد حسین شاہ سابق صدر بلدیہ آپ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کا انتقال ہجری ۱۳۲۷ھ میں ہوا اور بلّا باتوانہ میں ہی دفن ہوئے۔ آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

اللہ داد شاہ بخاری

ولادت :- ۹۶۲ ھجری

وفات :- ۱۰۲۶ ھجری

مدفن :- قصبہ پیروالا تحصیل جھنگ

حضرت اللہ داد شاہ سادات بخاری کے چشم و چراغ تھے، آپ کے والد سید فتح اللہ کو حکومت وقت کی تائید و اعانت کی وجہ سے خان کا خطاب ملا ہوا تھا، اس نے سرکاری کاغذات میں خان فتح اللہ کے نام سے مشہور تھے، سید فتح اللہ صاحب کے حضرت سید محبوب عالم عرف شاہ جیونہ سے خاندانی قربت کے علاوہ ذاتی مراسم بھی تھے [illegible] سے حضرت شاہ جیونہ کی ہمشیرہ محترمہ ان کے عقد میں آئیں اور حضرت [illegible] داد شاہ اسی قابلِ احترام مائی صاحبہ کے بطن سے پیدا ہوئے [illegible] داد شاہ صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی تربیت اپنے ماموں حضرت شاہ جیونہ نے فرمائی تھی۔ مغل حکمران ہمیشہ آپ کی تائید حاصل کرتے رہے آپ کی اولاد میں سے اس وقت سید نسیم اصغر، سید علی رضا شاہ وغیرہ صاحب اثر لوگ موجود ہیں، آپ کی وفات تقریباً ۱۰۲۶ھ میں ہوئی اور مزار موضع پیروالا میں موجود ہے

حضرت سلطان محمد باہُو

ولادت :- ۱۰۳۹ ہجری

وفات :- ۱۱۰۲ ہجری

مدفن :- قصبہ سلطان باہو تحصیل شورکوٹ

حضرت سلطان محمد باہُو کا شجرہ ۳۱ واسطوں سے حضرت مولا علی مرتضیٰؓ سے اور ۱۷ روحانی واسطوں سے حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی سے منسوب ہے، آپ کے والد محترم حضرت ابوزید محمد جہاں گیر کے عہد میں ہرات کے راستے وارد ہند ہوئے اور پھر مستقل طور پر شورکوٹ میں سکونت اختیار کرلی۔

ولادت

مورخین کی متفقہ رائے اور خود حضرت سلطان صاحب کے اپنے فرمودات کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت ۱۰۳۹ ہجری میں ہوئی۔
مورخین نے آپ کے علاوہ حضرت ابوزید محمد کی کسی اولاد کا ذکر نہیں کیا۔
اسی وجہ سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کے اور بہن بھائی تھے یا نہیں۔
آپ کی والدہ محترمہ بی بی راستی کے فرمان کے مطابق جب

آپ شکمِ مادر میں تھے تو آپ کی والدہ کو حمل کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا ، اور جب آپ شکم مادر سے باہر تشریف لائے تو دیگر عورتوں کی طرح آپ کی والدہ کو زچگی کی تکلیف محسوس نہیں ہوئی ۔ آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو چہرہ اس قدر تابناک اور پیشانی نور سے ایسی منور تھی کہ خود مجھے بھی مسلسل دیکھنے کی تاب نہ رہی ۔ والدہ محترمہ نے ہی آپ کا نام محمد باہو تجویز کیا ، جو دنیائے روحانیت میں تا قیامت زندہ و تابندہ رہے گا ، سلطان صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ میری والدہ کے درجات بلند کرے ، جس نے میرا نام باہو رکھا ۔ جو صرف ایک نکتہ کے اضافہ سے یاہُو بن جاتا ہے ۔

بچپن

ابھی آپ کی عمر دو سال ہی کی تھی کہ آپ کے منور چہرہ کی ایک جھلک سے ہی غیر مسلموں کے دل گرویدۂ اسلام ہونے لگے ، جب دایہ آپ کو گاؤں کے گلی کوچوں میں سیر کے لئے لے جاتی تو آپ کا چہرہ دیکھ کر غیر مسلم کلمہ حق کہنے پر از خود مجبور ہو جاتے ، اسی طرح متعدد غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ، جس سے غیر مسلموں میں ہیجان پیدا ہو گیا ، ان لوگوں نے سلطان صاحب کے والد کے پاس آکر عرض کیا کہ آپ سلطان صاحب کی سیر کا وقت مقرر فرمائیں ، تاکہ اس وقت غیر مسلم گھروں میں چھپ سکیں

چنانچہ آپ کی سیر کا وقت مقرر کر دیا گیا، آپ والد کے ساتھ جب بھی گھر سے باہر جاتے غیر مسلم اپنے گھروں میں چھپ جاتے، جب آپ ماں کا دودھ پیتے تھے تو اس دوران رمضان المبارک کا چاند طلوع ہونے پر شبہ ہو گیا۔ لوگ آپ کی والدہ کے پاس آئے تو انھوں نے جواب دیا کہ کل اگر میرے سلطان نے دودھ نہ پیا تو رمضان کا پہلا روزہ ہوگا۔ چنانچہ دوسرے دن آپ نے سحری سے افطاری تک والدہ کا دودھ نہ پیا۔ آپ کے اس عمل سے مسلمانوں نے روزہ کی نیت کر لی۔ چنانچہ آپ سارے رمضان سحری سے افطار تک والدہ کا دودھ نہ پیتے رہے۔ ابتدا ہی میں اتباعِ شریعت کا یہ عالم تھا کہ بیان سے باہر ہے۔

جب آپ کی عمر اس قابل ہوئی کہ از خود گھر سے باہر جانے لگیں تو پھر غیر مسلموں نے واویلا کیا اور ان کو گھر سے باہر جانے کے لئے اوقات مقرر کرنے کی تجویز پیش کی، جس پر آپ کے پاؤں میں گھنٹیاں باندھ دی گئیں، جب آپ چلتے تو گھنٹیوں کی آواز سن کر غیر مسلم گھروں میں چھپ جاتے۔ مگر تابکے، ایک دن ایسا بھی آیا کہ گاؤں میں کوئی بھی غیر مسلم نہ رہا۔ اور سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

تربیت

جب آپ کی عمر دس گیارہ سال کی ہوئی تو آپ کے والد محترم

وفات پاگئے تو آپ کی ظاہری تربیت آپ کی والدہ نے فرمائی۔ سلطان صاحبؒ کسی ظاہری مسندِ علم و ارشاد سے وابستہ نہ ہوئے اور نہ ہی کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ آپ کو جو رُوحانی رتبہ و مقام ملا، وہ براہِ راست بارگاہِ رسالت سے عطا ہوا اور آپ کی روحانی بیعت بھی ہادیٔ مرسلؐ سے ہوئی۔ آپ بچپن میں ہی دن اور رات کا اکثر وقت عبادت میں گزارتے جنگلوں میں چلے جاتے۔ مسلسل مجاہدہ و ریاضت سے آپ کے قلب کی وسعتیں پھیلتی گئیں اور دنیاوی دھندوں سے گریز فرمانے لگے۔

بیعت

آپ خود فرماتے ہیں کہ ایک بار میں اپنی جاگیر میں جنگل کے وسط میں کھڑا تھا۔ کہ ایک تیز رفتار گھوڑا سوار میرے پاس پہنچا، مجھے اسلام علیکم کہا۔ میں نے جواب دیا، تو گھوڑ سوار نے مجھے گھوڑے پر بیٹھنے کی ہدایت کی۔ میں بلا تامل گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ تو میں نے سوار سے دریافت کیا۔ آپ کون ہیں؟ سوار نے فرمایا، میں علی بن ابی طالب ہوں۔ تمہیں بارگاہِ رسالت میں بلایا گیا ہے۔ یہ سن کر میرا دل خوشی سے اُچھلنے لگا۔ میں امام الاولیاء کے پیچھے بیٹھا اپنی قسمت پر نازاں تھا، پل جھپکنے کی مہلت میں دربارِ رسالت میں حاضر ہوگیا، میں نے دیکھا کہ دربار لگا ہوا ہے۔ حضور ایک بلند کرسی پر تشریف فرما ہیں، حضورؐ کے صحابہ کرام اور اہل بیت عظام آپ کے دونوں طرف کرسیوں

پر (بلند مقام پر) متمکن ہیں، میں بصد عجز و نیاز بانیٔ کائنات کے حضور حاضر ہوا
حضور ص نے مجھے گلے لگایا، اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر فرمایا کہ میں
نے تمہیں بیعت کر لیا ہے۔ پھر میں نے دیگر صحابہ کرام اور اصحاب خانۂ
رسول ص سے مصافحہ کا شرف حاصل کیا، مصافحہ کے بعد میں بصد ادب
کھڑا رہا، تو حضور ص نے فرمایا کہ اب تم ان کے سپرد ہو، اور اشارہ سے
مجھے حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی کے پاس بھیجا۔
چنانچہ میری نسبت بارگاہ غوثیہ سے ہوئی۔ اس طرح میں کسی درمیانی واسطہ
کے بغیر بارگاہِ رسالت سے فیض یاب ہوا،

اتباعِ شریعت

آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اتباعِ شریعت میں بسر ہوا، آپ
فرماتے کہ جس شخص نے شریعت کی اطاعت نہیں کی وہ خدا اور رسول کا
باغی ہے، اور اس کا مقام دوزخ ہے چنانچہ آپ کی زندگی مکمل اتباعِ
شریعت کا نمونہ تھی، آپ خود فرماتے ہیں ؎

ہر مراتب از شریعت یافتم
پیشوائے خود شریعت ساختم

کرامات

آپ سے ہزاروں خوارق الفطرت واقعات منسوب و مشہور ہیں

آپ کی زندگی میں علم وعرفان کا جو چشمہ جاری ہوا تھا وہ اب تک جاری ہے اور قیامت تک تشنگان علم وعرفان اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے، لیکن آپ عموماً اظہارِ کرامت کو پسند نہ کرتے، بلکہ فرمایا کرتے کہ یہ ولی کے لیے زیب نہیں کہ وہ لوگوں کو اس طرح گرویدہ کرے، بلکہ ولی کامل کا عمل اور چلن لوگوں کو صحیح راہ پر لاتے۔

تاہم چند واقعات ضمنی طور پر قلم بند کرتا ہوں۔ ایک دفعہ آپ بھکر کی طرف سلطان حمید کے ہمراہ کسی بلند جگہ پر تشریف فرما تھے، کہ اچانک گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور حمید سے کہا چلو یہ کسی ظالم کا تباہ شدہ گھر ہے۔ چنانچہ آپ تھوڑے فاصلہ پر ریتلی جگہ تشریف لے گئے۔ اس دوران سلطان حمید کے دل میں خیال آیا کہ کاش میرے پاس قیمتی مصلیٰ ہوتا تو میں آپ کے نیچے بچھاتا، ادھر حمید کو یہ خیال آیا، آپ نے حمید سے فرمایا آنکھیں بند کرو اس نے آنکھیں بند کریں تو اسے ایک خوب صورت عورت نظر آئی جو نکاح کی طلب گار تھی، سلطان نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں، آپ نے دریافت کیا کہ کیا منظر دیکھا، حمید نے منظر بتایا۔ تو آپ نے فرمایا نکاح کیوں نہ کرلیا؟ حمید نے کہا کہ غلطی ہوئی جو ایسا خیال دل میں لایا، آپ نے فرمایا فقراء کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں، یہ صرف دنیاداروں کے لئے ہے، جس نے حضور نبی کریم ص کا دامن تھاما وہ دُنیاوی لذتوں سے آزاد ہو گیا، کیونکہ دنیا

کی ہوس ایمان کو بھسم کر دیتی ہے۔

ایک دفعہ موضع اچھروالی کا ایک نائی چور رحمت آپ کے حجرہ میں تعاقب کرنے والوں سے بچنے کے لئے آیا۔ تعاقب کرنے والے جب چلے گئے تو رحمت مطمئن ہو کر اٹھا۔ دو قدم چلا تھا کہ آپ نے فرمایا۔ رحمت اب تم نے پناہ لی ہے، لہذا اب ہمیشہ پناہ ہی رہو گے' آپ کی ایک نظر نے رحمت کو چور سے ولی بنا دیا۔

ازواج واولاد

سلطان صاحب نے مختلف اوقات شریعت کے مطابق چار شادیاں کیں، آپ کی پہلی بیوی حضرت مخدوم برہان الدین احمد لنگر مخدوم کے خاندان سے تھیں۔ دوسرا نکاح آپ نے اعوان قبیلہ کی ایک خاتون سے فرمایا۔ تیسری شادی اپنی ٹوور کی ایک قرابت دار عورت سے کی۔ اور چوتھی شادی ملتان کی ایک ہندو عورت کو مسلمان کر کے کی۔ یہ عورت ساہوکار کی بیٹی تھی اور حضرت غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی کی روحانی عنایت سے حلقہ بگوش اسلام ہوئی تھی۔

تذکرہ نویسوں نے آپ کی اولاد نرینہ کی تعداد آٹھ بتائی ہے، جن کے نام یہ ہیں۔ سلطان نور محمد، سلطان ولی محمد، سلطان لطیف احمد، سلطان صالح محمد، سلطان اسحاق محمد، سلطان فتح محمد، سلطان شریف محمد

سلطان حیات محمد جو آپ کی زندگی میں وفات پا گئے ۔

خلفاء

آپ کا حلقۂ ارادت آپ کی زندگی میں ہی ، سندھ ، سرحد افغانستان تک پھیل گیا ، چنانچہ آپ نے متعدد اصحاب کو خلافت عطا کی، آپ کے خلفاء کے نام کتابوں میں محفوظ ہیں۔

شاعری

آپ کو خدا تعالےٰ نے شاعری کا اعلےٰ اور پاکیزہ ذوق عطا فرمایا تھا ، معرفت میں ڈوب کر جو زبان سے فرماتے ، وہ زندگی کی حسین تفسیر بن جاتا ، آپ کی صوفیانہ شاعری نے علم و ادب کی تاریخ میں نئے باب کا اضافہ کیا ، غزل فارسی اور پنجابی میں آپ کے متعدد شعری مجموعے موجود ہیں ، ان میں پنجابی ابیات کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی ۔

تصنیفات

آپ نے مختلف اوقات میں تقریباً ۱۴۰ کتابیں مختلف موضوعات پر تحریر کیں ، ان میں سے اب صرف ۲۶ کتابیں ملتی ہیں ۔ باقی مرورِ زمانہ کی نذر ہو چکی ہیں ۔ جو کتابیں اس وقت موجود ہیں ان میں بھی بعض نامکمل ہیں ، معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی حالات کی تبدیلیوں کی وجہ سے کتابوں کا نادر ذخیرہ ضائع ہو گیا ، آپ کی مشہور کتابیں یہ ہیں :۔ عین الفقراء ، کبیر و صغیر

عقل بیدار کبیر و صغیر، مخزن الاسرار، دیوانِ غزل۔ دیوانِ فارسی ۔
دیوانِ پنجابی، نور الہدیٰ ۔ مفتاح العارفین ۔

سیاسی اثر و رسوخ

آپ کے زمانۂ زندگی میں ملتان کی صوبہ داری جس میں شورکوٹ کا علاقہ بھی شامل تھا، شاہ جہاں کے بیٹوں شاہ شجاع ،مراد، داراشکوہ اور اورنگ زیب کے سپرد رہی ۔ اِن میں سے اورنگ زیب نے آپ کی ملاقات کا شرف حاصل کیا ۔ دارشکوہ آپ کا عقیدت مند تھا، لیکن آپ ان میں سے اورنگ زیب عالمگیر کی زیادہ قدر کرتے تھے۔ اور جب اورنگ زیب قندھار کی مہم سے واپس آئے ہوئے قلعہ گڑھ مہاراجہ میں چند روز مقیم رہا تو آپ ان سے ملنے خود تشریف لے گئے ۔ اور دہلی میں اورنگ زیب سے ملاقات کی ۔ رسالہ اورنگ شاہی آپ ہی کے فرمودات پر مشتمل ہے ۔

وفات

آپ کی وفات یکم جمادی الاوّل ۱۱۰۲ھ کو رونما ہوئی، اور یہ آفتاب علم و معرفت اِس دنیائے فانی سے ظاہری طور پر روپوش ہو گیا لیکن اس سورج کی روحانی کرنیں قیامت تک قائم رہیں گی ، اور تشنگانِ علم و عرفاں کو فیض یاب کرتی رہیں گی ۔ آپ کا جسدِ مبارک جس جگہ دفن کیا گیا وہ

دریا کی زد میں آنے لگی، تو آپ نے ایک مُرید کو خواب میں آگاہ کیا، چنانچہ آپ کا جسدِ مبارک پہلی جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ دفن کیا گیا۔

محرم کا عرس

آپ کے مزار پر ہر سال ۳ سے ۷ محرم الحرام تک جو عرس منایا جاتا ہے یہ دراصل شہیدانِ کربلا کی یاد منائی جاتی ہے، آپ کا عرس نہیں ہے۔ اِس کی ابتداء آپ نے اپنی زندگی میں فرمائی تھی، اس موقع پر آپ کے عقیدت مند لاکھوں کی تعداد میں دور دراز سفر کر کے شامل ہوتے ہیں، تاہم آپ کا سالانہ عرس جمادی الاوّل کے پہلے ہفتے میں ہر سال منایا جاتا ہے۔

تاریخِ وفات

مختلف شعراء نے ان کی تاریخِ وفات نکالی ہیں جن میں سے تین کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے،

کاشفِ اسرارِ حق اہلِ دیں
گشت تاریخ وفاتش بایقیں

" ابدی غلام باہو "

سلسلہ سجادگی

حضرت سلطان کے وصال کے بعد ان کے صاحب زادے

سلطان ولی محمد صاحب سجادہ نشین ہوئے، ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے سلطان محمد حسین صاحب کو یہ اعزاز ملا جو ۴۱ سال اس اعزاز پر متمکن رہے، ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ حافظ سلطان اس مسند پر آئے۔ ۲۲ سال سجادہ نشین رہے۔ ان کے بعد شیخ سلطان غلام باہو سجادہ نشین ہوئے یہ بھی ۴۱ سال فرائض سجادگی انجام دینے کے بعد ۱۲۶۳ھ میں وفات پا گئے ان کے بعد شیخ سلطان حافظ صالح محمد جانشین مقرر ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد سلطان نور محمد چھٹے سجادہ نشین نامزد ہوئے۔ حضرت محمد امیر سلطان ان کے بعد ساتویں جانشین بنے اور حضرت حبیب سلطان موجودہ سجادہ نشین آٹھویں ہیں۔

پیر باقی شاہ

وفات :- ۱۱۷۸ ہجری

مدفن :- محلہ بھبھرانہ جھنگ صدر

پیر باقی شاہ خانوادہ شاہ جیونہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ صاحبِ جذب بزرگ اور سیلانی فقیر تھے۔ بہت کم گو تھے، ہر وقت عبادت اور ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے، آپ عموماً رات کو اپنی جھونپڑی سے غائب ہو جاتے، جب لوگ ان سے دُعا کے لیے کہتے تو آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھاتے، گویا آپ لوگوں کو اللہ تعالٰے کی طرف رجوع کرنے کی تلقین فرماتے :

یہ بھی مشہور ہے کہ رات کو مسجدوں کے چراغ بُجھ جاتے تو آپ انھیں جاکر روشن کر دیتے۔ جن مسجدوں میں خدّام نہیں تھے یا عموماً غیر آباد رہتی تھیں اُن میں صفائی و پاکیزگی کا خیال رکھتے۔

اِن سے بہت کم خوارق واقعات مشہور ہیں۔

آپ کی وفات ۱۱۷۸ھ ہجری میں ہوئی اور آپ کا جسد ان کی جھونپڑی میں ہی دفن کیا گیا، جہاں اب مزار موجود ہے۔

یہ بھی مشہور ہے کہ جمعرات کو بلا ناغہ آپ کے مزار پر شیر حاضری دیا کرتا تھا اور جو لوگ اِن کے مزار پر نوافل ادا کر کے دعا مانگتے تھے، اُن کی دُعا قبول ہوئی تھی۔

حافظ برخوردار

ولادت :- ۱۰۴۱ ھ

وفات :- ۱۲۲۰ ھ

مدفن :- موضع برخوردار نزد بھوانہ تحصیل چنیوٹ

حضرت حافظ برخوردار علاقہ چنیوٹ میں صاحب علم و معرفت ہوئے ہیں، باطنی اور روحانی علوم کے علاوہ شرعی اور فقہی علم سے بھی بہرہ ور تھے، اور صاحب عظمت و جلال بزرگ تھے، ان کے جلال کا اب بھی یہ عالم ہے کہ بڑے بڑے چور ڈاکو اور مجرم ان کے مزار کے دروازہ کی کنڈی کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ تحصیل چنیوٹ کے دیہی علاقہ میں چوری کی واردات ہونے پر مشتبہ آدمی کی پاک دامنی کے فیصلے کا ایک ہی طریقہ رائج ہے کہ وہ شخص حافظ برخوردار کی کنڈی کو ہاتھ لگا دے۔ چور یا ڈاکو ہاتھ نہیں لگاتے کیونکہ اس طرح جھوٹی قسم ہو جاتی ہے اور جھوٹی قسم کھانے والا سخت ذہنی اور جسمانی عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ابتدائی حالات

ان کے تذکرہ نگاروں نے ان کے ابتدائی حالات کے بارے

ہیں بہت کم شواہد پیش کئے ہیں۔ جہاں تک معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کے مطابق ان کے دادا محترم جناب ابدال احمد صاحب علاقہ سدھیرلویانوالہ ضلع گوجرانوالہ کے بااثر زمیندار تھے۔ اور ان کو حکومت وقت کی طرف سے جاگیر ملی ہوئی تھی۔ جس کے باعث وہ دنیاوی اعتبار سے بڑے خوش حال تھے، ان کی جاگیر کے ایک حصہ میں اس وقت کے مشہور بزرگ حضرت شاہ بہلول نے جھونپڑی ڈال رکھی تھی۔ یہ مجذوب فقیر تھے اور کسی شخص کی آمد پر احتراماً کھڑے نہیں ہوتے تھے، بلکہ عموماً دنیادار لوگوں سے الگ رہتے تھے۔ ان کی اس عادت کا علاقہ بھر میں شہرہ تھا۔ بعض لوگ اعتراض کرتے کہ اگر ایسے ہی صاحب فقر ہیں تو چوہدری ابدال احمد کی آمد کے وقت بھی احتراماً کھڑے نہ ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ چوہدری ابدال احمد کی زمین پر جھونپڑی ڈال کر بیٹھے ہیں اس خوف سے کہ کہیں اسے اٹھا نہ دیں، شاہ بہلول ان کا احترام ہیں جب یہ بات حضرت شاہ بہلول کو معلوم ہوئی تو انھوں نے فرمایا - میں ابدال احمد کی دنیاوی شان یا کسی خوف کے باعث اس کا احترام نہیں کرتا، بلکہ اس لئے کرتا ہوں کہ ان کی پشت سے ایک صاحب عزت و حرمت فقیر پیدا ہوگا - جو اپنے دور کا ولی کامل ہوگا۔ مجھے اس بزرگ کی عظمت کا احترام مقصود ہے،

ولادت

۱۰۴۱ ہجری ماہ شعبان میں چوہدری خان محمد صاحب کے ہاں

پیدا ہوئے، صرف دو سال اپنے والدین کے گھر میں رہے۔ چونکہ ان کے والد کی اور اولاد نرینہ نہ تھی اور وہ چاہتے تھے کہ اپنے بیٹے کی صحیح تربیت کر سکیں اور ملکی حالات سے جو بگڑتے جا رہے تھے بچائے رکھیں، چنانچہ انھوں نے حافظ صاحب کو اپنی سالی کو قلعہ لنگراں علاقہ تھانہ بھوانہ میں مقیم تھی بھیج دیا، اور بعد میں یہ علم نہ ہو سکا کہ وہ خود کہاں چلے گئے۔ ان کی وفات کہاں اور کن حالات میں ہوئی۔ حافظ صاحب اپنی خالہ محترمہ کے ہاں آگئے۔ ان کی خالہ نے ان کی پرورش ماں کی طرح کی۔ اپنے بچوں کی طرح ان کا خیال رکھتیں۔ ان کی عادات دوسرے بچوں سے مختلف تھیں، نہ زیادہ کھیلتے نہ ضد کرتے، اور نہ ہی گھر میں کسی شے کا نقصان کرتے،

بچپن

حافظ صاحب فطری طور پر بڑے ذہین تھے، جب ان کی عمر چار سال کی ہو گئی تو ان کو گاؤں کے ایک مدرسہ میں داخل کر دیا گیا جہاں اس وقت محمد موسے باغبان، بچوں کو پڑھاتے تھے، محمد موسے باغبان علوم باطنی سے بہرہ ور نہ تھے، صرف ظاہری علم کی چند کتابیں، اور قرآن مجید ناظرہ یا حفظ بچوں کو پڑھاتے، ان کا طریق درس ایسا تھا کہ بچوں کو روز کا کام سپرد کر کے انہیں اپنے گھر کے کام پر لگا دیتے، کوئی بچہ جنگل میں جا کر ان کے لئے لکڑیاں چنتا، کوئی چارہ لاتا، کوئی گھر میں

کام کرتا، کوئی مویشی چراتا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے سبق بھی یاد کرتے۔
حافظ صاحب نے عمر کے پانچویں سال ہی میں قرآنِ مجید حفظ کرنا شروع کردیا۔ جنگل میں اُستاد کے مویشی بھی چراتے اور اپنا سبق بھی خوش الحانی سے یاد کرتے۔ ان کی بلند آواز اور قرأت کو سُن کر لوگ ان کے قریب آتے اور قرآن پڑھنے کے ڈھب و لہجہ اور ان کی عمر پر تعجب کرتے۔ چھوٹی عمر میں ہی قرأت اور خوش الحانی کا فیض ملنا ایک کرامت ہی تھی۔

مسجد کی چھت

ایک دفعہ بہت زور کی بارش ہوئی، اور جس مدرسہ میں حافظ صاحب زیرِ تعلیم تھے اس مسجد کی چھت بارش سے بیٹھ گئی۔ مولوی محمد موسےٰ کو اس کی بڑی تشویش ہوئی۔ کہ چھت ڈالنے کے لئے روپیہ درکار ہے، جو ان کے پاس نہیں تھا، اِس لئے انھوں نے اپنے شاگردوں کے ذمہ لگا دیا کہ وہ شہتیر لکڑیاں اور دوسرا سامان مہیا کریں۔ حضرت حافظ صاحب کے ذمّہ لکڑی کا شہتیر لگایا۔ چنانچہ حافظ صاحب جب اپنے گھر پہنچے تو اپنی خالہ سے ذکر کیا۔ خالہ نے اِن سے کہا کہ میرے علم میں اس وقت کوئی لکڑی نہیں جو شہتیر کے کام آسکے۔ اپنے خالو سے کہو وہ کسی جگہ سے درخت کٹوا دیں گے، حافظ صاحب نے خالو سے ذکر کیا، انھوں نے بھی یہی کہا کہ فوری طور پر بندوبست نہیں ہوسکتا، حافظ صاحب مایوس ہوگئے اور روتے رہے اور اس قدر روئے

کہ ساری رات آنکھوں میں کاٹی ، ایک لمحہ کے لئے بھی آرام نہ کر پائے۔ اور خدا سے التجا کی کہ دستِ غیب سے انتظام فرمائے۔

دوسرے دن جب حافظ صاحب معمول کے مطابق مدرسہ پہنچے گئے تو ان کا دل ملول تھا۔ تاہم ڈرتے ڈرتے اُستاد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُستاد نے پوچھا برخوردار شہتیر لائے ہو؟ تو حافظ صاحب خاموش رہے۔ انکار کی مجال نہ تھی اور ظاہری سامان میسر نہ تھے، ان کے ہم سبق اپنا اپنا سامان مسجد کے صحن میں لا کر جمع کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک لڑکے نے آکر بتایا کہ ان کے حصہ کا شہتیر تو باہر پڑا ہے جس پر ان کا نام لکھا ہوا ہے، استاد، شاگرد باہر آئے تو ایک بہت وزنی شہتیر وہاں پڑا ملا، جس پر آپ کا نام لکھا ہوا تھا۔

مسجد کی تعمیر شروع ہو گئی شہتیر رکھا گیا تو حافظ صاحب نے اصل حقیقت بیان کی جس پر مشہور ہو گیا کہ یہ شہتیر اللہ تعالےٰ نے بہشت سے بھیجا ہے۔ اسی دن سے یہ بہشتی شہتیر مشہور ہو گیا۔ آج بھی عقیدت مند اس شہتیر کے نیچے کھڑا ہونا باعثِ رحمت و سعادت سمجھتے ہیں۔ اور اس سے مرد اپنی پگڑیاں اور عورتیں دوپٹے باندھتی ہیں۔

حفظِ قرآن کی کرامت

ایک دفعہ حضرت حافظ صاحب اُستاد کے مویشی چرا تے

ہوتے ہوئے دریا کے کنارے چلے گئے۔ اِن کے پاس لکڑی کی تختی تھی جس پر اس روز کا سبق تحریر تھا۔ دریا کے کنارے چلتے ہوئے تختی دریا میں گر گئی۔ انہوں نے تختی تو اُٹھا لی مگر اس پر لکھا ہوا سبق دُھل چکا تھا۔ حافظ صاحب بہت گھبرائے کہ سبق یاد نہیں ہوگا تو اُستاد جواب طلبی کریں گے۔ اِس خوف کے باعث وہ رونے لگے۔ اچانک ایک بزرگ ان کے سامنے نمودار ہوئے۔ حافظ صاحب تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اور اپنے آنسو پونچھ لئے۔ بزرگ نے ان سے دریافت کیا کہ کیوں رو رہے ہیں؟ مگر حافظ صاحب نے ان کے سوال کا جواب نہ دیا۔ اِس پر بزرگ نے ان سے کہا "آپ اپنا سبق تختی پر لکھیں، میں لکھواتا ہوں۔ حافظ صاحب نے لکھنا شروع کیا۔ جب تختی پر دہی سبق جو دریا میں گرنے سے دُھل گیا تھا، لکھ لیا تو بزرگ نے کہا" بیٹا اب تمہیں روز تختیاں لکھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ لو قرآن مجید پڑھو" حافظ صاحب نے الحمد شریف سے پڑھنا شروع کیا تو والناس تک اپنے آپ پڑھتے چلے گئے۔ جب قرآن مجید مکمل پڑھ لیا تو بزرگ نے ان کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی اور ایک جُبّہ عطا کر کے فرمایا۔ "بیٹا! آج سے تم برخوردار نہیں ہو بلکہ حافظ برخوردار ہو۔"

یہ کہہ کر بزرگ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ حافظ صاحب نے خداوند قدوس کا شکر ادا کیا اور قرآن مجید پڑھتے ہوئے گھر کو واپس

چل دئے۔

چونکہ کافی رات ہو گئی تھی اور خلافِ معمول اب تک گھر نہ پہنچے تھے ان کے اُستاد کو تشویش ہوئی چنانچہ وہ اِن کی تلاش میں جنگل کی طرف چل پڑے، انھوں نے دُور سے دیکھا کہ ایک لڑکا ایندھن کا وزن جو بچے کی طاقت سے زیادہ ہے اُٹھائے ہوئے مویشی ہانکتا آرہا ہے۔ تو اس کی طرف آگے بڑھنے لگے۔ اتنے میں حافظ صاحب بھی پہنچ گئے۔ اُستاد نے بڑھ کر اِن کو گلے لگا لیا اور کہا حافظ برخوردار اس عمر میں علم و عمل کی جو منزل تم نے طے کی ہے یہ خدا کی دین اور نعمت ہے، خدا انھیں مبارک کرے۔

شادی

حافظ صاحب کی عمر ابھی بارہ ہی برس کی تھی کہ خالہ نے ان کی شادی کر دی۔ اور چند سال بعد ان کو علیحدہ زمین دے دی۔ تاکہ خود محنت کریں اور خاندان کو سنبھالیں، اتفاق کی بات ہے کہ جو کنواں اِن کو دیا گیا تھا وہ غیر آباد تھا، لیکن بعد میں انھوں نے آباد کر لیا۔

حضرت شاہ دولہ

حافظ برخوردار اور گجرات کے حضرت شاہ دولہ ہم عصر تھے، اور دونوں میں نوک جھونک رہتی تھی۔ ایک دفعہ حافظ برخوردار سرکنڈا کاٹ رہے تھے، کہ حضرت شاہ دولہ تشریف لائے انھوں نے حافظ صاحب سے کہا۔

بہت کنجوس ہو گئے ، زمین کی آمدنی کافی نہیں جو سرکنڈا کاٹتے ہو؟

حافظ صاحب نے سرکنڈوں کا ایک گٹھا اُٹھا کر اِن کی طرف پھینکا جو سونا بن گیا ۔ حافظ صاحب نے کہا مجھے دولت دنیا کی کمی نہیں ، میں صرف ہاتھ کی محنت اور حلال کمائی سے پیٹ بھرنا چاہتا ہوں ۔

حافظ صاحب بڑے متوکل طبیعت کے مالک تھے ۔ زندگی بھر حلال روزی کمائی اور کھائی ۔ اپنی زمین کی آمدنی غرباء کے لئے وقف کر دی ۔ احکام شرعیہ کے بڑے پابند تھے اور دوسروں کو بھی تلقین فرماتے ، اپنے اُستاد محمد موسے کی وفات کے بعد اِن کے مدرسہ کو خود چلاتے رہے ۔

روایت مشہور ہے کہ جس مدرسہ میں حافظ صاحب نے تعلیم حاصل کی ، یہاں پر مشہور صوفی شاعر اور اولیاء اللہ حضرت بلھے شاہ نے بھی درس دیا (ہجری ۱۰۲۶) ۔

دیوار بھگا لی

ایک دفعہ حافظ صاحب قصبہ رجوعہ میں کھڑے تھے کہ ان کو گھر جلدی پہنچنے کا غیبی ارشاد ہوا ۔ فوراً ایک دیوار پر بیٹھ گئے اور دیوار کو چلنے کا حکم دیا ، یہ دیوار سرپٹ گھوڑے کی طرح بھاگنے لگی ۔ اور حافظ صاحب کے مکان کے پاس آکر رکی ۔ اس دیوار کے نشانات اب بھی موجود ہیں ۔

تبلیغِ دین

حافظ صاحب نے علاقہ کی بہت سی قوموں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ ان میں اقوام رجوکر، جبیپہ، کوکہ، چدھڑ وغیرہ شامل ہیں۔ جو آج بھی ان کی اولاد کا احترام کرتی ہیں۔

اولاد

ان کی اولاد نرینہ میں میاں حسام الدین ایک عالم و فاضل بزرگ تھے، ان سے آگے نسل چلی۔ سنجرا قوم انہی کی اولاد ہے۔ اور آج بھی اس قوم کے افراد دینی و دنیاوی علوم رکھتے ہیں۔ حافظ صاحب کا سالانہ عرس محرم کے پہلے عشرہ میں منایا جاتا ہے۔

حضرت شاہ برہان بخاری

ولادت :- ۹۸۱ ہجری

وفات :- ۱۰۶۱ ہجری

مدفن :- چنیوٹ شہر

حضرت شاہ برہان سادات بخاری سے تھے اور آپ کے والد جناب محب اللہ بخاری پورے لاہور منتقل ہوگئے تھے ۔ اور یہیں آپ کی ولادت ہوئی ۔ صحیح تاریخ ولادت کا ذکر کسی مورخ نے نہیں کیا قیاس کے تحت بعض تذکرہ نویسوں نے آپ کا سن ولادت ۹۸۱ ہجری تحریر کیا ہے ۔ آپ ابھی سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ علوم عقلیہ و نقلیہ سے بہرہ مند ہوچکے تھے ' اور آپ کے علم وتقوےٰ کی شہرت پھیل چکی بچپن اور عین جوانی کا زمانہ آپ نے لاہور میں بسر کیا ۔ آپ حضرت میاں میر صاحب کے ہم عصر تھے اور ان کی مجالس میں برابر نشست فرماتے تھے ۔ آپ کی لاہور میں رہائش گاہ اس جگہ واقع تھی جہاں آجکل یکی دروازہ کے قریب میاں عبدالعزیز بارایٹ لاء کی کوٹھی موجود ہے اور کوٹھی کے ساتھ ہی تنگ گلی میں آپ کا ایک مزار موجود ہے ۔ لاہور کارپوریشن

نے اس گلی کا نام ہی شاہ برہان اسٹریٹ رکھا ہوا ہے اور لاہور میں واقع مزار کی دیکھ بھال امام بخش جرّاح کا خاندان کرتا ہے۔

دو مزار

مشہور ہے کہ آپ کی وفات لاہور میں ہوئی تھی، اور آپ کا جسدِ مبارک موجودہ مزار لاہور میں دفن کیا گیا تھا، لیکن جب وفات کی اطلاع چنیوٹ میں ان کے خاص عقیدت مندوں کو ملی تو وہ سخت بے قرار و مضطرب ہوئے، آپ کو باطنی طور پر ان کے اضطراب کا علم ہوا تو قبر سے باہر نکل آئے اور چنیوٹ میں اپنے عقیدت مندوں کے پاس پہنچے جہاں دوسری بار آپ کی وفات ہوئی۔ اور چنیوٹ میں آپ کو اپنے حجرہ میں دفن کیا گیا۔ جہاں نواب سعداللہ خاں نے پختہ مزار تعمیر کرایا۔

لاہور سے سفر

حضرت ملّا خواجہ بہاری کے ارشاد کے مطابق آپ نے ۲۵ سال کی عمر میں جھنگ کا سفر اختیار کیا اور ساحل چناب کے علاقوں میں جو آپ کے خاندان کے مریدوں و عقیدت مندوں پر مشتمل تھا، رہائش اختیار کی۔ خیال اغلب ہے کہ آپ ۱۰۰۲ ہجری کے قریب وارد چنیوٹ ہوئے۔ فقراء اور درویشوں کا وسیع حلقہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتا تھا اور آپ سلسلہ سہروردیہ سے بیعت بھی تھے، جب آپ چنیوٹ شہر تشریف لائے

تو آپ کو یہ علاقہ پسند آیا اور مستقل رہائش اختیار کر لی۔

نواب سعد اللہ خاں

اسی دوران شاہ جہانی عہد کے مشہور وزیر اعظم نواب سعد اللہ خاں جو چنیوٹ کے غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور یتیمی و کس مپرسی کے عالم میں آوارہ پھرتے تھے آپ کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔ آپ نے اس بچے کی پیشانی میں علم و حکومت کے آثار دیکھے تو اپنے قریب کر لیا اور ابتدائی تربیت سے فیض یاب کر کے حضرت ملا خواجہ بہاری کے سپرد کر دیا جنہوں نے لاہور میں اس کی تعلیم کا بندوبست کیا۔

کرامات

آپ سے متعدد خوارق واقعات منسوب ہیں آج بھی آپ کے مزار سے ملحق کنوئیں کے بارے میں کسانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ آسمانی ہے اور عرس کے موقع پر جو بیل اس کنوئیں سے پانی نکالنے کے لئے لگائے جاتے ہیں، وہ سال بھر ہر قسم کی بیماری سے محفوظ رہتے ہیں۔ چنانچہ عرس کے موقع پر کسان باری باری اپنے بیل اس خدمت کے لئے پیش کرتے ہیں۔

وفات

آپ کی وفات ہجری ۱۰۶۱ ، ۱۲ رمضان المبارک کو ہوئی اور آپ کے عقیدت مندوں نے موجودہ مزار کی جگہ ہی دفن کیا، جب آپ کی

وفات کی اطلاع نواب سعد اللہ خاں کو ملی تو آپ کو سخت رنج پہنچا، اور خود چنیوٹ آئے، شاہی مسجد چنیوٹ کے ساتھ شاہ برہان کا مزار بھی پختہ بنانے کا حکم دیا، مسجد اور مزار شاہ جہاں کی اجازت سے سرکاری طور پر تعمیر ہوئے۔ جس کی تکمیل ۱۰۶۴ھ میں ہوئی۔

مؤرخین آپ کی اولاد کے بارے میں خاموش ہیں۔

آپ کا عرس ہر سال بارہ رمضان کو منایا جاتا ہے۔

حضرت مخدوم برہان الدین احمد

مدفن :۔ لنگر مخدوم

حضرت مخدوم برہان الدین احمد سلسلۂ سہروردیہ کے قابل فخر مبلغ تھے۔ آپ کا روحانی و خاندانی تعلق حضرت بہاؤ الحق زکریا ملتانی سے استوار ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ حضرت غوث صاحب کے حقیقی صاحب زادے تھے اور ملتان سے والد کے حکم پر قصبہ لنگر مخدوم تشریف لائے تھے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ آپ غوث بہاؤ الحق کی نسل سے تھے لیکن پشت کا تعین مشکل ہے۔

میری معلومات اور قیاس آرائی کے مطابق آپ غوث بہاؤ الحق زکریا کے حقیقی صاحب زادے تھے اور والد ہی کے حکم پر قصبہ لنگر مخدوم تشریف لائے تھے۔ یہ قصبہ ان کے زمانے میں بے آبادا ور جنگل تھا، آپ نے یہاں جھونپڑی ڈال دی۔ اور لنگر شروع کیا جس سے آس پاس کے غریب اور راہ چلتے مسافر استفادہ کرتے تھے۔ بعد میں اسی جگہ کا نام لنگر مخدوم مشہور ہو گیا۔ جواب بھی قصبہ کی حیثیت سے قائم ہے

آپ کی اولاد میں بھی ولی اللہ ہوئے ہیں ۔ مخدوم محمد طیّب ، مخدوم عبدالکریم اپنے عہد کے عارف باللہ گزرے ہیں ۔ اور آپ کے خاندان سے ہزاروں قصبیوں اور خاندانوں نے فیض روحانی حاصل کیا ۔ حضرت سلطان العارفین محمد باہو بھی آپ کے آستانہ عالیہ پر حاضری کا شرف حاصل کرتے رہے ہیں ۔

سن ولادت و وفات نہیں مل سکا ۔ اور نہ ہی اس سلسلہ میں قیاس و گمان سے کام لیا جا سکتا ہے ۔

سائیں بلاق شاہ

وفات :- ۱۱۸۳ ہجری

مدفن :- محلہ بلاق شاہ جھنگ صدر

بلاق شاہ ایک مجذوب فقیر تھے - بارھویں صدی میں جھنگ تشریف لائے ۔ آپ کے ابتدائی حالات کے بارے میں کوئی معلومات نہیں مل سکیں ۔ تاہم جھنگ میں آپ قریبًا بیس سال مقیم رہے ۔ اور خاصی عمر میں آپ کا انتقال ہوا ۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ہجری ۱۱۸۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی ۔

آپ کے بارے میں بہت سی روایات مشہور ہیں ۔ آپ جذب و مستی کے عالم میں جس شخص کے بارے میں جو بات فرماتے وہ حقیقت بن کر سامنے آجاتی ۔ لوگ آپ کے عقیدت مند تھے ، آپ نے وفات سے قبل ہی اپنے عقیدت مندوں کو آگاہ کر دیا تھا کہ اب وہ اس دنیا سے جا رہے ہیں ۔ چنانچہ خود ہی غسل کیا اور کپڑے تبدیل کئے ۔ حالانکہ آپ عمومًا نیم برہنہ رہتے تھے ۔ پھر آپ اپنے حجرے میں تشریف لے گئے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ، اسی عالم میں آپ کی روح پرواز کر گئی ۔

آپ کو اسی حجرہ میں دفن کیا گیا۔ بعد میں آپ کے نام پر ایک محلہ آباد ہو گیا جو اب تک قائم ہے۔

○

بلبل شاہ قریشی

مدفن :- موضع حسو بلیل تحصیل شورکوٹ۔

آپ کا اصل نام بلال تھا جو بگڑ کر بعد میں بلبل مشہور ہو گیا۔
آپ کا شجرۂ نسبی حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانی سے ملتا ہے۔ صحیح سن ولادت و وفات معلوم نہیں ہو سکا اور نہ ہی ابتدائی حالاتِ زندگی کے بارے میں کوئی تفصیل مل سکی ہے۔ صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ آپ ملتان سے قریباً تین سو سال قبل مزار حضرت پیر عبدالرحمٰن قریشی پر مراقبہ کے لئے تشریف لائے تھے۔ مراقبہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو جھنگ کا علاقہ پسند آگیا۔ اور اس جگہ رہائش پذیر ہوتے۔ جہاں اس وقت قصبہ حسو بلیل موجود ہے اور باقی زندگی کے ایام یہیں بسر کئے۔ آپ کا ایک مرید خاص حسن نامی ترکھان تھا۔ جس پر آپ کی بے پایاں شفقت تھی۔ حسن کو عرف عام میں حسو کہا جاتا تھا۔ مرشد و مرید کے درمیان عشق والا معاملہ تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہونے کا تصور تک نہ کر سکتے تھے۔ جیسا کہ مادھولال اور شاہ حسین کے درمیان محبت تھی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ مرشد جس دن اس جہانِ فانی سے عالمِ بقا کو گئے مرید بھی چند لمحے بعد

جاں بحق تسلیم ہوا۔ دونوں کے مزار ساتھ ساتھ موجود ہیں۔ اور اس جگہ کا نام بھی حسو بلیل مشہور ہوگیا۔

آپ کی اولاد میں اس وقت مخدوم علی حسین سجادہ نشین موجود ہیں اور دنیاوی و سیاسی اثرورسوخ کے مالک ہیں۔ آپ کے مزار پر ہر سال ۲۷ ہاڑھ کو عرس منایا جاتا ہے۔

●

حضرت شیخ بہلول

(جدِّ اعلیٰ سلطان فتح علی ٹیپو)

ولادت :- ۹۲۱ ھ

وفات :- ۱۰۳۹ ھ

مدفن :- جھنگڑ شاہ بہلول

حضرت شیخ بہلول جن کو مورخین نے شاہ بملول اور بہلول دریائی بھی لکھا ہے ۔ عہد اکبر، جہاں گیر اور شاہ جہاں کے جید عالم سلسلہ دریہ کے مبلغ اعظم ۔ فقہ حنفیہ کے عظیم فقیہہ اور مادرزاد ولی اللہ، عارف کامل اور اپنے دور کے قطب تھے، آپ کو روحانی دولت سرکار خاتم النبیین سے براہ راست ملی تھی، تاہم بعد میں آپ مختلف بزرگوں کے مزارات پر ریاضت وعبادت میں مصروف رہے ۔ اس عظیم باطنی و روحانی سرمایہ کے علاوہ دنیاوی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مرتبہ بلند عطا کیا وہ تاریخ ہندوستان کا ایک باب ہے ۔ آپ ہی کی اولاد سے سلطان حیدر علی فاتح میسور اور مجاہد اعظم حضرت سلطان فتح علی ٹیپو ایسی نامور شخصیتیں پیدا ہوئیں ۔

ابتدائی حالات

آپ کا اصل وطن قصبہ لالیاں کے قریب دریائے چناب کے کنارے ایک گاؤں تھا جو اب موضع "بہلول کے" کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کا خاندانی نسب راج پوتوں کی ایک شاخ سپرا قبیلہ سے وابستہ ہے۔ بعض مؤرخین نے جن میں مولوی نور احمد چشتی، مصنف "تحقیقاتِ چشتی" بھی شامل ہیں سپرا قبیلہ کو جاٹ قرار دیا ہے۔ آپ کے والد کا نام تانی یا تینی مشہور ہے، یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ اصل نام تھا یا عرفِ عام تھا، یا اصل نام کی بگڑی ہوئی صورت تھی، والد اور خاندان کے دیگر افراد زراعت و کاشت کاری کرتے تھے، آپ کے والد کے بعض رشتہ دار فوج میں بھی ملازم تھے۔

ولادت

اکثر مؤرخین نے آپ کی ولادت، ہجری سنہ ۹۲۰ تحریر کی ہے جو قرائن سے بھی درست ثابت ہوتی ہے۔ بچپن سے ہی آپ سے خوارق واقعات ظہور میں آنے لگے۔ جس سے آپ کی شہرت ہو گئی۔ جب آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو والدین نے آپ کو ایک قریبی مدرسہ میں حصول تعلیم کے لئے داخل کیا، لیکن یہاں یہ کیفیت تھی کہ استاد ایک سبق پڑھاتا تو آپ اس سے اگلا سبق سنا دیتے۔ جب استاد نے یہ صورت دیکھی تو آپ کے

والد کو بلا کر کہا کہ تمہارا بچہ کتابی علم کی منزل سے کہیں آگے چلا گیا ہے اس لئے اسے کسی درویش کی خدمت میں پیش کرو۔ چنانچہ آپ مدرسہ سے فارغ ہوگئے۔ چند سال یونہی پھرتے رہے، جب آپ کی عمر بیس سال کی ہوئی تو آپ نے سیاحت کا ارادہ کیا۔ لیکن والدین کی خواہش تھی کہ آپ کی شادی ہوجائے۔ چنانچہ اپنی مرضی نہ ہونے کے باوجود والدین کی خواہش اور سنتِ نبویہ کے احترام میں اپنے ہی قبیلہ کی ایک عورت سے نکاح فرمایا، جس سے دو لڑکے محمد علی اور ولی محمد پیدا ہوئے

زیارتِ حرمین

جب آپ کی عمر تیس سال کی ہوئی تو شدید خواہش اور تڑپ کے تحت والدین سے سیاحت اور زیارت حرمین شریفین کی اجازت حاصل کی اور پیدل سفر کو چل پڑے۔ سب سے پہلے آپ نجف اشرف میں روضہ اقدس حضرت علی علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور تین ماہ آپ نے یہاں عبادت اور ریاضت کی۔ اور مزار کی جاروب کشی کا اعزاز حاصل کیا۔ نجف اشرف سے ــــ بشارت حاصل کرکے آپ کربلائے معلےٰ تشریف لائے۔ اور تین ماہ روضۂ اقدس سید الشہداء پر معتکف رہے۔ اس دوران روحانی برکات سے جھولیاں بھریں۔ کربلائے معلےٰ سے آپ حج بیت اللہ کے لیے حرمِ مقدس میں حاضر ہوئے، زندگی میں ایک بار ہی حج

کیا، مکہ سے مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر امام الانبیاء حضور خاتم النبیینؐ
کے روضۂ اقدس پر پندرہ روز اعتکاف کیا، اور جاروب کشی کی سعادت حاصل
کی، قیام مدینہ منورہ کے دوران جنت البقیع میں تشریف لے گئے۔ سیدنا
امام حسن رضؓ، سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضؓ۔ سیدنا زین العابدین رضؓ
سیدنا امام باقر رضؓ و حضرت عثمان غنی رضؓ کے مزارات کی زیارت کی، اس
کے بعد آپ بغداد تشریف لائے اور حضرت غوث الاعظم کے روضۂ
اقدس پر ایک سال مصروف عبادت رہے۔ حضرت امام اعظم کے مزار
کی بھی زیارت کی۔ اور حضرت امام موسےٰ کاظم کے روضہ پر بھی حاضری
دی۔ یہاں سے آپ مشہد مقدس تشریف لائے۔ اسی دوران آپ کو
خوش خبری ملی کہ اپنے وطن ہندوستان چلے جاؤ۔ اور کوہستان پنج شیر
(علاقہ راولپنڈی) میں ایک بزرگ صاحب جلال و جمال آپ کے منتظر
ہیں۔

غار اصحاب کہف

آپ کو یہ بھی بشارت دی گئی کہ کوہستان میں صاحب جلال
و جمال بزرگ ایک غار میں موجود ہیں۔ یہ غار اصحاب کہف کی غار کی مانند
ہوگی۔ چنانچہ آپ غار میں پہنچے تو اس بزرگ سے ملاقات کی۔ آپ کو دیکھ
کر اس بزرگ نے فرمایا کہ میں تمہارا منتظر تھا۔ اس بزرگ نے آپ کو سینہ
سے لگایا اور اجازت دی کہ حضرت شاہ ابوالمعالی کے صاحب زادے

حضرت محمد مقیم کے خلیفہ حضرت شاہ لطیف بری کی خدمت میں حاضری دد۔

حضرت شاہ لطیف سے بیعت

بزرگ سے اجازت لے کر آپ حضرت شاہ لطیف بری کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان کی اجازت سے شریکِ مجلس ہو گئے۔ کچھ عرصہ قیام کیا تو مرشد نے آپ سے فرمایا کہ حُسین نامی لڑکا لاہور میں زیرِ تعلیم ہے، اس کی دست گیری کرو۔ مرشد نے آپ کو خلافتِ قادریہ عطا فرمائی اور لاہور روانہ کر دیا۔

لاہور میں آمد

آپ ہجری ۹۵۵ھ میں لاہور وارد ہوئے۔ ٹکسالی دروازے کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ جس میں حافظ ابوبکر صاحب بچوں کو پڑھا رہے تھے۔ آپ مسجد میں تشریف لائے تو حافظ ابوبکر نے آپ کا استقبال کیا، آپ انھیں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ایک دس سالہ خوب صورت بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کا نام کیا ہے؟ تو جواب ملا کہ حُسین! اور ساتواں پارہ حفظ کر چکا ہے۔ آٹھواں شروع ہے۔ آپ نے حافظ ابوبکر سے فرمایا کہ حُسین سے کہو دریا سے پانی بھر لائے، تاکہ میں وضو کروں، جب حسین پانی بھر کر لائے تو آپ نے وضو کیا اور باقی حسین کو پلا دیا۔ آپ نے نماز پڑھی، نماز کے بعد آپ نے حافظ ابوبکر سے فرمایا

آج رمضان کا چاند طلوع ہونے والا ہے۔ اِس مسجد میں نمازِ تراویح کون پڑھاتا ہے؟ تو حافظ ابوبکر نے اپنا نام لیا، اِس پر آپ نے فرمایا کہ نہیں حُسین پڑھائے گا۔

چنانچہ چھٹی شب کو جبکہ حُسین حفظ شدہ پہلے سات پارے سُنا چکا تو دوسرے دن حافظ ابوبکر نے عرض کیا کہ اب حسین کے بعد کس کے بارے میں آپ کا حکم ہے؟ تو آپ نے حُسین کو طلب کیا اور فرمایا بیٹے! اب تک تم نے پڑھا ہوا سبق سُنایا ہے، مگر آئندہ ... اَن پڑھا حصہ سُناؤ گے۔ حسین یہ بات سُن کر حیران ہوا، لیکن مرشد کے سامنے بولنے کی مجال نہ تھی۔ جب نمازِ تراویح کا آغاز ہوا تو حسین نے آٹھواں پارہ جو حفظ نہیں کیا تھا سُنانا شروع کیا اور اس طرح تمام قرآن مجید سنایا، آپ سامع ہوتے تھے اور حسین قرآن سناتے تھے۔

شاہ حُسین

آپ نے ختم القرآن کے موقع پر خود شاہ حُسین کے سر پر دستار باندھی، سلسلہ قادریہ میں بیعت فرمایا اور فرمایا کہ میں اب ... وطن جا رہا ہوں میرے بعد حضرت داتا گنج بخش کے ہاں حاضری کو لازمی قرار دینا تاکہ باقی منزلیں طے کر سکو۔ چنانچہ آپ واپس جھنگ تشریف لائے اور آپ کے فیض سے حسین شاہ حسین ہوئے۔ اور بعد میں مادھو لال حسین شاہ بنے۔ آپ کا

مزار شالامار باغ لاہور میں موجود ہے جہاں ہر سال مارچ کے مہینے میں میلہ چراغاں لگتا ہے۔ آپ راج پوت تھے، آپ کے جد رائے نکس مسلمان ہوئے تھے۔ اور ان کو شیخ الاسلام کا خطاب ملا تھا۔ آپ کے والد شیخ عثمان تھے۔ اور غربت کی وجہ سے پارچہ بافی کا کام کرتے تھے، مرشد کی نگاہ کرم نے آپ کو عروج و عظمت کی منزلوں سے روشناس کرایا۔

وطن کو واپسی

آپ وارد جھنگ ہوئے تو جذب کا عالم طاری ہو گیا۔ علاقہ گوجرانوالہ میں پنڈی بھٹیاں کے قریب قلعہ کنگراں میں ایک زمیندار ابدال احمد کی مزروعہ اراضی پر جھونپڑی ڈال لی اور ڈیرہ لگا لیا۔ آپ کسی بھی شخص کے آنے پر احتراماً کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ لیکن جب ابدال احمد آتا تو آپ احتراماً کھڑے ہو جاتے۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ آپ عارف باللہ نہیں ہیں کیونکہ آپ ابدال احمد کے آنے پر تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابدال احمد کی اراضی پر ڈیرہ لگایا ہوا ہے۔ اگر ابدال احمد کی تعظیم نہ کریں تو وہ ان کو اراضی سے بے دخل کر سکتا ہے۔ یہ بات مشہور ہوئی تو آپ نے فرمایا، میں ابدال احمد کا احترام نہیں کرتا، بلکہ اس کی پشت سے ایک لڑکا ہو گا جو اپنے عہد کا ولی کامل ہو گا، اس کا نام برخوردار ہو گا۔ اور وہ میرے ہونے والے پوتے برخوردار کا ہم عصر ہو گا، میں اس کے احترام

میں تعظیم کرتا ہوں، چنانچہ ابدال احمد کا پوتا حافظ برخوردار ہوا، جن کا مزار میاں لکھا کے نام سے موضع برخوردار علاقہ تھانہ بھوانہ میں موجود ہے،

اولاد

آپ کے دو لڑکے ہوئے۔ بڑے کا نام محمد علی رکھا اور چھوٹے کا ولی محمد، محمد علی کی شادی آپ نے حضرت شیخ محمد حسین گیسو دراز بندہ نواز خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی (مزار گلبرگہ علاقہ حیدر آباد دکن) کے خلیفہ مجاز حضرت حسن بخت کی صاحب زادی زینت بیگم سے کی، جس سے چار لڑکے ہوئے۔ ان میں بڑے لڑکے کا نام فتح محمد اور چھوٹے کا محمد الیاس مؤرخین نے تحریر کیا ہے۔

جدِ اعلیٰ حضرت سلطان فتح علی ٹیپو

حضرت شیخ بہلول قادری جدِ اعلیٰ حضرت سلطان فتح علی ٹیپو کے بڑے لڑکے شیخ محمد علی بن کی شادی حضرت حسن بخت کی صاحب زادی زینت بیگم سے ہوئی تھی حضرت شیخ محمد حسین گیسو دراز بندہ نواز کے ہمراہ گلبرگہ تشریف لے گئے، اور حیدر آباد میں ملازمت اختیار کر لی۔ شیخ محمد علی کے چار لڑکوں میں سے دو فتح محمد اور محمد الیاس حیدر آباد میں پیدا ہوئے اور اپنی والدہ کے ہمراہ اراکاٹ چلے گئے۔ فتح محمد نواب اراکاٹ کے ہاں ملازم ہو گئے۔ اراکاٹ میں قیام کے دوران آپ کو اللہ تعالیٰ نے اولادِ نرینہ سے سرفراز کیا۔

اور دو لڑکے شہباز خاں اور حیدر علی پیدا ہوئے، شہباز خاں بڑے تھے اور نواب برار کے ہاں ملازم ہو گئے۔ حیدر علی چھوٹے تھے وہ میسور کی فوج میں شامل ہو گئے۔ بعد میں یہی حیدر علی فاتح میسور کے نام سے تاریخ ہندوستان میں متعارف ہوئے۔

سلطان حیدر علی کی پہلی بیوی فالج کی وجہ سے فوت ہو گئی۔ تو دوسری شادی آپ نے نواب سعادت علی خاں والی ارکاٹ کی لڑکی فاطمہ عرف فخر النساء سے کی جس سے مجاہد اعظم حضرت سلطان فتح علی ٹیپو پیدا ہوئے۔

یہاں اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ نواب سعادت علی خاں حضرت نواب سعد اللہ خاں چنیوٹی کی مادینہ اولاد میں ساتویں پشت سے تھے اور اب تک میسور بلکہ حیدر آباد پر نواب سعد اللہ خاں کی مادینہ اولاد ہی حکمراں ہے۔ نواب میر عثمان علی خاں کی وفات کے بعد شہزادہ مکرم خاں جانشین ہوئے ہیں۔

حضرت بہلول کی وفات

یہ پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ عمر کے آخری دنوں میں آپ پر جذب و مستی کی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور اسی عالم میں آپ ہجری ۱۰۲۹ سنہ میں وفات پا گئے۔ آپ کا مزار جھنگڑ شاہ بہلول میں نزد پنڈی بھٹیاں موجود ہے۔ جہاں ماہ جون میں بھاری میلہ لگتا ہے، یہ علاقہ پہلے ضلع جھنگ کی حدود میں شامل تھا، اب ضلع گوجرانوالہ میں شامل ہے

حضرت سلطان پاکھرا

ولادت :- ۹۵۰ ہجری

وفات :- ۱۰۲۶ ہجری

مدفن :- قصبہ سلطان پاکھرا
تحصیل جھنگ

آپ کا اصل نام سید جہدی جمال الدین تھا ؛ اور عرف عام میں سلطان پاک را مشہور رہے جو بعد میں بگڑ کر پاکھرا ہو گیا۔ آپ سلسلۂ قادریہ کے مبلغ تھے ۔ اور آپ کا شجرۂ نسبی حضرت شاہ ابوالمعالی سے ملتا ہے ۔ آپ کے والد محترم حضرت میراں لال بہاول شیر قلندر جن کا حجرہ شاہ مقیم ضلع ساہیوال میں مزار ہے، کے اٹھارہ فرزند تھے ، جو مختلف علاقوں میں سکونت پذیر ہوئے ۔ آپ ہجری سنہ ۹۶۹ میں وارد جھنگ ہوئے موجودہ قصبہ سلطان پاکھرا آپ ہی کی وجہ سے آباد ہوا ۔

مقابلہ

جب آپ اس علاقہ میں تشریف لائے تو سید ساون بھاگری نامی ایک بزرگ رہائش پذیر تھے ، انھوں نے آپ کو رہائش کے لئے جگہ

دینے سے انکار کر دیا جس پر آپ نے فرمایا کہ میرے مرشد نے یہی جگہ میرے لئے مقرر کی ہے، چنانچہ دونوں کے درمیان تنازعہ ہوا اس وقت ماہنی سیال اس علاقہ پر حکومت کرتے تھے ان تک بات پہنچی، سیالوں نے فیصلہ کیا کہ جو کنوئیں پر چٹائی ڈال کر نماز پڑھے یہ جگہ اسی کی ہوگی۔ آپ نے فوراً کنوئیں پر چٹائی ڈال دی اور نماز شروع کر دی، یہ چٹائی ہوا میں معلق رہی۔ اس اظہار کرامت پر سید ساون بھاکری نے اعتراض کیا کہ یہ کرامت نہیں جادوگری ہے۔ لہذا فیصلہ ہوا کہ دونوں بزرگوں کا ایک ایک خلیفہ اس کنوئیں میں داخل ہو کر ونالا کنوئیں سے نکلے، جو خاصا دور تھا۔ چنانچہ سلطان صاحب کا ایک خلیفہ مرشد کے حکم پر کنوئیں میں کود گیا۔ اور ونالا کے کنوئیں سے نکلا۔ مگر ساون بھاکری کا خلیفہ کنوئیں میں ڈوب گیا۔ اس سے یہ تمام علاقہ ماہنی سیالوں نے آپ کو تفویض کر دیا۔

آپ کے خلیفہ خاص سید اکرم شاہ جو ربوعہ کے رہنے والے تھے جنہوں نے مرشد کے کہنے پر کنوئیں میں چھلانگ لگائی تھی آپ کی زندگی میں ہی فوت ہوئے، اور اسی جگہ دفن ہوئے۔ سید ساون بھاکری بھی آپ کے مزار سے تھوڑے فاصلہ پر مدفون ہیں۔

حضرت شاہ جیونہ سے ملاقات

آپ کے زمانہ حیات میں حضرت شاہ جیونہ حضرت شیخ علی سینال

شیخ کبیر بیکو کارہ شیخ چوہڑ بزرگ موجود تھے ۔ اور ان کے درمیان مراسم دوستی موجود تھی، جب آپ جھنگ تشریف لائے ۔ حضرت شاہ جیونہ کو اطلاع ہوئی تو آپ ان سے ملاقات کرنے کے لئے چلے ، راستہ میں کھیوہ کے قریب حضرت شاہ جیونہ نے قیام کیا اور خشک لکڑی کے ٹکڑے اردگرد زمین میں کھڑے کرا دئے ۔ جو دوسرے دن درختوں کی مانند ہوگئے ۔ اور اس جگہ باغ سا بن گیا ۔ یہ علاقہ اب بھی شاہ جیونہ باغ کے نام سے مشہور ہے ۔ حضرت شاہ جیونہ دوسرے روز یہاں سے چل کر سلطان صاحب سے ملاقات کرنے ان کے علاقہ میں آئے سلطان صاحب نے ایک میل باہر آکر آپ کا استقبال کیا ۔ دونوں بزرگوں کی پہلی ملاقات ہی خوش گوار مراسم کا باعث ہوئی ۔ حضرت شاہ جیونہ نے اپنا ایک صاحب زادہ آپ کی خدمت میں پیش کیا ۔ جو سلطان صاحب کا خاص اور قابلِ اعتماد مصاحب بنا ۔

سلسلۂ ارادت

یہاں کے مختلف بڑے خاندان جن میں سپرا ، خانوانے ، دولتانے تارڑ وغیرہ شامل ہیں آپ کے مرید ہوئے اور آپ کی شہرت و بزرگی دور تک پھیل گئی ، آپ نے کوئی شادی نہیں کی ۔ اور نہ ہی آپ کی اولاد تھی البتہ آپ نے جن خدام کو خلافت عطا کی اُن میں میاں خوش حال نامی ایک بزرگ بھی تھے جو آپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور

بعد میں میاں خوش حال کی اولاد ہی مسندِ سجادگی پر فائز ہوتی رہی، اس وقت میاں شیر محمد آپ کے سجادہ نشین ہیں۔

آپ کی وفات ۱۰۲۶ھ میں ہوئی، اس وقت مغل تاج دار جہاں گیر حکمراں تھا۔ آپ اسی جگہ مدفون ہوئے۔ جہاں مزار پختہ موجود ہے۔ آپ کا سالانہ عرس ۲۷ بھادوں کو منایا جاتا ہے اور دور و نزدیک کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔

بابا پھُولا

مدفن :- قدیمی قبرستان جھنگ صدر

بابا پھُولا مجذوب و مست فقیر تھے۔ آپ درگاہِ عالیہ حضرت بوعلی شاہ قلندر کی جاروب کشی کی سعادت رکھتے تھے، اوائلِ زندگی کے قریباً تیس ۳۰ سال اسی درگاہ پر گزارے۔ جذب و مستی کے عالم میں آپ عموماً ایسی باتیں کرتے جو بعد میں حرف بہ حرف پوری ہوتی تھیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد ایک مہاجر قافلے کے ساتھ جھنگ آئے، اور ۱۹۵۷ء میں یہاں وفات پائی، آپ کے بارے میں مشہور تھا کہ اکثر نگاہوں سے اوجھل ہو کر ایک شہر سے دوسرے شہر چلے جاتے تھے۔ لیکن حقیقتاً آپ اپنے ہی شہر میں ہوتے تھے، زندگی کے آخری دنوں میں ہسپتال کے کسی ڈاکٹر نے آپ کا خون نکال لیا تھا، جس کے بعد آپ لاغر ہو گئے۔ اور اِسی عالم میں وفات پائی۔ آپ جسمانی طور پر بہت فربہ تھے، اِسی لئے پھُولا کے نام سے مشہور ہوئے۔

سُلطان تاج الدّین سُوریؒ

وفات :۔ ۱۰۰۷ ہجری
مدفن :۔ بھڑ شورکوٹ شہر

سلطان تاج الدین سوری مشہور حکمران شیر شاہ سوری کے چچا زاد بھائی تھے، اپنے عہد کے مشہور صوفی اور بلند پایہ عالم تھے۔ تاریخ و سیر کی کتب سے اِن کے بارے میں مختصر معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ شورکوٹ شہر کے مشہور تاریخی قلعہ کو جو چندر گپت کے عہد میں تعمیر ہوا تھا اور سکندر اعظم کے حملہ کے بعد خدائی عذاب کے باعث زلزلہ کا شکار ہوگیا تھا، دوبارہ آباد کرنے کی کسی بھی حکمران کو جرأت نہ ہوئی تھی، جب شیر شاہ سُوری نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو اُس نے شورکوٹ کے برباد شدہ علاقوں کا بھی جائزہ لیا، پہلی بار اس کے عہد میں برباد شدہ شہر و قلعہ کو جسے اب عرفِ عام میں بھڑ کہا جاتا ہے کی کھدائی شروع ہوئی، اور شہر بسانے کی کوشش کی گئی لیکن کئی سال کی جدوجہد کے باوجود بھڑ کی کھدائی کا منصوبہ کامیاب نہ ہوسکا بالآخر شیر شاہ نے بھڑ کے قریب نچلے حصے میں نئے سرے سے شہر کی بنیاد رکھی، موجودہ شہر شیر شاہ سوری کے عہد کا تعمیر شدہ ہے۔ شہر کے تین

اطراف فصیل اور محرابیں تھیں جن میں بعض محرابوں کے نشان ہنوز موجود ہیں
اس نے شہر کی تعمیر اپنے عم زاد بھائی تاج سُوری کے سپرد کی۔ اور اس علاقے
کا انھیں حاکم مقرر کر دیا۔ آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بھڑ پر کھڑے
ہو کر اذانیں دیا کرتے تھے۔ اصل میں آپ اہلِ ہنود اور مشرکوں کو دعوتِ حق
دیتے، اللہ کے عذاب سے ڈراتے، اور عذاب کے آثار دکھا کر کلمہ توحید
کی ترغیب دیتے تھے۔

سلطان تاج سُوری سلسلۂ سہروردیہ کے درویش تھے، آپ کا
انتقال ۱۰۰۰ھ ہجری میں ہوا اور مزار بھڑ کی بلندی پر آپ کی وصیت کے مطابق
تعمیر ہوا۔ یہ بھڑ شورکوٹ شہر میں داخل ہوتے ہی غربی جانب واقع ہے،
اور بلندی و پھیلاؤ میں کافی وسیع ہے۔ عام لوگ بھڑ کی چوٹی تک نہیں
پہنچ سکتے، لیکن مقامی بہ آسانی آتے جاتے ہیں۔ بھڑ پر مکانات بھی موجود
ہیں، اور یہ بھڑ ضلع جھنگ میں آثارِ قدیمہ کا عجوبۂ روزگار حصہ ہے۔

مخدوم تاج الدین اٹھارہ ہزاری

ولادت :- ۹۴۵ عیسوی

وفات :- ۱۰۱۰ عیسوی

مدفن :- اٹھارہ ہزاری

حضرت مخدوم تاج الدین المعروف اٹھارہ ہزاری افغانستان کے علاقہ غزنی کے رہنے والے تھے، آپ اپنے وقت کے زاہد و عابد، متقی صالح اور خدا پرست بزرگ تھے، آپ کے مرشد غزنی کے ہی ایک ولی اللہ تھے، انہی سے فیض حاصل کیا، تذکرہ نگاروں نے مرشد کا نام نہیں لکھا۔ آپ متشرع بزرگ تھے، ہمیشہ عبادت و ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا تو آپ اس کی فوج میں اعلےٰ عہدے دار تھے، اور فوج کی کمان کرتے ہوئے صوبہ ملتان تشریف لائے تھے، اس وقت ملتان کا صوبہ سندھ، بھاول پور اور شاہ پور تک وسیع تھا آپ دریائے چناب کے کنارے فوج لے کر تریموں کے مقام پر پہنچے، جہاں اس وقت تین دریا ملتے تھے، اور یہ جگہ قدرتی مناظر کے لحاظ سے بے حد خوب صورت تھی۔ چنانچہ یہیں دریائے جہلم کے کنارے آپ نے اپنا

کیمپ لگایا۔جب سلطان محمود نے آخری بار بھرپور حملہ کیا تو اس وقت بھی آپ فوج لے کر اسی مقام پر تشریف لائے۔ یہاں مرض الموت نے حملہ کیا، اور آپ کا انتقال ہوگیا۔

وصیت کے مطابق فوج نے آپ کو اسی پُرفضا مقام پر دفن کیا اور ساری فوج نمازِ جنازہ میں شامل ہوئی۔جب سلطان محمود کو ان کی وفات کی خبر ملی تو اس نے سخت غم و افسوس کا اظہار کیا۔اور ان کی قبر پر پختہ مزار تعمیر کرانے کا حکم دیا۔بعض روایات کے مطابق سلطان محمود غزنوی کے بیٹے مسعود غزنوی نے ہندوستان میں سب سے پہلے جو عمارت تعمیر کروائی وہ مخدوم تاج الدین کا مزار تھا، یہ مزار بعد میں شدید سیلابوں کے باعث گر گیا، پھر دریا نے رُخ بدلنا شروع کر دیا پہلے ان کا مزار دریا کے مشرقی کنارے پر تھا، رُخ بدلنے کے بعد مزار مغربی کنارہ پر آگیا۔عقیدت مندوں نے دوبارہ تعمیر کیا۔ان کے بارے میں بے شمار کرامات زبان زد خاص و عام ہیں۔ان کے دست حق پرست پر متعدد غیر مسلم اقوام مشرف بہ اسلام ہوئیں۔مشہور ہے کہ آپ کے مزار کے اردگرد بیس بیس میل تک چوری چکاری کی وارداتیں نہیں ہوتی تھیں۔چور اس حد میں داخل ہو کر اندھے ہو جاتے تھے۔ان کے عقیدت مند سندھ، سرحد اور افغانستان تک پھیلے ہوئے ہیں۔

۱۹۳۶ء میں جب تریمو ہیڈ ورکس زیر تعمیر تھا آپ کا ایک عقیدت مند

یہاں لاہور اور سیر تعینات ہوا، یہ شخص گر کر ایسا شدید زخمی ہو گیا کہ ڈاکٹروں نے علاج سے ہاتھ اُٹھا لیا، اِس کے ورثاء نے اسے آپ کے مزار کے احاطہ میں پہنچا دیا، اور خود مسجد میں مصروف دعا ہو گئے۔ کچھ وقت کے بعد یہ زخمی شخص خود اُٹھ بیٹھا اور اپنے ورثاء کو مسجد سے بلا لایا کہ اب میں رو بصحت ہوں، یہ واقعہ ہزاروں افراد نے بچشم خود دیکھا،

جس زمانہ میں آپ یہاں تشریف لائے اس عہد سے قبل ضلع جھنگ میں حضرت پیر عبدالرحمٰن مکی قریشی کا مزار موجود تھا، تذکرہ نگاروں نے آپ کے سلسلۂ طریقت، خلفاء اور سجادہ نشینوں کا ذکر نہیں کیا۔ تاہم اِن کے سجادہ نشین تسلیم ہوتے رہے ہیں۔ اور اس وقت مخدوم ظہور احمد سجادہ نشین ہیں۔ اِن کے مزار کی وجہ سے یہاں گاؤں آباد ہو گیا، اور یہ علاقہ ۱۸ ہزاری کے نام سے مشہور ہوا۔ بعض روایات کے مطابق آپ کو ۱۸ ہزاری اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ نے ۱۸ ہزار نفل ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر دریا کے کنارے ادا کئے تھے، ممکن ہے یہ روایت درست ہو، لیکن تاریخی واقعات کے لحاظ سے صحیح روایت تو یہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے آپ کو ۱۸ ہزاری کے منصب پر فائز کیا تھا، آپ کا عرس ماہ چیت کے تیسرے جمعہ کو منایا جاتا ہے۔

مائی ترکؒ صاحبہ

مدفن :- قدیمی قبرستان جھنگ صدر

حضرت مائی صاحبہ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کوئی مستند معلومات دست یاب نہیں ہوئیں۔ مختلف کتب، بزرگوں کے شجرہ نسب اور زبانی روایات آپ کے معاملہ میں خاموش ہیں۔ صرف اسی قدر معلوم ہو سکا ہے کہ آپ ترکی النسل تھیں اور عارف باللہ تھیں، آپ کا اصل نام بھی لوگوں کو یاد نہ رہ سکا، اور نہ ہی سرکاری کاغذات میں اصل نام کے بارے میں کوئی وضاحت ہے، البتہ آپ کو مائی ترک صاحبہ کہا جاتا تھا، اور اسی نام سے اب تک مشہور ہیں۔

آپ کا انتقال اب سے قریباً ڈیڑھ سو سال قبل ہوا۔ حسنانہ قوم کے افراد آپ کے معتقد تھے اور آپ کی وفات پر اس قوم نے اپنی اراضی میں آپ کو دفن کیا، بعد میں آپ کے مزار کے چاروں طرف وسیع قبرستان بن گیا، جو جھنگ صدر کا قدیمی قبرستان ہے۔

حافظ جمال محمد نقش بندی مجددی

ولادت : ۱۳۲۲ ہجری

وفات : ۱۳۷۴ ہجری

مدفن : جھنگ صدر

حضرت حافظ جمال محمد کا شجرہ نسبی حضرت شیر شاہ جلال سرخ بخاری کے توسط سے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے ملتا ہے اور روحانی شجرہ ۳۴ ، واسطوں سے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہوجاتا ہے۔ آپ کی ولادت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں قصبہ سنبھالکہ تحصیل پانی پت ضلع کرنال میں ہوئی جہاں آپ کے والد حضرت عبداللہ شاہ بخاری مقیم تھے آپ کی ولادت سے قبل ایک مجذوب درویش حضرت خیرالدین نے اعلان کیا تھا کہ آج اِس قصبہ میں ایک ولی اللہ کی ولادت ہوگی ۔ جو اپنے عہد کا عظیم انسان ہوگا چنانچہ آپ کی ولادت کے بعد رسم کے مطابق گھر میں شیرینی تقسیم کی گئی ۔ جب آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو والد صاحب نے حافظ عبدالکریم صاحب کے درس میں داخل کرا دیا ، آپ نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا ، اور حدیث کی تعلیم حاصل کی ۔

ایک دن آپ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ فضا میں ہوائی جہاز چلنے کی گونج سنائی دی، بچوں نے آپ سے کہا کہ ہم نے اب تک ہوائی جہاز نہیں دیکھا، تمہاری کرامت ہم تب مانیں گے کہ یہی جہاز زمین پر اُتر آئے، حافظ صاحب نے آسمان کی طرف دیکھا، خدا جانے کیا ہوا کہ وہی جہاز اچانک تیزی کے ساتھ نیچی پرواز کرتے ہوئے مسجد کے مینار دں تک پہنچ گیا، جہاز کی گڑگڑاہٹ سن کر آپ کے والد صاحب باہر آئے تو حافظ صاحب سے کہا" جمال، یہ کمال کا موقع نہیں۔ اللہ کے دوست دوسروں پر اپنا کمال یوں ظاہر نہیں کیا کرتے۔

چنانچہ آپ کے والد سخت ناراض ہوئے، اور آپ کو کچھ عرصہ کے لئے حیدر آباد دکن بھیج دیا، جہاں آپ نے شریعت و طریقت کے باقی مراحل طے کئے۔ حیدر آباد، مدراس اور بمبئی کے علاقوں میں آپ کی شہرت و عقیدت دور دور تک پھیل گئی، ہزاروں تشنگانِ علم و عرفان کو آپ نے فیض یاب کیا،

قریباً بارہ سال کے بعد آپ وطن میں تشریف لائے۔ ۱۹۲۰ء میں ۶ رجمادی الثانی کو آپ کے والد محترم کا انتقال ہوا تو آپ اُن کے جانشین مقرر ہوئے۔ حضرت حافظ صاحب اُردو، فارسی اور عربی شاعری کا بھی پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ عام طور پر قرآن مجید کی آیات

و احادیثِ نبویہ کا منظم بیں ترجمہ کرنے، آپ کی علمی مجلس میں راقم الحروف کو بھی تین سال تک بیٹھنے کا موقعہ ملا۔ آپ حد درجہ حلیم وضع دار، متوکل اور صاحب عجز و انکسار تھے۔ قیامِ پاکستان سے پندرہ سال قبل ۱۹۳۳ء میں آپ نے ہندوستان کی تقسیم کا اعلان کر دیا تھا اور پاکستانی علاقوں کی حدود بھی متعین کی تھیں۔ آپ سے سینکڑوں خوارقِ عادت واقعات منسوب ہیں۔

قیامِ پاکستان کے موقع پر مہاجرین کے ایک قافلہ میں آپ بھی شامل تھے۔ قافلہ کے لوگوں نے کہا کہ "جمنا سخت طغیانی پر ہے، اسے پار کرنا مشکل ہے۔"

آپ نے فرمایا "سب لوگ پیدل جمنا پار کر لیں کسی کی ناف سے اوپر پانی نہیں آئے گا۔"

چنانچہ تمام قافلہ جس میں عورتیں، بچے، بوڑھے سب شامل تھے جمنا پار کر گئے۔ آپ قافلہ کے ہمراہ کاندھلہ کے راستے پاکستان وارد ہوئے پہلے سیدو شریف گجرات میں مولانا محمد صدیق کے ہاں قیام فرمایا، پھر قادر آباد تشریف لے گئے، یہاں گلہٹی میں چند ماہ مقیم رہے پھر بعض عقیدت مند گوجرانوالہ لے گئے۔ یہاں سے آپ جہلم چلے گئے اور باغ محلہ میں رہائش پذیر ہوئے، یہاں آپ نے لبِ دریا ایک

عالی شان مسجد تعمیر کروائی ۱۹۵۲ء میں پانی پت کے مہاجرین جو جھنگ میں آباد ہو گئے تھے آپ کو جھنگ لے آئے۔ آپ نے جھنگ روڈ پر ایک مختصر کوٹھی میں سکونت اختیار کی،

آپ کے والد کا عرس ہر سال ۶ جمادی الثانی کو منایا جاتا تھا، ۱۹۵۴ء میں آپ نے عرس کی تاریخ تبدیل کر کے ۱۱ جمادی الثانی مقرر کر دی، جب عقیدت مندوں نے اس تبدیلی کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ "میں پسند نہیں کرتا کہ میرے خاندان سے عقیدت رکھنے والوں کو سفر کی بار بار زحمت اٹھانی پڑے۔" اس وقت یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ البتہ جب ۱۱ جمادی الثانی ۱۴۰۴ھ کو آپ نے رختِ سفر باندھا تو عقیدت مند عرس کی تبدیلی کی وجہ جان گئے۔

جس کوٹھی میں آپ کا قیام تھا اس کے صحن کو آپ نے مسجد میں تبدیل کر دیا اور اس سے ملحق چھوٹا سا ٹکڑا اراضی علیحدہ کر دیا تھا لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا "یہ قبر کے لئے ہے۔" چنانچہ آپ اس جگہ دفن ہوئے، اور اب یہاں پختہ کمرہ تعمیر ہے جس کے اندر آپ کا مزار ہے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے صاحبزادہ محتشم الدین جانشین مقرر ہوئے۔

مخدوم جلیل الدین قریشی

وفات :- ۸۹۸ ہجری

مدفن :- چنیوٹ شہر

مخدوم جلیل الدین قریشی حضرت مخدوم کمال الدین کے سب سے بڑے بھائی تھے، اور عابد، زاہد اور عالم تھے۔ آپ نے محلہ دھرکھاناں میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا، صاحب کرامت بزرگ تھے، اور اپنے ہم عصر حضرت شاہ اسمٰعیل بخاری سے خوب نوک جھونک رکھتے تھے۔

آپ کا مزار کارخانہ مولابخش مقبول احمد گوتر کے احاطہ میں واقع ہے۔ چنیوٹ کے قدیمی باشندوں میں ان چاروں بھائیوں کے بارے میں عقیدت و احترام کے جذبات موجزن ہیں۔

حضرت جمیل الدّین قریشی

وفات :- ۱۰۱۷ ہجری

مدفن :- چنیوٹ شہر

آپ کا سلسلۂ نسب قریش سے وابستہ ہے۔ اور آپ بھی اپنے دونوں بڑے بھائیوں حضرت مخدوم کمال الدین اور پیر محمد داؤد کی طرح محبوب شاہ مقیم منٹگمری کے فیض یافتہ تھے۔ آپ اپنے بھائی کے حکم پر تبلیغ کے لئے حویلی بہادر شاہ سے چنیوٹ وارد ہوئے اور محلہ دھر کھانا میں قیام فرمایا۔

آپ نے بھی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اپنے ڈیرہ کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائی اور کنواں بنوایا۔ کنواں تو ختم ہو چکا ہے البتہ پرانی مسجد کی جگہ نئی مسجد تعمیر کی جا چکی ہے جسے اب مسجد آزاد کے نام سے معنون کیا جاتا ہے۔ آج کل مولوی طالب غفار صاحب مسجد کے خطیب و متولی ہیں۔

حضرت سیدِ چراغ شاہ

ولادت :۔ ۱۲۸۱ ہجری

وفات :۔ ۱۳۳۶ ہجری

مدفن :۔ قصبہ پیر محل

حضرت سید چراغ علی، سید علی شیر میرک سیال کے فرزند اور سلطان باھو والی کے پڑپوتے اور سید پیر قطب علی شاہ قطب زماں آستانہ عالیہ سندھلیانوالی پیر محل ضلع لائل پور کے مرشد تھے، آپ سادات باہرہ کے چشم و چراغ اور پیدائشی ولی تھے۔ علوم باطنی پر دسترس خدا کی طرف سے عطیہ تھا۔

شرعی علوم اپنے والد سے حاصل کئے۔ ہمیشہ جذب و مستی میں رہتے۔ نہایت متوکل اور متحمل بزرگ تھے، کبھی کسی کے حق میں بد دعا نہ کی، کسی پر خفگی یا ناراضی کا اظہار نہ کیا، عموماً یادِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ آپ سے ہزاروں کرامات ظاہر ہوئیں اور کئی قبیلوں کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔

ابتدائی سالوں میں اپنے والد سید علی شیر کے مزار پر فروکش رہے جب حضرت پیر سیّد قطب علی شاہ آپ کے مرید ہوئے تو آپ ان کی خواہش قصبہ پیر محل چلے گئے۔ حضرت سید قطب علی شاہ قطب زماں نے آپ کے

یہاں ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا، پہلے اِس علاقے کا نام اروتی تھا، سید چراغ شاہ کے قیام کے بعد اسے پیر محل کا نام ملا۔ ضلع منٹگمری، لائل پور، ملتان اور ضلع لاہور کے بہت سے خاندان آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں۔ آپ کا انتقال ۱۳۳۶ھ میں ہوا اور آپ کا جسد خاکی اسی محل میں دفن کیا گیا۔ یہ محل اب ان کے مزار کی وجہ سے مرجع خلائق ہے۔ اور یہاں بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔

مائی چھلیانوالی

ولادت :- ۱۲۹۶ھ

وفات :- ۱۳۷۷ھ

مدفن :- محلہ حسانہ جھنگ صدر

حضرت مائی صاحبہ کے ابتدائی حالات ، نام و نسب اور سلسلہ بیعت کے بارے میں معلومات نہیں مل سکیں - آپ ۱۹۱۷ء کے لگ بھگ جھنگ میں وارد ہوئیں اور کڑہ بیروالا میں سکونت اختیار کی ، آپ عموماً دونوں ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں لوہے یا دیگر دھاتوں کے چھلے پہنے رہتی تھیں ، اور حقہ کی بھی شوقین تھیں آپ کا اصل وطن سیال کوٹ تھا . جھنگ میں عموماً مختلف مزاروں پر حاضری دیتیں ، اور خلوت کو پسند کرتی تھیں ، چھوٹے بچوں سے محبت کرتیں ، عموماً بچوں کو گود میں لئے رکھتیں . بعض اوقات بچوں کو لے کر شہر سے دور جنگلوں میں مزاروں پر چلی جاتیں ، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ دو سال کے ایک بچے کو اٹھا کر لے گئیں ، اور مغرب تک واپس نہ آئیں . اس لڑکے کے باپ کو لوگوں نے شبہ میں ڈال دیا ، کہ مائی صاحبہ ولی اللہ نہیں

ہیں بلکہ خطرناک عورت معلوم ہوتی ہیں، تم اپنے بچے کو تلاش کرو اور آئندہ مائی صاحبہ کو گھر میں نہ آنے دیا کرو، اس لڑکے کا باپ شہر کے اردگرد مائی صاحبہ کی تلاش کرتا رہا، لیکن مایوس ہو کر گھر واپس آگیا۔ جب گھر پہنچا تو مائی صاحبہ گھر واپس آچکی تھیں۔

آپ نے فرمایا "تم نے میرے بارے میں شبہ کیا، حالانکہ جہاں جہاں تم گئے میں تمہیں دیکھتی رہی" مائی صاحبہ نے اس شخص کو من و عن تمام واقعات سنا دیے،

مائی صاحبہ پیر فتح شاہ سے بھی روحانی اُنس رکھتی تھیں۔ ۱۹۱۵ء میں جب شاہ صاحب نے وفات پائی تو آپ کو دلی رنج ہوا۔ آپ عموماً ان کے مزار پر حاضری دیتی رہتیں۔ مابعد شہر سے سکونت ترک کر کے محلہ جنانہ میں اپنے ایک ارادت مند کے ہاں چلی گئیں، وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ اور اسی جگہ آپ کا مزار موجود ہے۔ جہاں ہر سال ۱۱ ہاڑھ کو عرس منایا جاتا ہے۔

حضرت میاں چنوں

ولادت :- نامعلوم

وفات :- ۶۴۵ ہجری

مدفن :- قصبہ میاں چنوں

خدائے ذوالجلال جب کسی کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے تو ظاہری نیکیوں کی پرسش نہیں ہوتی، ایسے اصحاب بھی خدا کے دامنِ رحمت میں جگہ پاتے ہیں جن کی عمروں کا ایک حصہ گناہوں میں بسر ہوتا ہے۔

ساتویں صدی ہجری کی پہلی چوتھائی میں میاں چنوں جو اس وقت صرف چنوں بلوچ تھے، اپنے ہم عمر دوستوں کے ہمراہ علاقہ بھر میں چوریاں کرتے تھے، وہ جس معاشرے کے فرد تھے اس کا دستور بن چکا تھا کہ جب تک کوئی نوجوان چوری نہ کرتا اس کے سر پر بزرگ پگڑی نہ باندھتے۔ گویا چور کو عزت دار سمجھا جاتا تھا، اور اِس معاشرہ میں چور کی قدرومنزلت تھی۔ حضرت میاں چنوں علاقہ جھنگ کے رہنے والے تھے، لیکن اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ نقلِ مکانی کر کے ملتان میں جا کر رہائش پذیر ہوئے، جہاں اب قصبہ میاں چنوں آباد ہے، اب سے تقریباً آٹھ سو سال قبل غیاث الدین بلبن کے عہد میں یہاں

ایک گاؤں آباد تھا، یہ علاقہ بڑا زرخیز تھا، اور یہ میں سونا اگلتی تھی، علاقہ کی زرخیزی کے باعث اس وقت کی مشہور قومیں سہود، ہیراج، سینال، پانده گکھ، لک، سیال، کھوکر، کھگہ وغیرہ یہاں آباد تھیں، ان کے پاس بے شمار مویشی تھے، چنانچہ اِن قوموں کی خوش حالی کا تذکرہ سُن کر میاں چنوں اپنے ایک دوست مجید جنجوعہ کے ہمراہ یہاں آکر بس گئے یہ دونوں دوست خوب صورت جوان تھے، اور چوری کے فن میں یکتائے روزگار۔ بعض قبیلے اپنے عناد و انتقام کے لئے اِن کی خدمات حاصل کرتے تھے، اور یہ دونوں سارے علاقے پر ایک قسم کی حکومت کرتے تھے۔

ابتدائی حالات

تذکرہ نگاروں نے ان کے ابتدائی حالات کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، صرف اتنا معلوم ہے کہ حضرت میاں چنوںؒ اپنے وقت کے جواں ہمت اور بے باک چور تھے اور علاقہ جھنگ سے ملتان گئے تھے، میاں مجید جنجوعہ بھی اِن کے گہرے دوست، ہم سفر اور ہم مشرب تھے، دونوں مل کر شکار تلاش کرتے اور شکار مارتے تھے۔ قدرت کی نیرنگی دیکھیے کہ جب ان کو بصیرت نصیب ہوئی تو ان کی کایا پلٹ گئی۔ چنوں چور حضرت میاں چنوںؒ بن گئے، اور قیامت تک کے لئے نام ور ہو گئے۔

عشق الٰہی

ایک دفعہ میاں عبید اور میاں چنوں جنگل سے گزر رہے تھے کہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا غوث بہاؤ الحق قریشی ملتانی اپنے دو دیگر ساتھیوں کے ہمراہ حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رح کی خدمت میں حاضری کے بعد اس علاقے میں تشریف لائے، جنگل میں حضرت میاں چنوں اور میاں مجید ان سے ملے، شیخ بہاؤالدین علیہ الرحمۃ نے ان دونوں سے فرمایا کہ پانی کی ضرورت ہے، چنانچہ انھوں نے مہماں نوازی اور مسافر کی تواضع کے جذبہ کے تحت پانی کی تلاش شروع کر دی۔ دونوں کافی دور نکل گئے، اور پانی کا مشکیزہ لے کر لوٹے، حضرت غوث بہاؤ الحق صاحب جا چکے تھے، ان کو دلی صدمہ پہنچا، چنانچہ دونوں ان کے قدموں کے نشانات پر ان کے تعاقب میں چل پڑے۔ پانچ میل کی مسافت طے کر کے انھوں نے حضرت غوث بہاؤ الحق کو ایک ویران ٹیلے پر بیٹھے دیکھا۔ ان کے قریب پانی کا چشمہ جاری تھا، حضرت غوث بہاؤ الحق نے پیاس کی شدت کے باعث اللہ تعالیٰ سے پانی مانگا، ان کو حکم ملا کہ زمین پر پاؤں مارو۔ انھوں نے زمین پر پاؤں مارا تو چشمہ پھوٹ پڑا۔ اسی دن سے چشمہ جاری ہے۔ اب اس جگہ کنواں بن گیا ہے۔ لیکن علاقہ کی شادابی اس بات کی غماز ہے کہ اسی چشمہ کے باعث ویران علاقہ شاداب ہوا۔

حضرت میاں چنوں اور میاں مجید نے یہ واقعہ دیکھا تو دونوں

نے گناہوں سے توبہ کرلی اور حضرت شیخ بہاؤالحق صاحب کے قدم بوس ہوگئے حضرت نے دونوں کو اٹھاکر گلے لگالیا، اور خدائے ذوالجلال کی بارگاہ میں دُعا کی کہ یہ دونوں اپنے گناہوں سے تائب ہوگئے، اِن کی رہنمائی فرما۔

حضرت غوث بہاؤالحق نے ہی ان کو میاں چنوں اور میاں مجید کا نام عطا کیا۔ اور اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کرکے تبلیغِ دین کا کام ان کے سپرد کیا۔

حضرت میاں چنوں صاحب نے علاقہ بھر میں علم و عمل کی دولت بکھیری، چور اور مجرم ذہنیت کے لوگوں کو نیکی کا راستہ دکھایا، اور خود عشقِ الٰہی میں ایسے محو ہوئے کہ دنیا بھول گئے۔ اور صرف خدا کے ہوکر رہ گئے

وفات

درجوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبریست کے مصداق حضرت میاں چنوں عین شباب میں گناہوں سے تائب ہوئے، اور پھر باقی تمام زندگی عشقِ الٰہی میں گذاردی، تذکرہ نویسوں نے ان کی شادی اور اولاد کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں دی۔ بعض کتب میں اِن کا سالِ وفات ۶۴۵ھ تحریر ہے۔ مزار مبارک قصبہ میاں چنوں میں موجود ہے، یہاں ہر سال ۹، ۱۰، ۱۱ ساون کو ان کا عرس منایا جاتا ہے۔ اور بڑا بھاری میلہ لگتا ہے،

شیخ جوہر المعروف شیخ چوہڑ

وفات:۔ ۱۰۰۴ ہجری

مدفن:۔ قصبہ شیخ چوہڑ تحصیل جھنگ

حضرت شیخ جوہر جو بعد میں شیخ چوہڑ کے نام سے مشہور ہوئے حضرت شاہ جیونہ کے ہم عصر تھے، اور حضرت بہاؤ الحق غوث ملتانی کے فیض یافتہ تھے، آپ مرشد کے حکم پر جھنگ تشریف لائے، اس وقت یہ علاقہ بے ہودہ رسومات میں مبتلا تھا، نام نہاد مسلمان قبائل بھی اسلامی تعلیمات پر کاربند نہ تھے۔ مرشد کے حکم پر آپ نے تبلیغ حق کا سلسلہ شروع کیا۔

زمینداروں کی نقل مکانی

قصبہ شیخ چوہڑ کا علاقہ ڈاہ قوم کے زمینداروں کا تھا، وہ اس وقت خانیوال کے علاقہ میں آباد ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے ڈاہ قوم کے سرکردہ افراد کو بلا کر کہا کہ یہ جگہ خالی کردیں اور خانیوال کی طرف چلے جائیں ان لوگوں نے آپ کا حکم ماننے سے انکار کردیا، آپ نے ایک لوٹا بھرا اور ٹونٹی کے ذریعہ بہانا شروع کردیا، جہاں جہاں پانی بہا، سیلاب آگیا اور سارا علاقہ دریا بن گیا۔ ڈاہ قوم

سیلاب دیکھ کر خوف زدہ ہوگئی ۔ اور آپ کے قدموں میں گر کر معافی مانگی۔ آپ نے نقل مکانی کی شرط پر معاف کر دیا ، یہ قوم آپ کی مرید ہوگئی ، اور اپنا سامان لے کر ملتان چلی گئی ۔ آپ نے اسی قوم کی ایک خاتون سے شادی کی ۔جس سے آپ کی نسل چلی ۔

دریا میں راستہ بن گیا

ایک دفعہ آپ چند مریدوں کے ہمراہ راوی پار سے آرہے تھے ۔راوی میں پانی کا زور تھا ، آپ نے ملّاحوں سے کہا کہ ہمیں کشتیوں میں دریا پار چھوڑ آئیں ۔ملّاحوں نے حکم کی تعمیل نہ کی بلکہ کشتی ڈوبنے کا اندیشہ ظاہر کیا، آپ نے ملّاحوں کا جواب سُن کر زور کا نعرہ لگایا، اور دریا میں کود گئے ۔ مریدوں کو بھی آپ نے پیچھے آنے کا حکم دیا، جونہی آپ نے دریا میں قدم رکھا پانی دو حصوں میں تقسیم ہوگیا ، اور درمیان سے خشکی اُبھر آئی ۔ آپ دریا پار پہنچ گئے ملّاحوں نے جب یہ صورت دیکھی تو فوراً پیچھے آئے اور معافی مانگی ۔

مویشیوں کا گوشت سوکھ گیا

ایک دفعہ حضرت شاہ جیونہ کے عقیدت مند چند مویشی اپنے مرشد کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لا رہے تھے ، کہ راستہ میں شیخ چوہڑ نے اُن سے کہا کہ یہ مویشی مجھے دے دو ۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ شاہ جیونہ کی نذر ہیں ۔ تو شیخ چوہڑ نے فرمایا کہ یہ جس کی نذر ہونے تھے ہوگئے

اب جہاں چاہے لے جاؤ، جب یہ لوگ حضرت شاہ جیونہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مویشی پیش کئے تو آپ نے فرمایا " اِن میں زندگی ہی نہیں، اصل مال تو کسی نے لے لیا "، اور تمہیں علم نہیں ہو سکا۔ عقیدت مندوں نے حضرت شیخ چوہڑ کا واقعہ سُنایا، تو انھوں نے فرمایا کہ یہ ان کا حق ہو گیا، انھیں پیش کرو۔ چنانچہ مویشی ان کی خدمت میں پیش کر دئے گئے۔

شادی و اولاد

آپ نے پہلا نکاح اپنے قبیلہ کی ایک عورت سے کیا، اس سے معظم نامی لڑکا پیدا ہوا، دوسری شادی ڈاہ قوم کی خاتون سے کی۔ اِس کے بطن سے قتال نامی لڑکا پیدا ہوا، معظم اور قتال دونوں صاحب علم تھے، اِن سے بھی بہت سے واقعات منسوب ہیں۔ آپ کی وفات قریبًا ۸۰۴ھ میں ہوئی ۔ جسدِ مبارک آپ کی جھونپڑی میں دفن کیا گیا جہاں اب پختہ مزار موجود ہے، اور ہر سال ۱۴ ار پھاگن کو عرس منایا جاتا ہے۔

★

شاہ حسین قریشی

ولادت:- ۸۹۰ ہجری

وفات:- ۹۵۰ ہجری

مدفن:- تحصیل جھنگ

حضرت شاہ حسین ہاشمی قریشی جن کا مزار جھنگ چنیوٹ روڈ پر جانب شرق وسیع چٹیل میدان میں (المعروف شاہ حسین کارڈا) موجود ہے، حضرت شیخ کبیر کی اولاد میں تھے، آپ بھی مادرزاد ولی اللہ اور باکرامت بزرگ تھے،

شاہ حسین کی زندگی کا بیشتر حصہ سفر وسیاحت میں گزرا، ہندوستان کے مختلف علاقوں کے بزرگوں اور عارفوں سے برادرانہ تعلق رکھتے تھے، زندگی کے آخری دنوں میں چنیوٹ تشریف لائے، اور یہیں وفات پائی۔ مرنے سے پہلے آپ نے اپنے مریدوں کو وصیت کی کہ میری میت حضرت شیخ کبیر کے پہلو میں دفن کی جائے، اور میرا جنازہ چنیوٹ سے لے جاتے ہوئے راستہ میں ہرگز نہ رکھا جائے۔ اگر کسی جگہ چارپائی رکھی گئی تو پھر نہیں اٹھ سکے گی۔ اور وہیں میرا مزار بن جائے گا۔ اور یہ جگہ آباد نہیں ہوگی۔ چنانچہ انتقال کے

بعد عقیدت مندوں نے آپ کی میّت غسل کے بعد چارپائی پر رکھی۔ اور اُٹھا کر چل پڑے۔ راستہ میں تھکان کی وجہ سے چارپائی کو زمین پر رکھا، پھر اُٹھانے کی ہزار کوشش کی۔ لیکن چارپائی نہ اُٹھی، چنانچہ اسی جگہ آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کے فرمان کے مطابق مزار کے آس پاس کا علاقہ زراعت کے قابل نہ رہا اور اب تک بنجر ہے۔

حضرت شیخ حسین شاہ

ولادت :- ۱۱۲۱ھ

وفات :- ۱۱۹۲ھ

مدفن :- پہاڑی چنیوٹ شہر

حضرت شیخ حسین شاہ قریشی النسل اور حضرت عبداللہ جہانیاں کی اولاد میں سے تھے، آپ کی ولادت تقریباً ۱۱۲۱ھ میں ہوئی، آپ مادرزادولی تھے، علومِ باطنی ورثہ میں پائے تھے۔ آپ کے والد کا نام آخن شیخ بتایا جاتا ہے۔

جب آپ سن شعور کو پہنچے تو آپ کو مرشد کی تلاش ہوئی۔ چنانچہ آپ جہانیاں سے چنیوٹ تشریف لائے، اس وقت چنیوٹ میں شیخ عبدالوہاب کا شہرہ تھا۔ چنانچہ آپ نے شیخ عبدالوہاب کے پاس رہائش اختیار کرلی اور سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرنے لگے۔

شیخ عبدالوہاب حضرت میاں عثمان (جن کا مزار جھنگ صدر میں ہے) کے خلیفہ تھے۔ اور خود میاں عثمان حافظ علی محمد نقش بندی کے خلیفہ تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ حسین اپنے مرشد شیخ عبدالوہاب کے ہمراہ

متعدد بار جھنگ تشریف لائے۔

آپ سے بے شمار کرامات ظہور میں آئیں، اور اپنے مرشد کے حکم پر پہاڑی میں اپنی اقامت رکھی۔ اسی جگہ آپ کا انتقال ہجری ۱۱۹۲ میں ہوا۔ جہاں آپ کا مزار موجود ہے۔ اور عرف عام میں آپ کو ڈھگی والا پیر کہا جاتا ہے۔ ڈھگی بلندی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ آپ کے مزار کے قریب اور بھی کئی قبریں ہیں۔ ایک خوب صورت بارہ دری بھی موجود ہے۔ مزار کا حصہ مناظر کے لحاظ سے بہت خوب صورت ہے۔ آپ کی اولاد میں نیکو کارہ قوم مشہور ہے۔ نیکو کار اصل میں قریشی ہیں۔

★

میاں حماند متھرومہ

ولادت :- ۱۱۱۴ ہجری

وفات :- ۱۱۹۸ ہجری

مدفن :- چنیوٹ شہر

حضرت میاں حماند صاحب ماتھرومہ زمیندار قوم کے فرد تھے اور حضرت حافظ علی محمد صاحب نقش بندی (جھنگ صدر) کے خلیفہ مجاز تھے قریباً ۲۵ سال کی عمر میں مرشد کی تلاش شروع کی۔ کھیتی باڑی کرتے تھے اور اس وقت کی دینی تعلیم سے بھی واقف تھے۔ ایک دفعہ کھیتوں میں کام کر رہے تھے کہ برادری کے کسی شخص نے ان سے طنزاً کہا کہ بے پیرا اور بے استاد دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتا، آپ نے اسی وقت کام چھوڑ دیا اور مرشد کی تلاش میں نکل پڑے۔ منزل سے ناواقف تھے، جب آپ جھنگ صدر پہنچے تو اتفاق سے آپ حافظ علی محمد کے ہاں ٹھہر گئے۔

حافظ صاحب کے لنگر خانے سے پردیسی اور مسافر عموماً کھانا کھاتے تھے۔ رات کو جب مسجد میں حافظ صاحب کے ہاں مجلسِ ذکر شروع ہوئی تو آپ بھی اس میں شامل ہو گئے اور دل کو ایسا ہی سرور و سکون ملا جس کے آپ متلاشی تھے، چنانچہ چند روز کی صحبت

سے ہی آپ کی قلبی کیفیات بدل گئیں، اور آپ نے حافظ صاحب سے بیعت فرمائی
چودہ سال آپ نے حافظ صاحب سے کسب فیض کیا، اور سلسلہ نقشبندیہ سے
مستفید ہوئے، حافظ صاحب نے آپ کو خلافت سے سرفراز کیا، اور اجازت دی کہ
اپنے علاقہ میں جا کر تبلیغ حق فرمائیں۔ چنانچہ ۷۰ سال کی عمر میں آپ مرشد سے
اجازت لے کر چنیوٹ واپس آئے، اس وقت آپ کامل ولی اللہ تھے۔
جدھر نظر اُٹھاتے تجلیات الٰہیہ کا ظہور ہوتا، زندگی کے آخری حصہ میں عموماً
جذب و استغراق میں رہتے، اور بعض اوقات نیم برہنگی کی حالت بھی طاری
ہو جاتی تھی، آپ نے چنیوٹ کے علاقہ میں متعدد خاندانوں کو اسلام سے فیض یاب
کیا، آپ سے بے شمار خوارق العادت واقعات منسوب ہیں، مثلاً آپ ایک
کنوئیں میں داخل ہوتے۔ تو دو چار میل دور جا کر کسی اور کنوئیں سے باہر نکلتے۔
ایک دفعہ مرشد کی زیارت کے لئے علاقہ وچھن جانے کا ارادہ کیا۔ چنیوٹ کے
قریب آپ نے دریائے چناب میں ڈبکی لگائی اور وچھن میں مرشد کے مزار
کے قریب دریا سے نکلے۔

مشہور ہے کہ چنیوٹ کا ایک سید زادہ تحصیل دار آپ کی بڑی عزت
کرتا تھا، ایک بار آپ عدالت میں نیم برہنہ تشریف لائے، تحصیل دار کو
آپ کی یہ کیفیت ناگوار گزری۔ کیونکہ اس وقت عدالت میں چند عورتیں بھی
موجود تھیں۔ لیکن تحصیل دار نے پاس ادب ملحوظ رکھتے ہوئے زبان سے

کچھ نہ کہا۔ جب آپ عدالت کے قریب پہنچے تو لوگ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آپ نے بہت خوب صورت لباس پہنا ہوا تھا، آپ نے تحصیل دار سے فرمایا کہ "تم مجھے تارکِ شریعت سمجھتے ہو؟"

تحصیل دار نے معافی مانگی، آپ نے متعدد اصحاب کو خلافت عطا کی، اِن میں میاں دوست محمد نیکوکارہ اور سخی عبدالوہاب بھی شامل ہیں، ان دونوں بزرگوں کے مزارات بھی چنیوٹ میں موجود ہیں۔

آپ کی وفات ۱۱۹۰ھ میں ہوئی، اور چنیوٹ میں ہی آپ کو دفن کیا گیا۔ جہاں ہر سال عرس منایا جاتا ہے۔

حضرت شاہ خلیل شیرازی

وفات :- ۸۸۰ ہجری

مدفن :- منڈھو رجبانہ تحصیل شورکوٹ

حضرت شاہ خلیل شیرازی سادات شیراز کے چشم و چراغ تھے، آپ کے جد اعلیٰ حضرت سید شیر علی، سلطان تیمور کے ساتھ ۸۰۰ھ میں وارد ہندوستان ہوئے، اور پھر ہندوستان میں مستقل قیام کیا۔ آپ کا شجرہ نسب تین پشتوں سے سید شیر علی شیرازی سے ملتا ہے۔ شاہ خلیل بن شاہ محمد بن شاہ شمس بن شیر علی جد اعلیٰ، حضرت شاہ خلیل قریباً ۸۶۵ ہجری میں وارد جھنگ ہوئے، آپ کا قیام کچھ عرصہ ماجھی سلطان میں رہا۔ جہاں آپ کے حقیقی بھتیجے حضرت راجن امام کا مزار موجود ہے۔ بعد میں آپ علاقہ شورکوٹ تشریف لے گئے، اور منڈھو رجبانہ قصبہ میں قیام فرمایا، آپ کے سلسلۂ فیض سے متعدد قبیلے اور قومیں مستفید ہوئیں، مورخین نے تفصیلی حالات درج نہیں کئے، آپ کی وفات ۸۸۰ ہجری میں واقع ہوئی، آپ کا مزار اسی قصبہ میں موجود ہے جہاں سال میں دو بار میلہ یا عرس لگتا ہے۔

حضرت مخدوم داؤد احمد

وفات :۔ ۱۰۶۱ ہجری

مدفن :۔ چنیوٹ شہر

حضرت مخدوم داؤد احمد صاحب مخدوم کمال الدین کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے، آپ بھی حجرہ شاہ مقیم سے فیض یافتہ تھے، اور اپنے بھائی کے حکم پر چنیوٹ تشریف لائے۔ آپ نے مزار حضرت شاہ برہان کے نزدیک اپنی جھونپڑی ڈالی، ساتھ ہی کنواں اور مسجد بھی بنوائی، کنواں اور مسجد تو مرورِ زمانہ کے باعث مسمار ہو چکے ہیں، البتہ مزار اور اس کے ارد گرد کی چار دیواری جو ۱۹۵۰ء کے سیلاب کے بعد تعمیر ہوئی تھی موجود ہے۔ آپ کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے، صرف اسی قدر معلوم ہو سکا ہے کہ آپ تبحر عالم دین تھے، اور سلسلۂ نقشبندیہ کے مبلغ تھے، آپ کے ارادت مندوں کا حلقہ وسیع تھا،

★

حضرت شاہ دولت

(ربوعہ سیداں کے جداعلیٰ)

ولادت :۔ ۹۳۴ھ

وفات :۔ ۱۰۰۱ھ

مدفن :۔ ربوعہ سیداں چنیوٹ

حضرت شاہ دولت اپنے عہد کے کامل و عامل بزرگ تھے، آپ کا روحانی سلسلۂ فیض حضرت شاہ جلال بخاری اُچ ریاست بھاولپور سے وابستہ ہے۔ آپ تبلیغ اسلام کی غرض سے اپنے مرشد کے حکم پر اس علاقے میں تشریف لائے، اس وقت یہ علاقہ کفرستان شمار ہوتا تھا، آپ نے اس علاقہ میں آتے ہی تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ چونکہ غیر مسلموں کا زور تھا، اور ظاہری تبلیغ سے ان لوگوں کو اسلام کی حقانیت سے روشناس کرانا سخت مشکل تھا۔ اس لئے آپ نے باطنی اور روحانی طریقوں سے تبلیغ شروع کی، اگرچہ آپ کرامات کے اظہار سے گریز فرماتے تھے، لیکن آپ کے سامنے بہت بڑا مقصد تھا، اس لئے آپ نے باطنی علوم کا چشمہ صافی جاری

کیا جس کے باعث بے شمار قومیں مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ اِن کی روحانی عظمت و بلندی کی خبر جب مغلیہ تاجدار اکبر کے دربار میں پہنچی تو اکبر ان سے ملاقات کا خواہش مند ہوا۔ چنانچہ اس نے اپنا ایک قابلِ اعتماد امیر ان کی خدمت میں بھیجا، آپ نے اس سے دربارِ اکبری میں جانے کا وعدہ فرمایا۔ سواری کا انتظام کیا گیا، اور آپ دربار میں پہنچے۔ اکبر نے آپ کی شایانِ شان استقبال کیا، اور واپسی پر ان کو آس پاس کی وسیع جاگیر عطا کی۔ تاکہ فقراء کے لنگر کا خرچ چلتا رہے اور سا اشرفیاں بھی بطور نذرانہ پیش کیں۔

آپ کی وفات کے بعد شاہی دربار سے عطا کردہ جاگیر کو انتظامی صورت دے دی گئی۔ اور اسے ریاست کا درجہ مل گیا۔ آپ کی اولاد اس ریاست پر ۱۸۱۶ء تک قابض رہی۔

آپ کی اولاد میں سید خیر شاہ۔ جمال شاہ، شہابل شاہ، عبداللہ شاہ، قابلِ ذکر ہستیاں گزری ہیں۔ ان تمام کی اولاد اب ساداتِ رجوعہ شمار ہوتی ہے۔ اِس وقت بھی میاں غلام محمد شاہ ایم۔این۔اے سردار محمد علی شاہ، سید غلام عباس، ظفر عباس، سید احمد خاصے شہرت کے حامل ہیں۔

سکھوں کے حملے سے قبل مشہور سیال حکمران ولی داد خان نے سیال کوٹ سے کمالیہ تک کی تمام چھوٹی بڑی ریاستوں کو زیر کر کے اپنی

قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ اِس نے ریاست رجوعہ پر بھی حملہ کیا۔ اور اسے فتح کر لیا۔ مگر فتح کے بعد ریاست کا انتظام سادات کے ہی سپرد کر دیا، کیونکہ ولی داد خاں سادات بنو ہاشم کا بے حد احترام کرتا تھا۔

سید دولت شاہ کی بہت سی کرامات زبان زدِ خلائق ہیں۔

دھجی پیر

ولادت :- ۱۱۰۵ ہجری

وفات :- ۱۱۸۰ ہجری

مدفن :- جھنگ صدر

آپ کا اصلی نام فیض اللہ تھا۔ اور سادات بخاری سے وابستہ تھے، روحانی مسلک کے لحاظ سے قادری سلسلے سے منسوب تھے آپ کے والد محترم سید حفظ اللہ، سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پڑنواسے تھے، اور آپ کا خاندان ٹھسکہ میراں ضلع کرنال میں آباد تھا، آپ کی ولادت ۱۱۰۵ ہجری میں ٹھسکہ میراں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، تبلیغ و سیاحت کے شوق میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کا پیدل سفر اختیار کیا۔ کچھ عرصہ پٹیالہ میں مقیم رہے، جہاں ——————— آپ کے کچھ بزرگوں کا محلہ بخاریاں میں قیام تھا، چند سال پٹیالہ میں مقیم رہنے کے بعد ملتان اور اُچ (ضلع بھاول پور) چلے گئے جہاں سے آپ واپس جھنگ تشریف لائے۔ یہاں آپ کی ملاقات حضرت محمد یوسف شیرازی سے ہوئی اور انہی کی رفاقت کی وجہ سے آپ جھنگ صدر میں منتقل

طور پر قیام پذیر ہو گئے۔

آپ کی جھنگ میں آمد قریباً ۱۱۶۵ھ ہجری میں ہوئی۔ اس وقت یہاں حضرت مندو کانواں، لڈا ماہنی، پیر گوہر شاہ گیلانی کی شہرت عام تھی آپ موجودہ سول ہسپتال سے ملحقہ جنگل میں ڈیرہ لگا کر بیٹھ گئے، آپ کا لباس عموماً پھٹا رہتا تھا، اور آپ جلاہوں کی تانی سے بچی ہوئی دھجیاں اٹھا کر اوڑھتے اور بچھاتے تھے، آپ کی جھونپڑی میں دھجیوں کا ڈھیر لگا رہتا تھا، اِس وجہ سے آپ کو دھجی پیر کے نام سے پکارا جانے لگا۔ پھر آپ کا نام یادداشت سے محو ہو کر عرفِ عام ہی مشہور ہو گیا۔

آپ شرعی احکام کی پابندی کا خاص خیال رکھتے۔ غیر شرعی اصحاب کو اپنی مجلس میں پسند نہ کرتے بلکہ سرزنش فرماتے تھے، آپ جمعرات کے روز ہجری ۱۱۸۰ میں دارفانی سے سدھار گئے۔

میاں حاجی محمود خوجہ پوری نے آپ کے غسل دفن کا انتظام کیا، اور اپنی ملکیتی اراضی میں جہاں آپ کا ڈیرہ تھا سپردِ خاک کیا، اور کچھ رقبہ آپ کے مزار کے لئے وقف کر دیا، بعد میں وقتاً فوقتاً آپ کے مزار کی مرمت ہوتی رہی۔

ایک دفعہ حکیم محمد افضل صاحب ہرل اور چوہدری غلام محمد سنیٹری انسپکٹر جھنگ میونسپلٹی کے درمیان کسی علمی موضوع پر بحث و مناظرہ ہو گیا۔

دونوں نے اپنے دلائل دئے مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ چوہدری غلام محمد نے تجویز پیش کی کہ مزار دھجی پیر پر حاضر ہو کر ان سے فیصلہ لیا جائے، چوہدری صاحب کشف قبور کا علم رکھتے تھے۔ چنانچہ دونوں بزرگ حضرت کو لے کے درمیانی حصہ میں مزار پر حاضر ہوئے اور مسئلہ پیش کیا۔ دونوں بزرگوں کا بیان ہے کہ آپ قبر سے باہر تشریف لائے اور ہماری باتیں سنیں اور فرمایا غلام محمد کا موقف درست ہے۔ چنانچہ اس فیصلے کے بعد بحث ختم ہو گئی، ان دونوں کے درمیان قادیانیت زیر بحث تھی۔

آپ کا مزار مرجع خلائق ہے اور عقیدت مند فیض حاصل کرتے ہیں۔

*

حضرت راجن امام شیرازی

ولادت :- ۸۴۶ھ

وفات :- ۹۳۶ھ

مدفن :- موضع ماچھی سلطان

حضرت راجن امام شیرازی کا سلسلۂ نسب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملتا ہے اور ہندوستان میں تعزیہ داری کی رسم کا احیاء سب سے پہلے سلطان تیمور کی وساطت سے انہی کے جدِ اعلےٰ حضرت شیر علی نے کیا۔

ابتدائی حالات

واقعہ فاجعہ کربلا کے بعد سادات بنی ہاشم کے اکثر خاندان مدینہ طیبہ اور دیگر عرب علاقوں سے ہجرت کر کے ایران وغیرہ چلے آئے تھے، انہی میں حضرت راجن امام کے بزرگ سید حسین بھی شامل تھے، جو اپنے کنبہ کو لے کر شیراز میں آباد ہوئے۔ اور شیراز میں ہی شادی کی۔ جس سے آپ کے ایک فرزند ابوطاہر پیدا ہوئے ابوطاہر سے لے کر حضرت سید بہاؤ الدین تک قریباً بیس پشتیں شیراز میں رہائش پذیر رہیں۔

سید بہاؤ الدین کا دربار شاہی ایران میں کافی عمل دخل تھا، شاہ تیمور

سے بھی اِن کے دوستانہ مراسم تھے، جب تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا، اور دہلی پر قبضہ کر کے زیارات کی خاطر شام و عراق کا عارضی سفر اختیار کیا، اس سلسلے میں وہ کربلائے معلےٰ میں سید الشہداء حضرت امام حسین کے مزار اقدس پر بھی حاضر ہوا۔ یہاں تیمور کو عینی طور پر روضہ اقدس کا نمونہ تیار کرا کے اپنے ساتھ ہندوستان لے جانے کی اجازت ملی۔ اس روضہ کی شبیہ کی حفاظت کے لئے شاہ تیمور نے سیّد شیر علی کو جو کہ سید بہاوالدین کے فرزند اکبر تھے مقرر کیا، شاہ تیمور نے ہجری ۱۰۰ میں دوسری بار دہلی میں قدم رکھا، اور دربار میں روضہ امام حسین کی شبیہہ بھی نصب کرائی۔ سید شیر علی دہلی آئے اور اسی جگہ بعہد بابر انتقال کیا۔ ان کا مقبرہ دہلی کے دروازہ ترکمان کے اندر موجود ہے۔

شاہی جاگیر

سُلطان تیمور نے سید شیر علی کو شاہی جاگیر سے نوازا، جسے بعد کی مغل حکومتوں نے بھی برقرار رکھا، سید شیر علی کے ایک صاحب زادے شاہ شمس تھے، جو والد کی وفات کے بعد دل برداشتہ ہو کر پنجاب چلے آئے، اور شاہ پور موجودہ سرگودھا میں قیام فرمایا، والد کو شاہی دربار سے جو جاگیر ملی تھی وہ بھی شاہ پور میں ہی منتقل کرائی۔ جو ایک ریاست میں بدل گئی، آپ نے اپنے نام کے ساتھ نواب کا لقب بھی استعمال کرنا شروع کر دیا،

شاہ شمس شیرازی کی وفات پر ان کے پانچ بیٹے وارث مقرر ہوئے

ان میں چار اپنے بڑے بھائی شاہ محمد کے حق میں جاگیر سے دست بردار ہوکر مختلف علاقوں میں چلے گئے۔ شاہ محمد کے دو بیٹے شاہ خلیل اور امیر پیر ہوئے جن کی اولاد اب تک جھنگ اور سرگودھا میں موجود ہے،

سید امیر پیر کو اللہ تعالےٰ نے فرزند عطا کیا۔ جس کا نام لاڈ پیار کی وجہ سے راجن امام رکھا گیا۔ آپ کی ولادت ۸۴۶ ہجری میں سلطان بہلول لودھی کے عہد میں ہوئی۔ جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو گردونواح کے علاقوں کی سیاحت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ اپنے عقیدت مندوں کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ بہت سا سامان، سینکڑوں اونٹ اور گھوڑے بھی تھے آپ دریا کے کنارے سفر کرتے ہوئے قصبہ اُچ گل امام تشریف لائے، اور چند ماہ قیام کے بعد آپ موضع ماچھی سلطان پہنچے، یہ علاقہ غیر آباد تھا، آپ کو پسند آیا۔ اور آپ نے مستقل قیام کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ جس جگہ آپ نے قیام کیا اس کا نام ہی پیر والا مشہور ہوگیا، اور اب تک قصبہ کا یہی نام ہے۔

کرامات

آپ سے متعدد خوارق واقعات منسوب ہیں، ان میں شیشم کے خشک درخت کو سرسبز کر دینا، درختوں اور لانی کو (ایک قسم کا خودرو پودا جو اونٹوں کی خوراک ہے) اشارہ سے اپنے ساتھ چلا لینا وغیرہ شامل ہیں مشہور ہے کہ آپ نے وہی شیشم جو قصبہ اُچ گل امام میں آپ کی کرامت سے

سرسبز ہوا تھا، آپ نے اپنے پاس بلا لیا، اور جب آپ کی وفات ہوئی تو اسی درخت کو کاٹ کر آپ کے روضہ کی عمارتی ضروریات پوری کی گئیں۔

آپ کی وفات ۹۳۶ ہجری بعہد مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر ہوئی اور قصبہ پیر والا میں ہی آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔

*

حضرت بی بی راستی ؒ

وفات :- ۱۰۶۸ ہجری

مدفن :- قبرستان بی بیاں ملتان

حضرت بی بی راستی سادات بنوہاشم کی وہ باعظمت خاتون تھیں جن کے بطن سے حضرت سلطان العارفین محمد باہو رحمتہ اللہ علیہ جیسے مردکامل اور عارف باللہ نے جنم لیا۔

تذکرہ نویسوں نے آپ کے سن ولادت اور ابتدائی حالات کا ذکر نہیں کیا، حضرت سلطان العارفین نے اپنی مختلف کتابوں میں والدہ ماجدہ کی روحانی عظمت و بزرگی کے متعدد واقعات لکھے ہیں۔ جن کے مطابق آپ نہایت درجہ عبادت گزار، رقیق القلب، سخی اور خاوند کی بہترین مشیر تھیں۔

روایت ہے کہ حضرت ابوزید محمد کی وفات کے بعد شورکوٹ کی جاگیر کا تمام انتظام آپ نے خود سنبھال لیا تھا، کیونکہ سلطان باہو کو دنیاوی امور کی طرف ذرا رغبت نہ تھی، بلکہ یہ محض آپ ہی کا اثر تھا کہ سلطان باہو صاحبؒ نے شادیاں کیں، ورنہ آپ دنیاوی اُلجھنوں سے دور رہ کر زندگی بسر کرنا چاہتے

تھے، اس پاک خاتون کا انتقال شاہ جہاںؒ کے آخری سالِ حکومت ۱۰۶۸ھ میں ہوا۔ آپ کا جسد قبرستان بی بیاں ملتان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

شورکوٹ میں ابوزید محمد کے مرقد کے پہلو میں آپ کا مزار نہیں، بلکہ سلطان باہو صاحبؒ کے ایک خلیفہ اور ابوزید محمد کے ایک خاص عقیدت مند کا مزار ہے، مگر عقیدت مند روحانی اعتبار سے یہیں مدفون سمجھتے ہیں۔

بی بی صاحبہ کے مزار کے بارے میں کتاب مناقبِ سُلطانی تصنیف حضرت سُلطان حامد بن غلام باہُو مطبوعہ ۱۳۴۵ ہجری ملک چنن دین تاجر کتب اللہ والے کی قومی دکان کے صفحات ۹-۱۰ ملاحظہ فرمایئے۔

درج ہے کہ آپ کا مزار ملتان میں ہے اور شورکوٹ میں آپ کے شوہر حضرت ابوزید محمد کے مزار کے پہلو میں دوسرا مزار شیخ طلحہ قریشی کا ہے۔

سیّد زلف علی شاہ

ولادت :- ۱۱۳۹ ہجری

وفات :- ۱۲۰۹ ہجری

مدفن :- اُچ گل امام تحصیل شورکوٹ

آپ کا اصل نام سیّد زلف علی شاہ ہے لیکن آپ گل امام کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا نام سید احمد علی شاہ تھا۔ حضرت عیسیٰ عبدالوہاب بلوٹی کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے پیر بابا بنیر سے مقابلہ کیا تھا، دونوں اپنے عہد کے کامل بزرگ تھے، لیکن دونوں میں زبردست اعتقادی اختلاف تھا، پیر بابا جن کا مزار ریاست سوات میں موجود ہے، بابر کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے، اور بابر نے اپنی بیٹی اِن کے والد کے نکاح میں دی تھی، سیدزلف علی شاہ اُچ ضلع بھاول پور میں رہائش پذیر تھے کہ مرشد کے حکم پر جھنگ تشریف لائے، اور تھل شورکوٹ میں قیام فرمایا۔ اسی جگہ سے آپ کی شہرت عام ہوئی۔

آپ صاحبِ کرامت بزرگ تھے، شرک اور کفر کے خلاف ہمیشہ جہاد جاری رکھا۔ آپ نے کئی ہندو قبیلوں کو مسلمان کیا، اور متعدد ایسے خاندانوں کو جو

مسلمان تو تھے، لیکن عقائد کے لحاظ سے غلط راہ پر چل رہے تھے، سیدھی راہ دکھائی آپ کی شہرت سُن کر اس وقت کے سیال حکمراں عنایت خاں نے بھی آپ کی زیارت کی اور پھر ایسا گرویدہ ہوا کہ ہمیشہ آپ کی نظرِ شفقت کا منتظر رہا، آپ کے ہر حکم کی تعمیل اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتا، یہی وجہ ہے کہ عنایت خاں نے آپ کے لئے قصبہ روڈو سُلطان کے قریب ایک بلند ٹیلہ پر قلعہ تعمیر کرایا اور قلعہ کی بالائی منزل اتنی خوب صورت تعمیر کرائی کہ اس عہد کی اور کوئی عمارت اتنی خوب صورت نہیں تھی۔ قلعہ کی بالائی منزل کو نور محل کا نام دیا'

سید زلف علی شاہ عموماً نور محل کے بلند چبوترہ پر فروکش ہوتے عنایت خاں نے اس قلعہ کو مزید خوب صورت بنانے کے لئے دریا چناب سے ایک نہر نکالی جو نور محل تک آتی تھی اور قلعہ کا تالاب بھرتی تھی۔

آپ نے تقریباً ستر سال کی عمر میں ہجری ۱۲۰۹ میں رحلت کی، آپ کا جسد اس قلعہ کے اندر ہی مدفون ہے۔ افسوس کہ مرورِ زمانہ سے نور محل اور قلعہ کی عمارت گر گئی۔ اور نہر بھی بند ہو گئی۔ لیکن اس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کا سلسلۂ سجادگی جاری رہا۔ نور سُلطان، ناگ سلطان۔ نور سُلطان۔ گل محمد شاہ بالترتیب سجادہ نشین گزرے۔ آج کل سید ارشاد حسین شاہ سجادہ نشین ہیں۔ آپ کا عرس، ۲ کاتک کو ہر سال منایا جاتا ہے

◉

سادھنا جوان

وفات :- ۹۹۹ھ

مدفن :- ہرسہ شیخ چنیوٹ

حضرت سادھنا جوان ہاشمی قریشی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ' اور حضرت شیخ کبیر کی اولاد میں تھے ' آپ کی ولادت کے بارے میں کوئی سن تعین کرنا مشکل ہے ' البتہ آپ کی وفات تقریبًا ۹۹۹ ہجری میں ہوئی۔ آپ بڑے جفاکش تنومند ' اور مجاہد انسان تھے ' اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے اور مسلمان فوجوں کی فتح و کامرانی کے لئے ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے ' آپ کے اصل نام کے بارے میں کوئی روایت تحریری یا زبانی نہیں مل سکی۔ سادھنا ان کا عرفِ عام تھا اور اسی نام سے بعد میں مشہور ہوئے۔

زندگی کا بیشتر حصہ چنیوٹ اور پنڈی بھٹیاں کے گرد و نواح میں بسر کیا۔ آخری عمر میں قصبہ ہرسہ شیخ تشریف لائے۔ اور اسی جگہ انتقال فرمایا۔ اور دفن ہوئے۔ مشہور ہے کہ آپ کے مزار پر جو شخص فتح و نصرت کے لئے دعا مانگتا ہے وہ قبول ہوتی ہے ' اب بھی آپ کے عقیدت مند کسی مہم پر جانے سے قبل مزار پر حاضری دیتے اور نصرت کی دعا مانگتے ہیں۔

حضرت سعد اللہ نقش بندی

ولادت :- ۱۰۹۹ ہجری

وفات :- ۱۱۷۸ ہجری

مدفن :- قصبہ دیپہ ہون بھکل تحصیل جھنگ

حضرت سعد اللہ صاحب سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے صاحبِ طریقت بزرگ تھے، یہ علاقہ قندھار کے رہنے والے تھے اور حضرت خواجہ محمد علی صاحب قندھاری کے خلیفہ تھے، تاریخ و سیرت کی کتب میں ان کا خال خال تذکرہ ملتا ہے۔ آپ اعوان قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت سعد اللہ صاحب اپنے مرشد خواجہ محمد علی صاحب کے حکم پر اپنی بیوی سمیت ہندوستان تشریف لائے۔ یہ زمانہ مغلیہ سلطنت کے زوال کا تھا۔ آپ ہندوستان میں وارد ہوتے ہی لاہور پہنچے اور حضرت شیخ لاہوری کے ہاں مقیم ہوئے۔ حضرت شیخ سعدی لاہوری کا اس زمانہ میں شہرہ عام تھا۔ اِن کے خداموں اور عقیدت مندوں کی وسیع تعداد تھی۔ اِن کا لنگر بھی عام تھا، اور باوجودیکہ اِن کے پاس کوئی جاگیر نہ تھی، لنگر عام کے اخراجات آسانی سے پورے ہوتے تھے۔ حضرت سعد اللہ صاحب نے یہاں رہ کر ریاضت و

مجاہدہ کیا، اِن سے ہندوستان کی مختلف زبانیں سیکھیں، اور وعظ و نصیحت کی نعمت حاصل کی۔ جب شیخ سعدی لاہوری کا انتقال ہوا تو دل برداشتہ ہو کر جھنگ چلے آئے، یہاں شہر کی پہلی جامع مسجد چوڑی گراں میں جو اس وقت بارونق علاقہ میں واقع تھی، رہائش اختیار کر لی، بے حد متوکل بزرگ تھے۔ کبھی دنیاداری کا خیال تک بھی ذہن میں نہ لاتے تھے۔ ہمیشہ عبادات و ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ان کی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ قدرت نے اِن کے پاس حافظ علی محمد جیسا بزرگ بھیج دیا، جو اِن کا متبنیٰ ہوا اور بعد میں اِن کی مسند پر بھی متمکن ہوا۔

حضرت سعد اللہ صاحب نے علاقہ تھل میں تبلیغ اسلام شروع کی۔ بلوچ اور دیگر اقوام اِن کی ایسی گرویدہ ہوئیں کہ اِن کی وفات کے بعد اِن کا جسدِ خاکی اپنے علاقے وچھن میں لے جا کر سپردِ خاک کیا، جہاں اِن کا مزار اب تک موجود ہے، اور ہر سال ۲۰ جون کو عرس منایا جاتا ہے۔

حضرت شاہ جیونہ کروڑی بخاری نقوی

ولادت :- ۸۹۵ ہجری

وفات :- ۹۷۱ ہجری

مدفن :- قصبہ شاہ جیونہ تحصیل جھنگ

حضرت شاہ جیونہ رح سادات بخاری کے چشم و چراغ اور صاحبِ عزت و کرامت بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کی ساری زندگی تبلیغِ حق، رشد و ہدایت میں بسر ہوئی، آپ کی شخصیت میں بے پناہ کشش تھی، جہاں جہاں بھی تشریف لے گئے، عقیدت و احترام کا ایک وسیع حلقہ پیدا ہوتا چلا گیا۔ آپ کا روحانی فیض اب تک جاری ہے۔ لاکھوں تشنگانِ روحانیت استفادہ کر چکے ہیں۔ آپ کی اولاد کو بھی دنیاوی جاہ و جلال نصیب ہوا۔

ابتدائی حالات

آپ کا اصل نام سید محبوب عالم تھا، جو بعد میں لوگوں نے بھلا دیا اور آپ کو عرفِ عام ہی سے پکارا جانے لگا۔ سید محبوب عالم عرف حضرت شاہ جیونہ کا شجرہ نسب ذیل ہے۔

شاہ جیونہ بن سید احمد کبیر ثانی بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن
سید احمد کبیر اوّل بن حضرت شیر شاہ جلال سرخ بخاری (بانی سادات بخاری
ابن علی بن صغیر بن محمد بن محمود بن احمد عبد اللہ بن علی اصغر ثانی۔ بن
عبد اللہ صغیر۔ بن امام علی نقی بن امام علی تقی۔ بن امام موسیٰ رضا۔ بن امام
موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن
حضرت امام حسین بن مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین

حضرت شاہ جیونہ اپنے والد سید احمد کبیر ثانی کے تیسرے بیٹے
تھے، آپ کی ولادت علاقہ قنوج میں ہوئی، جہاں آپ کا دیگر خاندان اُچ بہاولپور
سے منتقل ہو کر آباد ہوا تھا۔ مورخین نے آپ کے سن ولادت مختلف بتائے ہیں
تاہم اکثر روایات کے مطابق آپ کی ولادت ۸۹۵ ہجری میں ہوئی۔ جس وقت آپ
اس دنیا میں تشریف لائے، آپ کے والد محترم گھر سے باہر تبلیغ کے لئے گئے ہوئے
تھے، آپ کے والد کو خواب میں بشارت ملی کہ گھر میں تیسرا چراغ روشن ہو گیا ہے۔ آپ
نے دیکھا کہ تین چراغ جل رہے ہیں، چنانچہ آپ نے فوراً رختِ سفر باندھا اور
قنوج واپس آئے۔ گھر پہنچ کر بیٹے کو اُٹھایا، بیٹے کی پیشانی کو بوسہ دیتے
ہوئے فرمایا کہ اِس بچے کی پیشانی میں روحانیت جلوہ گر ہے۔ آپ نے بچے کا
نام محبوب عالم تجویز کیا۔ حضرت شاہ جیونہ صاحب تقریباً ۲۱ سال تک والدین کے سایۂ
شفقت میں رہے، آپ بڑے صابر، متحمل مزاج، بردبار اور تنہائی پسند تھے۔

ہمیشہ عبادت وریاضت میں مصروف رہتے، آپ کے عقیدت مند مسجد کے باہر آپ کی تشریف آوری کے منتظر رہتے۔ آپ کی علمی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی تھی اور اس وقت کے بڑے بڑے علماء اور فقراء آپ کی زیارت کے لئے آنے لگے تھے، آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے مزار اقدس پر ایک دفعہ حاضری دینے تشریف لے گئے، تو آپ کو غیبی طور پر ہدایت ملی کہ مغربی ہندوستان کی سرزمین کا رُخ کریں، جہاں آپ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ نے والد محترم سے اجازت حاصل کی اور تبلیغی مشن پر روانہ ہوئے، سب سے پہلے آپ علاقہ ٹھسکہ میراں جی ضلع کرنال آئے۔ کچھ عرصہ یہاں قیام کیا، کیونکہ یہ جگہ فقراء اور درویشوں کا مرکز تھی، یہاں سے آپ قصبہ سامانہ ریاست پٹیالہ پہنچے جہاں سادات بخاری کے دیگر گھرانے رہائش پذیر تھے، کچھ عرصہ سامانہ میں قیام فرمایا، اسی دور میں سامانہ میں محلہ بخاریاں کی بنیاد پڑی۔ جو اب تک قائم ہے سامانہ سے آپ لاہور وارد ہوئے، اور چند سال لاہور میں قیام فرمایا، قیام لاہور کے زمانہ میں ہی آپ کو اپنے جد بزرگوار حضرت شیر شاہ جلال سرخ بخاری نے خواب میں فرمایا کہ جھنگ جاؤ جہاں تمہارا انتظار ہو رہا ہے، چنانچہ آپ جھنگ تشریف لائے آپ قریباً ہجری ۹۶۱ میں وارد جھنگ ہوئے۔

جھنگ سیالاں کی بنیاد

جھنگ نام کا پہلا قصبہ حضرت شیر شاہ جلال سُرخ بخاری نے

ہجری ۶۷۵ سنہ میں آباد کیا تھا، آپ اس وقت سرگودھا کے قبیلہ نون کو مشرف بہ اسلام کرکے عموماً اس علاقہ میں قیام فرمایا کرتے تھے، پہلا قصبہ جھنگ سیالاں کے نام پر منسوب ہوا۔ لیکن بعد میں یہ قصبہ سیلاب کے باعث اُجڑ گیا تو دوسری بار جلال محمد اکبر بادشاہِ ہند کے عہد میں بسایا گیا۔ جو قریباً سو سال کے بعد اُجڑ گیا۔ اس کے بعد تیسری جگہ شہر بسا ۔ جہاں اب جھنگ شہر موجود ہے،

شاہ جیونہ کی وجہ تسمیہ

آپ چونکہ مادرزاد ولی اللہ اور عارفِ کامل تھے، آپ کی دعائیں مستجاب بارگاہِ ایزدی تھیں جس طرف جس ارادہ سے نگاہیں اُٹھاتے ربِ ذوالجلال آپ کی دعاؤں کو قبول فرماتا، چنانچہ آپ کی شہرت سن کر عقیدت مندوں کا وسیع حلقہ آپ کے گرد جمع ہو گیا۔ مرید مریضوں کو شفا کے لئے آپ کے پاس لاتے آپ دُعا کرتے اللہ تعالےٰ مریضوں کو شفا عطا فرماتا، ایسے بے شمار واقعات رونما ہوئے کہ بظاہر مریضوں کے بچنے کی کوئی اُمید نہ ہوتی، لیکن آپ کی دعا سے وہ صحت مند ہو جاتے، اسی وجہ سے لوگوں نے آپ کو شاہ جیون کے نام سے پکارنا شروع کر دیا، یعنی زندگی دینے والا شاہ ۔ جو بعد میں شاہ جیونہ بن گیا۔ اور اسی سے شہرت ہوئی۔

کرامات سے گریز

لیکن مستجاب الدعوات ہونے کے باوجود آپ ظاہری کرامات کے اظہار سے عموماً گریز فرماتے۔ اور اپنے خاص احباب سے بھی یہی تلقین کرتے، جب کوئی سخت مرحلہ پیش آتا تو خوارقِ فطرت باتوں سے رجوع کرتے۔ آپ کے ہی عہد کے ایک بزرگ شیخ علی جو بعد میں شیخلی کے نام سے مشہور ہوئے کی صاحب زادی کو جو عالمِ جذب میں تھیں اور عموماً وجدانی حالت میں اپنا لباس پھاڑ دیتی تھیں باطنی طاقت سے باپردہ فرمایا۔ اور چمڑے کا لباس پہنا کر ہمیشہ کے لیے اس عارفہ کو محفوظ کر دیا۔

اسی طرح آپ کے پوتے لدھن امام کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل میں مصروف تھے کہ ایک دیوار پر سوار ہو گئے اور اسے حکم دیا کہ گھوڑے کی طرح بھاگے، دیوار بھاگنی شروع ہوئی، ان کے ہاتھ میں سانپ تھا، جس سے وہ چابک کا کام لیتے تھے۔ لوگوں نے دیوار بھاگتی دیکھی تو حضرت شاہ جیونہ کے پاس حاضر ہوئے واقعہ عرض کیا، آپ نے دیوار کو رُک جانے کا حکم کیا، اور اپنے پوتے سے فرمایا کہ ان لوگوں کے سامنے اپنی قوتِ روحانی کو آزمانا درست نہیں اور آئندہ کے لئے کرامات کے اظہار سے ان کو روک دیا۔

عبادت وریاضت

مشہور ہے کہ آپ کو عبادت سے ریاضت کی حد تک شغف تھا۔

ساری ساری رات عبادت کرتے رہتے، دریا میں کھڑے ہو کر ایک کروڑ بار قرآن مجید پڑھا جس سے آپ کو کروڑی کا خطاب عطا ہوا۔ آپ چھپ کر عبادت کرنے کو افضل سمجھتے تھے۔ تارکِ نماز کو اپنے پاس بٹھانا پسند نہ کرتے اور احکامِ الہیٰ کی پابندی کا خاص رکھتے۔

آپ کا وصال ۷۰ برس کی عمر میں ہجری ۹۱۷ھ میں ہوا، اور آپ کا جسدِ مبارک آپ کے حجرہ کے قریب ہی سپردِ خاک کیا گیا، جہاں آپ کا مزار موجود ہے، یہاں ہر سال ماہ بیساکھ میں سات دن تک عرس منایا جاتا ہے، اور میلہ لگتا ہے۔ عقیدت مند دُور دُور سے آتے اور اپنی منتیں مانتے ہیں۔

اِسلام کی تبلیغ

آپ کی توجہ خاص سے یہاں کی بے شمار قومیں جن میں سیال۔ بھروانے کملانے، چھکانے، سپنال، سپرا، بلوچ۔ چیپے۔ چدھڑ۔ جوتے وغیرہ شامل ہیں نہ صرف مسلمان ہوئیں بلکہ مستقل مرید بن گئیں۔ آج بھی اِن قوموں کے افراد شاہ جیونہ کی اولاد کو مرشد تسلیم کرتے ہیں۔

اولاد

مورخین نے آپ کی ازواج و اولاد کے بارے میں کوئی تفصیل

نہیں دی، تاہم آپ کی اولاد کا سلسلہ اِس طرح مذکور ہے کہ شاہ جیونہ۔ حضرت سخی حبیب۔ حضرت جلال شاہ اوّل۔ حضرت عبدالرحمٰن اوّل۔ حضرت جلال شاہ ثانی۔ حضرت عبدالرحمٰن ثانی۔ حضرت صالح شاہ اول۔ غوث محمد اوّل۔ مبارک شاہ۔ غوث محمد ثانی۔ صالح شاہ ثانی۔ خضر حیات شاہ اور موجودہ سجادہ نشین محمد غوث ؒ۔

میجر مبارک علی اور کرنل سید عابد حسین بھی آپ ہی کی اولاد ہیں۔

شیخ علی سپنال

ولادت :- ۹۴۳ ہجری

وفات :- ۱۰۱۹ ہجری

مدفن :- ٹھٹھہ ماہلا تحصیل جھنگ

حضرت شیخ علی سپنال سادات بخاری کے مرید اور حضرت شاہ جیونہ کے خاص ارادت مند تھے ۔ آپ کی ایک صاحب زادی مجذوب و مست تھی ، اور عام طور پر اپنا لباس پھاڑ کر نیم برہنہ رہتی تھی ۔ اتفاق سے ایک دن یہ مجذوبہ گھر سے نکل کر کھیوہ کی طرف چلی گئی ۔ جہاں ماہنی سیالوں نے مجذوبہ کی توہین کی ۔ اور اس کا مذاق اُڑایا ۔

شیخ علی صاحب ، صاحب زادی کی تلاش میں کھیوہ پہنچے تو لوگوں نے آپ کو بتایا کہ اس مجذوبہ سے سیالوں نے ٹھٹھہ مخول کیا ہے ، اور وہ آگے کسی جگہ چلی گئی ہے ۔ شیخ علی سپنال نے دُکھ بھرے لہجہ میں فرمایا کہ جن لوگوں نے میری بیٹی کو استہزا کا نشانہ بنایا ہے ۔ اُن کی بیٹیاں خود تماشہ بنیں گی ۔ چنانچہ مشہور ہے کہ مرزا صاحباں کا واقعہ ماہنی سیالوں کے لئے ہمیشہ کی بدنامی کا موجب بن گیا ۔

حضرت شاہ جیونہ کا احترام

شیخ علی سپنال کی مجذوبہ صاحب زادی پھرتی پھراتی قصبہ شاہ جیونہ پہنچی، جہاں حضرت شاہ جیونہ نے مجذوبہ کو اپنے پاس بلایا، چونکہ وہ برہنہ تھی اس لئے اپنے پاس ٹھہرایا اور چمڑے کا لباس تیار کرا کے پہنایا، تاکہ پھٹ نہ سکے، جب شیخ علی شاہ جیونہ کے پاس پہنچے اور اپنی بیٹی کو باپردہ دیکھا تو دعا دی، اس واقعہ کے بعد شیخ علی اور حضرت شاہ جیونہ کے درمیان دوستانہ مراسم پیدا ہو گئے جو آخر دم تک قائم رہے۔

شیخ علی سپنال سلسلۂ قادریہ کے مبلغ تھے۔ آپ ۱۰۱۹ھ ہجری میں فوت ہوئے اور ٹھٹھہ ماہلا کے قریب آپ کا مزار موجود ہے، جہاں ہر سال ۱۵ ہاڑھ کو میلہ منایا جاتا ہے۔

بابا شیخ لاہوری

ولادت :- ۱۰۴۴ ہجری

وفات :- ۱۱۸۵ ہجری

مدفن :- محلہ شیخ لاہوری جھنگ صدر

خدا پرست لوگ ہی شہرتِ عام وبقائے دوام کے دربار میں آمدورفت رکھتے ہیں کیونکہ مرنے کے بعد بھی وہ اور اُن کے کارنامے زندہ رہتے ہیں۔ حضرت بابا شیخ لاہوری بھی انہی زندہ جاوید لوگوں میں شامل ہیں۔ ان کی رُوحانی عظمت اور علمی شخصیت ہمہ پہلو شہرت رکھتی ہے۔ آپ حضرت قطب الدین مودُود چشتی بن خواجہ ابو یوسف چشتی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے والد حضرت نصر محمد لاہور میں قیام فرما تھے، اور حضرت میاں میر صاحب کے خدّام میں شامل تھے،

ولادت

مشہور ہے کہ حضرت نصر محمد اولادِ نرینہ سے محروم تھے اور بڑھاپے کی عمر میں آپ اولاد کی خواہش وحسرت کی تکمیل نہ ہونے کے باعث مایوسی میں مبتلا تھے، ایک روز آپ پریشان خاطر

حضرت میاں میر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، مرشد نے چہرہ دیکھتے ہی فرمایا:۔" نصر محمد! اللہ کی رحمت سے مایوس ہوگئے ہو؟ فقراء کے لئے مایوسی زیب نہیں دیتی ۔ اللہ تعالٰی کی رحمت جوش میں آگئی ہے"۔ یہ فرما کر آپ مجلس سے اُٹھ کر خلوت میں تشریف لے گئے ۔ اِس واقعہ کے ڈیڑھ سال بعد حضرت بابا شیخ لاہوری کی ولادت ہوئی ۔ اور حضرت نصر محمد کو اولاد کی نعمت عطا ہوئی ۔

حضرت نصر محمد نے اپنے بچّے کو میاں میر صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور میاں صاحب نے ہی اِن کا نام شیخ احمد رکھا جو بعد میں بابا شیخ لاہوری کے نام سے مشہور ہوئے ۔

پہلا سفر

پانچ سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید پڑھا ۔ اور گیارہ سال کی عمر حفظ کر لیا، آپ سن بلوغ کو ابھی نہیں پہنچے تھے، کہ فقراء کی مجالس میں باقاعدہ شامل ہونے لگے ۔ اور اِن مجالس سے آپ کو عظیم روحانی دولت نصیب ہوئی آپ اتباعِ شریعت کا تو اہتمام خاص رکھتے ہی تھے مگر روحانی تسکین کے لئے آپ کو مرشد کی تلاش ہوئی ۔ چنانچہ آپ نے سندھ کا سفر اختیار کیا ۔ اور حضرت پیر مہر محمد بقاء صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ حضرت مہر محمد بقا صاحب قبیلہ پگاڑو کے مرشد تھے، اور ان کا حلقۂ ارادت بڑا وسیع تھا، چنانچہ بابا صاحب

ان کے ہاں مستقل طور پر رہائش پذیر ہو گئے۔ مرشد کی نظرِ شفقت سے سلوک و وعرفان کی منزلیں طے کرنے لگے۔ مرشد نے آپ کو خلافت کا عظیم اعزاز عطا کیا۔

جھنگ میں آمد

حضرت بابا صاحب ابھی سندھ میں مقیم تھے کہ مہر محمد بقاء صاحب کے مرشد سید عبدالقادر جیلانیؒ جو پیر کوٹ سدھانہ تحصیل جھنگ میں رہائش پذیر تھے سندھ تشریف لے گئے۔ ایک ہفتہ قیام کے بعد جب واپس آنے لگے تو مہر محمد بقاء صاحب نے حضرت بابا صاحب اور سید مبارک شاہ صاحب کو بطور خادمِ خاص اپنے مرشد صاحب کے ساتھ بھیج دیا، اس طرح بابا صاحب جھنگ تشریف لائے، کچھ عرصہ آپ پیر کوٹ سدھانہ میں رہے، بعد میں مرشد سے اجازت لے کر جھنگ صدر میں وارد ہوئے۔ اور اپنا ڈیرہ ہندوؤں کے محلہ میں ایک وسیع میدان میں لگا لیا۔ اور جھونپڑی ڈال لی۔

جس زمین پر آپ نے ڈیرہ لگایا وہ ہندوؤں کی ملکیت تھی۔ انھوں نے بابا صاحب کو تنگ کرنا شروع کیا، مختلف حیلوں بہانوں سے آپ پر پابندیاں لگانے کی فکر میں غلطاں رہے، مگر آپ ہمیشہ ہنس کر ٹال دیتے۔

جھونپڑی کو آگ

ایک دفعہ بابا صاحب جھونپڑی میں نہیں تھے، ہندوؤں نے جھونپڑی کو آگ لگا دی، اور مطمئن ہو کر گھروں کو چلے گئے کہ اب وہ یہاں ٹھہریں گے لیکن جب بابا صاحب آئے تو جھونپڑی بدستور موجود تھی، دوسرے دن جب ہندوؤں نے دیکھا تو وہ بہت گھبرائے اور خوف زدہ ہو گئے۔ بعض بڑی عمر کے ہندوؤں نے کہا کہ بابا صاحب کو نہ ستایا جائے۔ یہ بڑے بزرگ معلوم ہوتے ہیں، لیکن چند سرپھرے ہندو اِن کی موجودگی کو دین و مذہب کے لئے مستقل نقصان سمجھنے لگے۔ اور اِن کے درپے آزار ہو گئے۔

ایک واقعہ

اِن کی جھونپڑی کے سامنے ایک گلی تھی جہاں عورتیں چرخہ کاتتی تھیں اِن میں ایک رام پیاری عورت کا سُوت گم ہو گیا۔ دوسری عورتوں نے اِسے کہا کہ بابا شیخ لاہوری ہی چرا لے گیا ہو گا، اب وہ گلی میں آئے تو اسے سختی سے منع کر دینا۔ چنانچہ بابا صاحب حسب معمول اس گلی میں آئے، رام پیاری نے اِنھیں سخت و سست کہا اور گلی میں آنے سے منع کر دیا، بابا صاحب ہنس پڑے لیکن رام پیاری مشتعل ہو کر بابا صاحب سے زبان درازی کرنے لگی، اچانک بابا صاحب نے اِس پر جلالی اُنگلی ڈالی اور رام پیاری کے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ جس سے محلہ میں کہرام مچ گیا، ہندوؤں نے شور مچایا کہ بابا صاحب

نے رام پیاری پر جادو کر دیا ہے ۔ بابا صاحب اپنے ڈیرہ پر واپس آگئے ۔ ہندوؤں نے رام پیاری کو آگ سے بچانے کے لئے بہت سے جتن کئے، لیکن آگ نہ بجھ سکی، اس کا چہرہ جھلس گیا، اور جسم پر داغ پڑ گئے ۔ اس کے باوجود اس کے کپڑوں سے دھواں اُٹھتا رہا ۔ چند بڑی عمر کے ہندوؤں نے بابا صاحب کے یہاں پہنچ کر معافی مانگی ۔ اور ان سے کہا کہ دعا کریں، اس عورت کا عذاب ٹل جائے ۔ بابا صاحب نے اِن سے کہا کہ رام پیاری کا سوت اس کی نند نے چوری کیا ہے ۔ جو اس سے رنج رکھتی ہے ۔ مگر اس نے اسی کے کہنے پر مجھے ملامت کی ۔ جب رام پیاری کی نند نے بابا صاحب کی بات سُنی تو وہ دھڑام سے زمین پر گر گئی ۔ اور اس کا چھ ماہ کا حمل بھی ساقط ہو گیا ۔ اِس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو رام پیاری کا سُوت بھی مل گیا ۔ اِس واقعہ سے ہندوؤں میں بابا صاحب کی عزت بھی بڑھ گئی ۔ اور وہ بابا صاحب کو خود اپنے گھروں میں لے جانے لگے ۔

لڑکے کی بشارت

رام پیاری اور اس کی نند نے بابا صاحب سے گڑگڑا کر معافی مانگی ، بابا صاحب نے معاف کر دیا ، اور رام پیاری کی نند کو جس کا پہلا حمل ساقط ہو گیا تھا لڑکے کی بشارت دی ، چنانچہ اگلے سال اِس کے لڑکا پیدا ہوا ، جسے وہ بابا صاحب کے پاس لے آئی ۔ اُنھوں نے فرمایا اِسے اِسلام

کے سپرد کر دو، چنانچہ یہ خاندان مسلمان ہو گیا، لیکن ہندو محلہ میں رہنا ان کے لئے مشکل تھا، بابا صاحب ان کو ساتھ لے کر اپنے مرشد کے پاس پیر کوٹ سدھانہ چلے گئے۔ یہ خاندان بعد میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ثانی کا خدمت گار ہوا۔

بابا صاحب کی غیر حاضری

بابا صاحب مرشد کے پاس تھے کہ ان کی غیر موجودگی میں ایک سادھو یہاں آیا اور اس نے بابا صاحب کی سخت مخالفت کی، اور ہندوؤں کو اکسایا کہ اب اگر بابا صاحب آئیں تو ان کو قتل کر دینا، ورنہ وہ ہندوؤں کو مسلمان کر کے تمہارے مذہب کو مٹا دیں گے، چنانچہ بابا صاحب کو بھی اس کی خبر مل گئی۔ وہ واپس اپنی جھونپڑی میں آگئے۔ شرارتی ہندوؤں نے اس موقع کو غنیمت جانا۔

بابا صاحب کا قتل

ایک دفعہ چند شرارتی ہندوؤں نے بابا صاحب پر حملہ کر دیا، اور قتل کر کے ان کی نعش کے ٹکڑے بوری میں بند کر دیئے۔ اور یہ بوری دریا چناب میں جا کر پھینک دی۔ ہندو اپنی طرف سے خوش اور مطمئن گھروں کو لوٹ آئے۔ لیکن بابا صاحب ان کی گلی میں زندہ موجود تھے، بابا صاحب نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا — تم لاکھ دفعہ قتل کرو، جب تک میرا خدا

مجھے نہ مارے ۔ میں نہیں مر سکتا ۔

سیلاب کو روک دیا

ایک دفعہ جہلم و چناب میں زبردست سیلاب آیا ۔ لوگ خوف زدہ ہو کر نقل مکانی کرنے لگے ، کچھ لوگ بابا صاحب کے پاس آئے کہ سیلاب کے عذاب سے نجات ملے ۔ بابا صاحب اُٹھے اور گھڑے بھنی پر جہاں پہلا حفاظتی بند دار شکوہ کا تعمیر کردہ تھا ، کھڑے ہو کر دعا مانگی ، ابھی ہاتھ بھی نہیں چھوڑے تھے کہ پانی اترنے کی آواز آئی اور سیلاب اترنا شروع ہو گیا ۔

وفات

بابا صاحب نے کوئی شادی نہ کی ، تمام عمر یونہی گزار دی ، ان کی وفات پیر کے روز ۷ بیساکھ بعد نماز عشاء ہجری ۱۱۰۵ میں ہوئی ۔ وفات سے قبل آپ اپنی جھونپڑی میں تنہا تھے ۔ اور ذکر الٰہی کی آواز بلند ہوتی رہی ۔ جب آواز رک گئی تو ایک بزرگ حضرت پیر مبارک شاہ سندھی تشریف لائے ۔ انھوں نے دروازہ کھولا اندر گئے تو بابا صاحب چت لیٹے ہوئے تھے ۔ اور روح پرواز کر چکی تھی ۔ چنانچہ مبارک شاہ سندھی نے ان کو غسل دیا مسلمانوں نے ان کا جسدِ مبارک عام قبرستان میں دفن کرنے کے لئے لے جانے کی کوشش کی ۔ مگر ہندوؤں نے ان کو روک دیا اور اپنی نگرانی میں ان کو انہی کی جھونپڑی میں سپرد خاک کیا ۔ اور خود ان کا پختہ مزار بنوایا ۔

ہندو بھی ان کا ہر سال ۷ ربیساکھ کو میلہ مناتے، اور خیرات بانٹتے تھے، قیامِ پاکستان کے بعد ہندو چلے گئے تو یہ جگہ پانی پت کے مشہور عالم مفتی عبدالرحیم صاحب نے حاصل کر لی۔ یہاں ایک پختہ مسجد تعمیر کرائی اور بابا صاحب کا مزار مسجد کے صحن میں شامل کیا،

جب مفتی عبدالرحیم صاحب وفات پا گئے تو ان کو بھی بابا صاحب کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اِس جگہ اب جامعہ رحیمیہ قائم ہے۔

شیر فتح اللہ باٹا

مدفن حویلی باٹیاں تحصیل چنیوٹ

حضرت شیر فتح اللہ عرف باٹا سادات گیلانی سے تعلق رکھتے تھے اور گیارھویں صدی عیسوی میں اپنے بھائی شیر جلال کے ہمراہ جھنگ تشریف لائے اس وقت حافظ برخوردار اور میاں محمدی کا شہرہ تھا۔ آپ نے ان ہم عصر بزرگوں سے مراسم استوار کیے صاحبِ کرامت بزرگ تھے ہمیشہ جذب و مستی میں رہتے اور ارادت مندوں کو باریاب فرماتے۔ ایک دفعہ کسی نے آپ کی ذات کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے کریر کے کچے پھلوں جسے جھنگ کی زبان میں باٹا کہا جاتا ہے توڑ کر کہا یہ میری ذات ہے اس دن سے آپ باٹا مشہور ہوئے اصل نام فتح اللہ تھا اور شیر انکے تابع تھا۔ اس وجہ سے شیر فتح اللہ باٹا مشہور ہوئے ہر سال ۱۱ ساون کو تین دن ان کے مزار پر میلہ دھوم سے منایا جاتا ہے۔

شہیدانِ چشت

مدفن:۔ بازار لوہاراں جھنگ صدر

بازار لوہاراں جہاں سے شروع ہوتا ہے، اس کے شمال میں ایک چھوٹی سی گلی ہے۔ اس کے اندر جاکر پانچ شہیدوں کی قبریں موجود ہیں۔ پہلے ان کے گرد ایک چھوٹا سا احاطہ قائم تھا۔ یہ علاقہ سب ہندوؤں کا تھا اور اور شروع میں ہندوان کی بے حرمتی کرتے تھے لیکن ان کے جلال نے ایک دفعہ ہندوؤں کو سخت ذہنی نقصان پہنچایا۔ بے حرمتی کرنے والوں کے جسموں کو آگ لگ جاتی اور جب تک وہ تائب ہو کر معافی نہ مانگتے۔ عذاب سے نجات نہ ملتی۔ ایسے دو چار واقعات رونما ہونے کے بعد ہندوؤں نے قبروں کو باقاعدہ صاف رکھنے اور چراغ جلانے کا سلسلہ شروع کیا، اس کے بعد اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ یہ پانچوں بزرگ سلسلہ چشتیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ دھڑ کے بغیر ان کے پانچ سر یہاں آئے تھے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس عہد کے ہیں اور ان کے نام کیا ہیں، ان کی قبروں کے نشان موجود ہیں۔ جھنگ کے قدیمی باشندے محرم کی دسویں تاریخ کو ہر سال ان کی قبروں پر پانی اور کھجور کے پتے ڈالتے ہیں

حضرت شاہ صادق نہنگ

ولادت :۔ نامعلوم

وفات :۔ ۱۱۸۱ ہجری

مدفن :۔ قصبہ شاہ صادق نہنگ

حضرت "محمد شاہ" عرف شاہ صادق نہنگ ایک سیلانی فقیر تھے۔ جو علاقہ سندھ سے اپنے مرشد کے حکم پر علاقہ ملتان اور جھنگ تشریف لائے۔ ان کے حالاتِ زندگی تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہیں۔ تلاشِ بسیار کے باوجود تاریخ و سیرت کی کتب سے ان کے ابتدائی حالات کے بارے میں کوئی معلومات میسر نہیں آسکیں۔ تاہم جس قدر ان کے حالاتِ زندگی مصدقہ ذرائع سے ملے ہیں ان کے مطابق حضرت محمد شاہ صاحب عرف صادق نہنگ مشہور مغل تاج دار اورنگ زیب عالم گیر کے عہد حکومت میں سندھ سے جھنگ تشریف لائے۔

آپ کا روحانی سلسلہ بزرگانِ قلندریہ سے نسبت رکھتا ہے، اور اسی طریق فیض کو آپ نے بھی جاری رکھا۔ آپ اپنے وقت کے باکمال سالک اور صاحبِ طریقت بزرگ تھے۔ آپ سندھ سے جھنگ آکر موجودہ قصبہ

شاہ صادق جھنگ میں جو اِس وقت جنگل تھا ۔ ایک جھونپڑی ڈال کر مقیم ہو گئے جنگل سے گزرنے والے مسافر عموماً پانی پینے یا آرام کرنے کی خاطر اِن کی جھونپڑی میں آتے ۔ آپ مسافروں کو اِسلام کی حقانیت سے آگاہ کرتے اور اِسلام کی تعلیم و تبلیغ فرماتے ۔ آپ کی زبان میں بے پناہ اثر تھا ۔ جو شخص بھی ایک دفعہ اِن کی جھونپڑی میں آتا ۔ وہ ہمیشہ کے لئے اِن کا عقیدت مند ہو جاتا ، اور ان کے فرمودات پر عمل کرنے کو اولیت دیتا ۔ اِس طرح اِن کی شہرت دور دراز تک پھیل گئی ۔ اس وقت کی مشہور قوموں سیال ، کاٹھیہ ، بُھونہ ، کلاسن ، چچھڑ ، بھروانوں نے ان سے فیض حاصل کیا ۔ اور ان کی خدمت میں جاگیریں بطورِ نذرانہ پیش کیں ۔

چونکہ آپ کو دنیاوی دولت و عزت سے نفرت تھی ، اِس لئے آپ ان جاگیروں کو فقراء میں تقسیم کر دیتے ۔ تاہم ان کے عہد میں ملنے والی بعض جاگیریں جو سو مربع اراضی پر مشتمل تھیں ، اِن کے ورثاء اور جانشینوں کے قبضہ میں نسلاً منتقل ہوتی رہیں ۔ آپ کا وصال ۱۰۸۱ھ ہجری میں ہوا اور ان کی وصیت کے مطابق جھونپڑی میں ہی ان کا جسد سپردِ خاک کیا گیا ۔ جہاں بعد میں ۱۳۱۲ھ سے ۱۳۱۶ھ کے درمیانی عرصہ میں فقیر نصرت علی کے عہد سجادگی میں ان کا پختہ مزار تعمیر ہوا ، اور ساتھ ہی مسجد بھی تعمیر ہوئی ۔

سجادہ نشین

حضرت شاہ صادق نہنگ کی وفات کے بعد علی الترتیب حضرت قطب شاہ ۔ فقیر محمد رشید ۔ فقیر ڈوگر ملنگ ۔ حضرت میاں رانجھا ۔ حضرت میاں نصرت شاہ ۔ فقیر میاں کوچک ۔ فقیر حیدر شاہ ۔ فقیر میاں محمد علی ۔ حضرت میاں محمد پناہ ۔ فقیر نصرت علی ۔ فقیر میاں محمد رشید ۔ اور موجودہ سجادہ نشین فقیر محمد خورشید بی اے مسند سجادگی پر متمکن ہوئے ۔

فقیر محمد رشید گیارہویں سجادہ نشین بڑے علم دوست، غریب پرور اور حسنِ اخلاق کے مالک تھے ۔ جن کا عوام اور حکام دونوں میں احترام تھا ۔ اور انھوں نے فقیر محمد خورشید کو اپنی زندگی میں مسند سجادگی پر فائز کیا تھا ۔

حضرت شاہ صادق نہنگ جو سکھوں کے نہنگ گروہ کے بھی مرشد تھے کا عرس ماہ مگھر میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے ۔ اب محکمۂ اوقاف کا اس پر قبضہ ہے ۔

حضرت پیر عبدالرحمٰن قریشی

مدفن :- موضع پیر عبدالرحمٰن
تحصیل شورکوٹ

حضرت پیر عبدالرحمٰن صاحب قریشی کا مزار مبارک گڑھ مہاراجہ کے قریب آپ کے نام پر آباد شدہ قصبہ میں مرجع خلائق ہے ۔ اور آپ کے عقیدت مندوں کا وسیع تر حلقہ سابق صوبہ سندھ و سرحد تک پھیلا ہوا ہے، آپ کی کرامات کا شہرہ دور دور تک ہے۔

آپ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں آپ کے سجادگان و اولاد نے جو کوائف مرتب کر کے کتابی صورت میں شائع کئے ہیں، اُن کے مطابق — "آپ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ہیں جو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں ۔ اور اسلام کے ابتدائی شیدائیوں میں ہیں ۔ آپ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں براستہ سندھ وارد جھنگ ہوئے ۔ جہاں آپ کا وصال ہوا اور موجودہ مزار میں ہی دفن ہوئے —"

مندرجہ بالا واقعات جو کتابی اور مطبوعہ صورت میں موجود ہیں تحقیق لحاظ سے قابلِ یقین نہیں ہیں ۔ کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف

کا وصال مدینہ طیبہ میں ہوا۔ اور آپ جنت البقیع میں مدفون ہوئے جس پر تمام مورخین کا اجتماع و اتفاق ہے۔ اور جو لوگ مدینہ طیبہ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں وہ حضرت عبدالرحمٰنؒ بن عوف کے مرقد پہ حاضری دے آئے ہیں۔ کوئی دلیل اور کوئی قیاس اور کوئی قیافہ ان کوائف کو صحیح تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہے۔

آپ کے بارے میں میری تحقیق کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی۔ پہلی روایت جس کا سطور بالا میں ذکر ہے ایک کتاب سے ماخوذ ہے جو آپ کی اولاد میں سے ایک صاحب نے شائع کرائی ہے۔

ایک روایت یہ بھی دستیاب ہوئی ہے کہ حضرت پیر عبدالرحمٰن صاحب در اصل حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کی اولاد میں سے ہیں۔ موجودہ نظامِ درگاہ سے قبل حضرت غوث بہاء الحق کے سجادگان کا آپ کے مزار پر عمل دخل اور تصرف تھا۔ چنانچہ نواب مظفر خاں سدوزئی حاکم ملتان کے پاس درگاہ کی تولیت کا تنازعہ گیا۔ اس مقدمہ میں نواب مظفر خاں نے موجودہ سجادگان کا حق نائق قرار دیا۔ اور ان کا قبضہ صحیح تسلیم کیا۔ جس کے بعد موجودہ سجادگان کے بزرگ مزار کی تولیت پر فائز ہوئے۔

تیسری روایت یہ بھی مشہور ہے کہ آپ قریشی الاصل تھے اور

تابعین رسول اللہ ؐ میں شامل تھے۔ آپ مشہور اموی خلیفہ معاویہ بن یزید کے عہد حکومت میں براستہ سندھ ملتان تشریف لائے۔ اس وقت جھنگ کا علاقہ صوبہ ملتان کا حصہ تھا۔ ملتان سے وارد جھنگ ہوئے۔ آپ تجارتی قافلے کے ساتھ آتے تھے۔ مگر مستقل طور پر اسی جگہ سکونت پذیر ہوگئے۔ عربوں کے جس قافلے پر کراچی کے راجہ داہر نے حملہ کیا تھا۔ اس قافلہ میں آپ کی نواسی بھی شامل تھی۔ اور آپ ہی نے حجاج بن یوسف کے پاس راجہ کے خلاف شکایت بھیجی۔ جس پر حجاج بن یوسف نے خلیفہ عبد الملک کے عہد میں نوجوان سالار محمد بن قاسم بن عبد الرحمن بن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفۃ الرسولؐ کی قیادت میں فوج بھیجی اور سندھ کے راجہ کو شکست دے کر ملتان تک کا علاقہ مسلمانوں نے فتح کرلیا۔ آپ محمد بن قاسم کے حملہ کے دوران ہی واصل حق ہوئے اور آپ کو مجاہدین اسلام نے اسی جگہ دفن کیا۔ جہاں آپ کا مزار موجود ہے۔

کتابی یا زبانی یہی تین روایتیں مجھ تک پہنچی ہیں۔ اور تینوں میں نے درج کردی ہیں۔ حقیقت اللہ تعالٰی ہی بہتر جانتا ہے۔

حضرت پیر عبد الرحمن صاحب کا فیضِ عام جاری ہے، اور آج بھی مزار پہ حاضری دینے والا مرادیں پاتا ہے۔ آپ کا عرس ہر سال ماہ چیت کی تیسری جمعرات کو منایا جاتا ہے۔

پیر عبدالغفورؒ

ولادت :۔ ۱۲۴۲ ھج

وفات :۔ ۱۳۲۸ ھج

مدفن :۔ مڈ رجبانہ تحصیل شورکوٹ

حضرت پیر عبدالغفور شاہ رح تیرھویں صدی کے باعمل صاحب کرامت، علومِ شرعیہ و باطنیہ کے کامل بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کا اصل وطن قصبہ چوہڑی ضلع ڈیرہ غازی خاں تھا۔ آپ کا شجرہ نسب ۲۶ واسطوں سے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، آپ قریشی تھے، اور بنو ہاشم کی اولاد تھے، آپ کے والد فضل شاہ حضرت خواجہ محمد سلیمان صاحب تونسوی کے مرید تھے، پیر عبدالغفور صاحب ہجری ۱۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے، اور بچپن میں ہی آپ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

آپ کے سوانح حیات صاحب زادہ محمد یوسف نے مرتب کئے ہیں اُن کے مطابق ـــ فضل شاہ جب اپنے مرشد کے حضور میں تھے تو خواجہ صاحب نے اِن سے دریافت کیا کہ فضل شاہ آپ کے گھر

کمل ہوا ہے یا نہیں ؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ حضرت ہے، تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تمہیں مبارک ہو۔ اللہ تعالے تمہیں دولت فرزندی سے نوازے گا اور یہ لڑکا اپنے وقت کا ولی اللہ ہوگا۔ چنانچہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو چند دن بعد آپ کو حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ خواجہ صاحب نے آپ کو گودی میں لے کر پیار کیا اور دُعا فرمائی چنانچہ بچپن میں آپ اپنے والد محترم کے ساتھ خواجہ صاحب کی خدمت میں عموماً حاضر رہتے۔ جب خود چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو از خود مرشد کی خدمت میں آنے لگے۔ عموماً آپ خواجہ صاحب کے ہاں ہی رہتے۔ آپ ہی سے علوم شرعیہ حاصل کئے اور خواجہ صاحب نے ہی آپ کو خلافتِ روحانی عطا کی۔ ابھی آپ کی عمر ۲۵ سال کی تھی کہ خواجہ صاحب کا وصال ہوگیا۔ اس وقت آپ ڈیرہ غازی خاں میں تھے کہ خواجہ صاحب کے وصال کی اطلاع ملی تو بے قرار ہو گئے، اور روتے رہے۔ رات کو جب روتے روتے سو گئے تو حضرت خواجہ صاحب کا دیدار ہوا۔ آپ نے فرمایا عبدالغفور رنج نہ کرو، میں زندہ ہوں، صرف دُنیا سے اوجھل ہوا ہوں، تم جنوب کی طرف جاؤ اور سلسلہ قادریہ کا فیض حاصل کرو۔ چنانچہ آپ خواب سے بیدار ہوئے اور رختِ سفر باندھ لیا، آپ احمد پور شرقیہ پہنچے، اس وقت حضرت عبداللہ شاہ کی شہرت تھی۔ آپ اِن سے بیعت ہوئے، اور کافی

عرصہ ان کی خدمت میں رہے، ایک دفعہ آپ مزار اقدس سلطان العارفین
سلطان باہوؒ پر حاضری دینے کے لیے تشریف لے گئے، ابھی مزار کے اندر
پہنچے ہی تھے کہ کسی شخص نے آپ کو السلام علیکم کہا آپ نے سلام کا جواب
دیتے ہوئے مڑکر دیکھا تو وہ حضرت عبد اللہ شاہ تھے۔ آپ ان کے
سینے سے لگ گئے، لیکن حیران تھے کہ مرشد یہاں کس طرح آئے۔ چنانچہ عبداللہ
شاہ آپ سے مل کر باہر چلے گئے، تو آپ بھی باہر آگئے اور سجادہ نشین سے
پوچھا کہ کوئی اور شخص بھی مزارِ مبارک کے اندر گیا تھا تو سجادہ نشین نے
نفی میں جواب دیا جس سے آپ متفکر ہو گئے اور اپنے مرشد کے پاس احمد پور
شرقیہ پہنچے، چھ دن کے بعد جب آپ وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ سید
عبداللہ شاہ چھ روز قبل ٹھیک اسی وقت جب مزار حضرت سلطان باہوؒ
کے اندر ملاقات ہوئی تھی، وصال پا چکے تھے۔ آپ رنجیدہ خاطر جنگل کی
طرف چلے گئے، کئی دن جنگل میں گزارنے کے بعد آپ شورکوٹ شہر پہنچے
جہاں آپ کی شہرت پہلے ہی ہو چکی تھی، بہت سے زمیندار آپ کے
بیعت ہوئے۔ ان میں مدرجیانہ کا مراد سیال بھی تھا۔

چند ماہ شورکوٹ رہنے کے بعد آپ مراد سیال کی فرمائش پر ایک
رات کے لئے مدّ تشریف لائے، جب نماز عشاء کے بعد آپ کوزہ لے کر ایک
جگہ سے گزرے تو آواز آئی "تمہارا مدفن یہی ہوگا" یہ سن کر آپ نے

سفر کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور مڈ میں ہی رہائش اختیار کرلی۔ اور قریباً ۵۰ سال تک اپنے ارادت مندوں کو فیض یاب کیا۔ آپ سے بے شمار خوارق الفطرت ناقعات اور کرامات ظہور پذیر ہوئیں، علمی تذکرے اور مباحثے بھی علماء سے اکثر ہوتے رہتے۔ جہاں آپ نے حجرہ بنوایا تھا اس کے جنوبی کونے میں آپ کسی شخص کو بیٹھنے نہیں دیتے تھے، کیونکہ آپ فرماتے تھے۔ میں حضرت غوث الثقلین پیر محبوب سبحانی۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور پیر عبداللہ شاہ کو اس کونے میں عموماً دیکھتا ہوں۔

جب آپ کا وصال ہوا تو وصیت کے مطابق آپ کو حجرہ کے اسی جنوبی کونے میں دفن کیا گیا۔ آپ کا وصال ۱۰ صفر ۱۳۲۸ ہجری کو بروز پیر ہوا۔ آپ کا سن وصال اس مصرعہ سے بھی نکلتا ہے۔ ع

سال ہجری گشت غرق وحید

آپ کا مزار قصبہ مڈ رجبانہ میں مرجع خلائق ہے اور ہر سال بھاری عرس منایا جاتا ہے۔ آپ کے پہلے سجادہ نشین حضرت عبدالرزاق شاہ تھے جو وفات پا چکے ہیں۔ ان کا مزار بھی اسی جگہ واقع ہے۔

★

سیّد عبدالقادر جیلانی

ولادت:- ۱۱۱۰ھ

وفات:- ۱۱۹۰ھ

مدفن:- پیر کوٹ سدھانہ تحصیل جھنگ

حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی سلسلۂ قادریہ کے مشہور مبلغ اور خانوادہ سیّد الامام حضرت علی مرتضیٰ کے صاحبِ طریقت بزرگ تھے آپ کا نسبی شجرہ ۲۶ واسطوں سے حضرت علیؓ اور سولہ واسطوں سے سیّدنا حضرت عبدالقادر جیلانی رضؓ سے ملتا ہے۔ آپ خانوادہ غوث الاعظم کے عظیم و کامل ولی تھے۔

ولادت

آپ کے والد محترم سید محمد ابراہیم ... غوثیہ کے سجادہ نشین سید محمد یٰسین کے خدام میں شامل تھے، عمر سا... سال کی ہو چکی تھی لیکن اولاد نرینہ سے محروم تھے، عمر کے آخری حصے میں آپ کی ولادت ہوئی۔ تو یہ گھرانا بھی دنیاوی مسرتوں سے ہم کنار ہوا۔ ... ۱۱۱۰ھ ہجری بروز جمعہ بعد از طلوعِ آفتاب اس دنیا میں تشریف لائے۔

بچپن

ابھی آپ کی عمر تین سال کی ہی تھی کہ والد نے آپ کو بغداد کے ایک مدرسہ میں داخل کر دیا۔ سات سال کی عمر میں ناظرہ قرآن ختم کیا۔ اور دس سال کی عمر میں حفظ کر لیا۔ ابتدائی شرعی علوم سے آپ بارہ سال کی عمر میں فارغ ہو گئے۔ اور روحانی تشنگی بجھانے کے لیے آپ بارگاہِ غوثیہ میں حاضری دینے گئے۔ جہاں آپ کو علم و عرفان کی نعمت عطا ہوئی۔ اور شریعت و طریقت کے ماہ کامل بنے۔

بادشاہِ ہند کی دعوت

محمد شاہ غازی تاج دار دہلی نے بارگاہِ غوثیہ کے سجادہ نشین سید محمد یٰسین سے درخواست کی کہ وہ ایک تبلیغی وفد ہندوستان روانہ کریں اور خود بھی تشریف لائیں، چنانچہ اس درخواست پر دس بزرگوں پہ مشتمل ایک وفد ہندوستان وارد ہوا۔ اس وفد میں آپ اور آپ کے والد بھی شامل تھے، دہلی میں مشائخ و صوفیاء نے وفد کا استقبال کیا، چنانچہ آپ نے بھی ہندوستان کے مختلف بزرگوں کے مزارات کی زیارت کی، اور اس عہد کے جید علماء و مشائخ سے ملاقات فرمائی۔ جب وفد چھ ماہ بعد واپس بغداد پہنچا تو آپ کو ہندوستان بڑا پسند آیا، اور آپ نے ایک سال بعد قریباً ۱۳ سال کی عمر میں پھر ہندوستان جانے کے لئے والد محترم سے

اجازت حاصل کی اور ہندوستان تشریف لائے ۔

سندھ میں ورود

آپ قریبًا ۱۱۴۱ ہجری میں سندھ کے راستے وارد ہند ہوئے آپ کا جہاں قیام ہوتا عقیدت مند گروہ در گروہ جمع ہو جاتے ۔ آپ تبلیغ فرماتے اور پھر اگلے پڑاؤ کو چل پڑتے، جہاں جہاں آپ نے قیام کیا یا گزرے فیض روحانی کی نعمت عطا فرماتے رہے، پنڈتر سندھ کا پہلا شہر ہے جہاں آپ نے قیام فرمایا ۔ پھر نصیر آباد، لکی سیداں، لعل شہباز قلندر، نوشہرہ، روہڑی، سانگھڑ، شکارپور وغیرہ میں بھی کچھ عرصہ مقیم رہے ۔ حضرت لعل شاہ قلندر (سن وفات ۶۷۴ ہجری) کے مزار پر بھی مراقبہ فرمایا ۔

مہر محمد بقا سے ملاقات

آپ نوشہرہ میں تھے کہ قبیلہ بگاڈو کے مرشد حضرت مہر محمد بقا صاحب کو آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی، مہر صاحب خود چل کر آپ کی مجلس میں گئے، دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھتے ہی بیک آواز کہا ۔ ہم نے پہچان لیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ بارگاہِ غوثیہ سے آپ کو ہدایت ملی تھی، کہ مہر محمد بقا کو بیعت فرمائیں، اور مہر صاحب کو بشارت ملی تھی کہ مرشد ان کے گھر چل کر آئے گا ۔ چنانچہ آپ نے مہر محمد بقاء صاحب کو بیعت فرمایا

اور چند روز قیام کے بعد سفر پہ چل پڑے۔

صوبہ سرحد میں تشریف آوری

سندھ سے آپ صوبہ سرحد تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کو چلّہ کا حکم ملا۔ آپ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں پہاڑ کی غار میں چلّہ کروں گا، جس روز میرا چلّہ ختم ہو تم اس زمانہ جوَ اور پانی کا لوٹا لے آنا تاکہ افطاری کرسکوں، چنانچہ یہ ہدایت دے کر آپ غار میں چلے گئے، جب چالیس دن پورے ہوئے تو آپ غار سے باہر نکلے، مگر اتفاق سے خادم جو اور پانی لانا بھول گیا، آپ نے انتظار کیا، جب رات ڈھل گئی تو روزہ افطار کئے بغیر آپ نے دوسرا چلّہ شروع کرلیا۔ اِس کے اختتام پر پھر خادم حاضر نہ ہوسکا تو آپ نے تیسرا چلّہ شروع کردیا، جب یہ ختم ہوا تو مسلسل ریاضت وعبادت کے باعث آپ کا جسم لاغر ہوچکا تھا، آپ غار سے باہر نکلے تو خادم پھر غائب تھا، آپ کو تعجب ہوا، اِس دوران چند مسافر اِدھر سے گزرے آپ نے پانی اُن سے طلب کیا، اس پانی سے آپ نے روزہ افطار فرمایا۔

احمد شاہ درانی

اِن مسافروں میں سے جس نے آپ کی خدمت میں پانی پیش کیا تھا اُس سے آپ نے نام دریافت کیا، اس شخص نے اپنا نام احمد خاں درانی بتایا، آپ نے مُسکرا کر فرمایا ــــ "احمد خاں، تم نے میری پیاس

بجھائی، اللہ تعالےٰ تمہاری پیاس کا سامان فراہم کرے گا۔" احمد خاں نے عرض کیا۔ "حضرت! میری کیا پیاس کیا ہے؟"

آپ نے فرمایا "حکومت! جاؤ آج سے تم احمد خاں نہیں بلکہ احمد شاہ ابدالی ہو، اور کابل کی حکومت خدا تمہیں عطا کرے گا۔ لیکن اس سے قبل کہ تم کابل کی حکومت سنبھالو اپنے وطن مولود ملتان جاؤ وہاں ایک مجذوب بزرگ رہتے ہیں۔ ان کی وفات ہونے والی ہے، بزرگ کو کفن دفن کرنے کے بعد اپنی مہم پر جانا، آپ نے اپنا کرتہ اتار کر دیا اور ایک ٹھیکری پر کابل کی حکومت کا پروانہ لکھا۔

بغداد کو واپسی

آپ ابھی صوبہ سندھ میں ہی مقیم تھے کہ روحانی طور پر آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کے والد جو ضعیف ہو چکے ہیں آپ کے لئے اداس ہیں چنانچہ آپ افغانستان کے راستے سے عراق گئے، کربلائے معلےٰ، نجف اشرف کی زیارت سے مشرف ہو کر حجاز پہنچے، حج بیت اللہ کرنے کے بعد آپ پھر بغداد تشریف لائے۔

آپ کی آمد کی روحانی طور پر اطلاع پاکر آپ کے والد راستے میں آکر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے، آپ بھی اسی درخت کے پاس پہنچے اور پھر باپ بیٹا دونوں بغداد میں داخل ہوئے۔

تیسری بار ہند میں آمد

آپ کو بغداد میں ہی اطلاع مل گئی تھی کہ نادر شاہ والی کابل قتل ہو گیا ہے، اور اُس کی جگہ اُمرائے دربار نے احمد شاہ ابدالی کو اپنا امیر چُن لیا ہے۔ چنانچہ چھ ماہ بغداد کے دورانِ قیام آپ کے والد محترم وفات پا گئے۔ والدہ پہلے ہی جہان فانی سے عالمِ بقا کو چلی گئی تھیں۔ آپ کا دِل ہندوستان کے لیے اُداس و بے قرار تھا۔ آپ نے بارگاہِ غوثیہ سے اجازت حاصل کی۔ اور پھر ہندوستان کے لیے سفر اختیار کیا۔ جب آپ کابل پہنچے تو احمد شاہ نے آپ کا استقبال کیا اور شاہی مہمان خانہ میں رکھا۔ یہاں سے پھر آپ پنجاب تشریف لائے۔

پیر کوٹ

پیر کوٹ سدھانہ نام کا قصبہ آپ ہی نے آباد کیا۔ آپ نے جھنگ تشریف لا کر دریا کے کنارے ڈیرہ ڈال دیا، اور پھر یہی جگہ آپ کا مدفن بنی۔ اور مرجعِ خلائق ہوئی، اسی جگہ قبیلہ گاڑو کے مرشد مہر محمد بقا نے آپ کی خدمت میں حضرت بابا شیخ لاہوری اور پیر مبارک شاہ سندھی بطورِ خادم پیش کئے۔ یہ دونوں بزرگ جھنگ صدر میں مدفون ہیں اور اپنے عہد کے کامل ولی اللہ ہوئے ہیں۔

ازواج و اولاد

آپ نے پہلا نکاح گجراں والہ کے مغل گھرانے کی ایک خاتون سے کیا، اِس خاتون کے بطن سے سید شاہ اور مرزا پیر فرزند پیدا ہوئے۔ دوسری شادی سادات بنو ہاشم کی ایک خاتون سے کی، اس کے بطن سے حامد شاہ اور غلام مصطفےٰ شاہ دو بیٹے ہوئے۔ اِن کی اولاد گجرانوالہ میں ہے

تیسری شادی آپ نے سید حسن شاہ گیلانی کی دختر سے کی، اس خاتون کے بطن سے ۸ فرزند ہوئے، بڑا لڑکا سید گیلانی آپ کی وفات کے بعد آپ کا جانشین مقرر ہوا۔ اور پھر اس وقت تک سجادگان کا سلسلۂ مسند جاری ہے، اِس وقت سید آفتاب احمد شاہ گیلانی آپ کے سجادہ نشین ہیں۔ گو مزار اور اس سے ملحقہ جاگیر اب محکمۂ اوقاف کے قبضہ میں ہے، تاہم آپ کی اولاد کا دینی اور سیاسی اثر ورسوخ اب تک مسلمہ ہے، اور آپ کی اولاد میں بڑے عالم فاضل لوگ گزرے ہیں۔ مشہور ماہر تپ دق ڈاکٹر ریاض علی مرحوم، سید مغیث الدین، سید غیاث الدین حضرت پیر محمد افضل شاہ آپ ہی کی اولاد ہیں

خلفاء

آپ کے خلفاء کی تعداد یوں تو بہت زیادہ ہے، لیکن مشہور نام

یہ ہیں — پیر سید محمد لقاء - سید صالح محمد شاہ - میاں محمد اسمٰعیل - میاں محمد صالح - سید مبارک شاہ سندھی - بابا شیخ لاہوری - حاجی عبدالقادر میاں غلام مصطفیٰ - میاں محمد بوٹا، حافظ رحمت علی - میاں نور محمد نکیانہ میاں محمد عثمان ٹوند - فقیر محمد - صدیق لالی وغیرہم

کرامات

آپ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل مطبوعہ کتاب "گلزارِ قادری" میں آپ سے منسوب سینکڑوں کرامات درج ہیں، جن کی تفصیل دینا مشکل ہے، آپ کا فیض باطنی اب تک جاری ہے۔ سندھ، سرحد، پنجاب کے لاکھوں عقیدت مند اب بھی دربار کی حاضری کو سعادت سمجھتے ہیں۔ کرامات کے سلسلہ میں صرف ایک واقعہ درج کرتا ہوں۔

جب احمد شاہ ابدالی لاہور میں لوٹ مار کر کے واپس جا رہا تھا تو آپ اس وقت پہنچ گئے، احمد شاہ نے قافلہ روک لیا اور آپ کو مہمان ٹھہرایا۔ آپ نے احمد شاہ سے کہا کہ جس قدر قیدی تمہارے پاس ہیں سب رہا کر دو - چنانچہ احمد شاہ نے حکم کی تعمیل کی۔ تمام قیدی رہا ہو گئے، احمد شاہ نے آپ کو اطلاع دی۔ مگر آپ نے فرمایا کہ فلاں مقام پر ایک سپاہی نے صندوقوں میں عورتیں بند کر رکھی ہیں۔ وہ چھوڑ دو، چنانچہ احمد شاہ نے خود جا کر صندوق کھلوائے تو ان میں سے عورتیں ملیں، احمد شاہ

نے اِس سپاہی کو حکم عدولی کی بناء پر قتل کر دیا۔ان رہا شدہ قیدیوں میں چھ عورتیں ایسی تھیں جن کا کوئی وارث نہ تھا، چنانچہ وہ آپ نے اپنے ذمے لے لیں۔ اور اِن کو وفات تک اپنے پاس رکھا۔

وفات

آپ کی وفات ۱۱۹۰ھ کو بعد نماز عشاء ہوئی، اور آپ اپنے حجرے میں ہی دفن ہوئے، آپ کی تاریخ وفات:۔

"خاتم الاولیاء"

۱۱۹۰

سے بھی نکلتی ہے۔ آپ کے مزار پر یکم مئی کو عرس منایا جاتا ہے؛

حافظ عبدالکریم نقشبندی

وفات :۔ ۱۱۷۵ھ

مدفن :۔ قبرستان جھٹیانہ جھنگ صدر

حافظ عبدالکریم صاحب جن کا مزار تھانہ صدر جھنگ سے ملحقہ قبرستان جھٹیانہ قدیم میں موجود ہے، گیارہویں صدی ہجری کے صاحبِ جلال بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ شریعت کے عالم اور سلسلہ قادریہ کے مبلغ تھے۔ غیر شرعی لوگوں سے عموماً دور رہتے، بڑے جلالی تھے اور خلاف شرع باتوں پر سخت خفگی کا اظہار فرماتے تھے، ان کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے، البتہ "المنبر" اخبار کے پرانے فائل سے ان کا سرسری تعارف نظر سے گزرا ہے۔ جس کے مطابق آپ ملتان سے جھنگ آئے تھے۔ اور حافظ مولانا عبیداللہ صاحب کے ہم عصر تھے (مولانا عبیداللہ صاحب کے نام سے محلہ باغ والا جھنگ صدر میں تین گنبد والی مسجد اب بھی موجود ہے) مولانا عبیداللہ صاحب کا مزار ملتان میں ہے اور ان کا نسبی سلسلہ جھنگ کے ایک خاندان سے بھی وابستہ ہے، حافظ عبدالکریم صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کے مزار پر ناپاک شخص حاضری نہیں دے سکتا، کیونکہ اسے خوف محسوس ہوتا ہے، مشہور ہے

کہ آپ جس مسجد میں درس قرآن مجید دیتے، اُس میں جن کثیر تعداد میں شامل ہوتے
آپ کی متعدد تصانیف فارسی اور پنجابی میں ہیں۔ لیکن اس وقت ناپید ہیں، البتہ
ایک مختصر رسالہ "نجات المومنین" جو آسان پنجابی زبان میں آپ نے لکھا
تھا، بعض گھرانوں میں موجود ہے۔ اِس رسالہ میں حافظ صاحب کے احکام
شریعت اور حشر و نشر کے بارے میں اصلاحی اشعار موجود ہیں جو خواتین
مخصوص لے میں پڑھتی ہیں۔

مشہور ہے کہ جب آپ شدتِ مرض کے باعث قریب المرگ تھے اور
آپ کے اکثر تلامذہ بے قرار و مضطرب تھے تو ایک نوجوان طالب علم نے
رو رو کر برا حال کر لیا۔ حافظ صاحب نے اس لڑکے کو طلب کیا اور کہا کہ روؤ
نہ، میں مرنے کے بعد بھی تمہیں پڑھاؤں گا، چنانچہ وفات کے بعد یہ نوجوان
ان کے مزار پر جاتا اور آپ اِسے سبق پڑھاتے۔ اُردو کے مشہور شاعر حضرت
مجید امجد کے خاندان کو حافظ صاحب سے ہی علم کی دولت نصیب ہوئی۔

حضرت میاں عثمان

ولادت :۔ ۱۱۲۷ ہجری

وفات :۔ ۱۱۹۹ ہجری

مدفن :۔ ریل بازار جھنگ صدر
مسجد میاں عثمان

حضرت میاں عثمان سلسلہ نقش بندیہ کے درویش اور عالی مقام بزرگ ہوئے ہیں، آپ چدھڑ قوم سے تعلق رکھتے تھے، جھنگ صدر کے رہنے والے تھے، ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی جب جوانی کی منزل میں پہنچے تو والد نے ان کو حضرت حافظ علی محمد صاحب نقش بندی کے سپرد کر دیا، زبان میں بڑی مٹھاس تھی، جب وعظ فرماتے تو لوگ بے حد متاثر ہوتے، حافظ علی محمد صاحب سے روحانی اکتساب علم کیا، ان سے ہی بیعت کی اور ان سے ہی خلافت حاصل کی۔ اور مرشد کے حکم پر ہی اپنی جھونپڑی کے پاس مسجد بنوائی۔ اِن کے حالات زندگی میسّر نہیں آسکے صرف اس قدر معلوم ہو سکا ہے کہ یہ بڑے بلند مقام کے مالک تھے، ان کے خلفاء میں سخی سلطان چنیوٹ، سخی عبدالوہاب چنیوٹ اور میاں حمانند ماتھرو م

جیسے درویش اور ولی اللہ ہوئے ہیں۔

ان کی وفات حافظ علی محمد صاحب کی وفات سے قریباً ۱۹ سال بعد ہوئی۔ میاں حماند ماچھترومہ نے ان کو غسل دیا، اور مسجد کے پاس ہی ان کا جسد سپردِ خاک کیا۔ جہاں بڑا خوب صورت مزار تھا۔ لیکن ۱۹۴۰ء کے سیلاب کے باعث مسجد اور مزار شہید ہو گئے۔ اب یہاں دوبارہ مسجد تعمیر ہوئی ہے، لیکن ان کا مزار تعمیر نہیں ہو سکا۔ البتہ قبر مبارک مسجد کے صحن سے ملحق موجود ہے۔ اور چند اور بھی قبریں ہیں۔ جو شاید ان کے دیگر خلفاء یا اہلِ کنبہ کی ہیں، ان کی اولاد میں بھی عالم باعمل ہوتے ہیں۔

سیّد علی شیر

ولادت :- ۱۲۱۷ ھج

وفات :- ۱۳۲۶ ھج

مدفن :- قصبہ میرک سیال

حضرت سید علی شیر صاحب سلطان ہاشمی وان کے پوتے اور پیدائشی ولی اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے، آپ کی ابتدائی تربیت حضرت سلطان صاحب ہی نے کی تھی۔ چونکہ آپ کے والد محترم سید فتح علی شاہ، عالم جوانی میں وفات پاگئے تھے، لہٰذا آپ کی پرورش دادا سلطان نے کی بچپن سے ہی آپ علم و معرفت سے آگاہ ہوگئے تھے، آپ قرآن کے حافظ و عالم اور مسائل شرعیہ کے شارح تھے، سلطان ہاشمی وان عموماً شرعی مسائل کے لئے اِن سے رجوع کرتے، تاکہ اِن کی قابلیت و علمیت میں مزید اضافہ ہوسکے۔ چنانچہ آپ اپنے دادا حضرت سلطان ہاشمی وان کے صحیح روحانی جانشین ہوئے۔ دادا کی وفات کے بعد کچھ عرصہ جھنگ میں مقیم رہے اور پھر مریدوں کی درخواست پر قصبہ میرک سیال جو شورکوٹ کے قریب ہے چلے گئے اور وہیں وفات بھی پائی۔

آپ کے بارے میں متعدد خوارق واقعات مشہور ہیں۔ عموماً ذکرِ الٰہی میں مستغرق رہتے، دنیاداری کی اُلجھنوں سے پاک وصاف تھے، تنہائی پسند تھے، قرآن مجید کی تلاوت بآوازِ بلند کرتے۔ اور خوش الحان بھی تھے، لوگ اِن کی خدمت میں دعا کے لئے آتے اور مرادوں سے جھولیاں بھرے جاتے۔

اولاد

آپ کو اللہ تعالےٰ نے دو فرزند عطا کئے، دونوں عارف باللہ اور صاحبِ کمال بزرگ تھے۔ ایک کا نام چراغ شاہ اور دوسرے کا حسین شاہ تھا۔ حسین شاہ پنجابی اور فارسی کے بہت بڑے شاعر تھے، اِن کا نعتیہ کلام بہت بلند اور پنجابی دوہے بھی سوز و گداز سے بھرپور ہیں۔ افسوس کہ اِن کا کلام اب نایاب ہے، اِن کی وفات ۱۳۲۶ ہجری میں ہوئی۔ اور ان کا مزار والد کے پہلو میں واقع ہے۔

حضرت سیّد علی شیر صاحب ایک سو دس سال کی عمر پاکر فوت ہوئے آپ کا جسد قصبہ میرک سیال میں دفن کیا گیا۔ جہاں ہر سال بھاری میلہ لگتا ہے اور نذر و نیاز کا سلسلہ ہوتا ہے۔ آپ کے سجادہ نشینوں میں سید امیر علی شاہ سیّد نور سلطان اور اب سید امیر سلطان موجود ہیں۔

●

حافظ علی محمدؒ نقش بندی

ولادت :۔ ۱۱۰۷ ہجری

وفات :۔ ۱۱۸۰ ہجری

مدفن :۔ چوک بازار جھنگ صدر

حضرت حافظ علی محمد صاحب سلسلۂ نقش بندیہ کے مشہور بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کا خاندان تجارت پیشہ تھا، اور افغانستان کے علاقہ ہراتؔ کے رہنے والے تھے۔ اپنے والد سے ہی ابتدائی علوم حاصل کئے۔ جب جوان ہوئے تو کپڑے کی تجارت شروع کر دی۔ قافلوں کی صورت میں وہ ہر سال ہندوستان آتے، اور مختلف شہروں سے کپڑا خرید کر واپس جاتے۔ مسلسل دس بارہ سال وہ ہندوستان آتے رہے۔ ملتان، لاہور اور جھنگ میں ان کے کاروباری مراسم تھے۔

جھنگ میں آمد

قریباً ۴۰ سال کی عمر تھی جب وہ جھنگ تیسری بار تشریف لائے اس وقت جھنگ صدر شہر کی آبادی محلہ پنڈی تک محدود تھی۔ اور بازار لوہاراں میں جامع مسجد چوڑی گراں کے آس پاس کپڑے کی مشہور منڈی تھی —

حافظ صاحب بھی اسی منڈی سے کپڑا خریدتے تھے، جب وہ تیسری مرتبہ یہاں آئے اور مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے گئے تو مسجد کے اندرونی حصہ میں ذکرِ الٰہی کی وجد آفریں آواز سُنائی دی۔ آپ نے یہ آواز سُنی تو دم بخود ہو گئے، فوراً وضو کر کے مسجد کے اندر تشریف لے گئے۔ جہاں حضرت محمد سعد اللہ صاحب ذکرِ الٰہی میں مصروف تھے، حضرت سعد اللہ صاحب نے ایک نگاہِ جلال جو اُن کی طرف اُٹھائی تو تڑپ گئے، اور جذب و مستی کے عالم میں دُنیا سے ایسے بے خبر ہوئے کہ دھڑام سے صحنِ مسجد میں گر پڑے۔ جسم ٹھنڈا لیکن دل گرم ہو گیا۔ حضرت سعد اللہ صاحب نے اُن کو اٹھایا، چہرے پر اپنا ہاتھ پھیرا تو ان کو ہوش آیا۔

خدا کی سوداگری

جب ہوش میں آئے تو حضرت سعد اللہ سے عرض کیا کہ ــ "مرشد! مجھے اپنے چشمۂ فیض سے کسب حاصل کرنے کی اجازت دیں، اور تجارت کے لئے جو اشرفیاں لائے تھے ان کے قدموں میں ڈال دیں۔ کہ ان کو غرباء میں تقسیم کر دیں، مجھے اِس تجارت میں ایسا نفع ہوا ہے کہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، اب میں خدا کا سوداگر ہوں اور اسی کی سوداگری کروں گا۔

چنانچہ حضرت سعد اللہ صاحب نے حافظ علی محمد صاحب کو اپنے حلقۂ تلمذ میں شامل کر لیا۔ اور اس طرح حافظ صاحب نے شرعی اور باطنی علوم

ان سے حاصل کئے۔

شادی و اولاد

چونکہ حضرت سعد اللہ اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ اس لئے حافظ علی محمد صاحب کو اپنا بیٹا بنالیا۔ اور روحانی مسند کے لئے اپنا جانشین نامزد کردیا۔ حافظ علی محمد صاحب کا نکاح قبیلہ نون کی ایک پاک طینت عورت سے ہوا جس کے بطن سے دو لڑکے حافظ جمال اللہ و حافظ غلام محمد ہوئے، حافظ جمال اللہ مجذوب و مست فقیر تھے۔ اور حافظ غلام محمد صاحب علوم شرعیہ کے بہت بڑے عالم ہوئے، اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے قریبی عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ جمال اللہ کے صاحب زادے حافظ غلام حسن صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز کے نامور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز ان سے اکثر اوقات فتوے اور مسائل تحریر کرایا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض مسودات قلمی اب تک ان کے خاندان میں موجود ہیں۔

حافظ غلام حسن کا شہرہ

حافظ غلام حسن جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے خاص تلامذہ میں سے تھے ان کے علم وفضل کا شہرہ سارے پنجاب میں تھا، جب مغلیہ سلطنت پر زوال آیا، اور انگریز نے ہندوستان

میں پاؤں پھیلانا شروع کئے تو انگریز حکمرانوں نے حافظ صاحب کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی، لیکن حافظ صاحب نے سختی سے انکار کر دیا اور گوشہ نشین ہو گئے۔

وفات

حافظ علی محمد صاحب اپنے مرشد کی وفات کے بعد ان کی مسند پر متمکن ہوئے، مگر مرشد کی جدائی برداشت نہ کر سکے، اور صرف دو سال کے بعد ہی وفات پا گئے۔ ان کا جسدِ خاکی چوک بازار کے اندر چھوٹی سی گلی میں سپردِ خاک کیا گیا۔ جہاں اِن کا مزار موجود ہے۔ ہر سال ۱۲؍ جون کو ان کا عرس منایا جاتا ہے۔ اور ان کے مزار کے پاس ہی اِن کے دیگر فرزند اور اہلِ خاندان مدفون ہیں۔

حافظ صاحب سے متعدد خارقِ عادات واقعات منسوب ہیں۔ اور اِن کے دستِ حق پرست سے بہت سے غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، اِن کی وفات اندازاً ۱۱۸۰ھ میں ہوئی۔

خلفاء

حافظ صاحب کے خلفاء میں حضرت میاں محمد عثمان، صاحبِ طریقت بزرگ ہوئے ہیں، جن سے اِس علاقہ کے بہت سے نیک دل لوگوں نے کسبِ فیض کیا۔ اور اپنی زندگی کو روحانیت سے سنوارا۔

حضرت عنایت شاہ

مدفن:- موضع باغ تحصیل جھنگ

حضرت عنایت شاہ نیکوکارہ، جن کا مزار حضرت شیخ کبیر نیکوکارہ کے مقبرہ میں موجود ہے، ہاشمی، قریشی اور حضرت شیخ کبیر کی نسل سے تھے، اپنے عہد کے عارف کامل اور ولی اللہ تھے، آپ سے متعدد خوارق عادت واقعات اور کرامات منسوب ہیں، آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک دفعہ آپ کا ایک عقیدت مند دریا سے پانی لینے گیا، اتفاق سے وہ دریا میں بہہ گیا، جب آپ کو معلوم ہوا تو سخت غصہ آیا، دریا کو حکم دیا کہ وہ اس علاقے سے چلا جائے، چنانچہ دریا نے رُخ بدل لیا، پہلے دریا چناب کی گزرگاہ موضع باغ کی سمت تھی، اس کے بعد دریا دس بارہ میل مغرب کی طرف ہو کر بہنے لگا۔

آپ کا انتقال قریباً ۷۰ سال کی عمر میں ہوا۔ اور اپنے جد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخوں کا علم نہیں ہو سکا۔

O

حضرت غازی پیر

وفات :- ۱۳۲ ہجری
مدفن :- شورکوٹ شہر

حضرت جلال الدین محمد عرف غازی پیر، جن کا مزار شورکوٹ کی طرف جاتے ہوئے دور ہی سے نظر آتا ہے، محمد بن قاسم کی فوج کے ساتھ شورکوٹ آئے تھے، آپ کے ہم عصر اور بھی بزرگ آپ کے ہمراہ تھے۔ ان میں سے بعض جنگ کے دوران شہید ہوئے، غازی محمد بن قاسم کے کثیر لشکریوں کی قبریں شورکوٹ کے آس پاس بھرڑ کے اوپر اور بھرڑ کے عقبی حصہ میں ساحل چناب کی طرف موجود ہیں۔

حضرت غازی پیر بڑے جنگجو اور بہادر تھے۔ اور ساتھ ہی صاحب جلال بزرگ تھے، جب محمد بن قاسم کی فوج نے ملتان فتح کیا، تو سلطنت کے انتظامات کے لئے انھوں نے مختلف علاقوں میں حاکم مقرر کئے، غازی پیر شورکوٹ کے حاکم تھے، مشہور ہے کہ آپ کا دھڑ سیالکوٹ میں دفن ہے، اور سر شورکوٹ کے موجودہ مزار میں ہے۔ لیکن اس روایت کی اصلیت کچھ اور ہے، شورکوٹ سے سیالکوٹ تک کا علاقہ آپ کی قلمرو میں ہونے کے

باعث آپ مختلف علاقوں کا دورہ فرماتے تھے۔ انتظامی امور کے علاوہ آپ صاحبِ ولایت بھی تھے، اِس لئے آپ سے عموماً خوارق الفطرت واقعات سرزد ہوتے تھے۔ اِس وجہ سے یہ روایت مشہور ہو گئی۔ آپ کا انتقال ہجری ۱۳۲ میں ہوا۔ آپ کو موجودہ مقام پر سپردِ خاک کیا گیا، یہاں ایک پختہ مزار اور مسجد بھی موجود ہے۔ آپ کے عقیدت مندوں کا خیال ہے کہ ہر جمعرات کو آپ کے مزار پر جنگل کے خونخوار جانور سلامی دینے آتے ہیں۔ ممکن ہے کسی زمانے میں ایسا ہوتا ہو، لیکن اب نہیں ہے۔ لوگ آپ کے مزار پر منتیں مانتے ہیں اور مرادیں حاصل کرتے ہیں۔

آپ جلالی بزرگ تھے اور غیر شرعی باتوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ حکومت نے مزار اور اس سے ملحقہ جائیداد کو وقف قرار دے دیا ہے۔

ہر سال چیت کے تیسرے جمعہ کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے جس میں ہزار ہا عقیدت مند شامل ہوتے ہیں۔

O

غریب شاہ قریشی

مدفن:۔ موضع باغ تحصیل جھنگ

حضرت غریب شاہ ہاشمی قریشی جناب حضرت شیخ کبیرؒ کی ۸ ویں پشت کی اولاد میں صاحب علم بزرگ ہوئے ہیں، آپ کے حالاتِ زندگی تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہیں۔ نہ ہی ولادت اور وفات کا صحیح زمانہ متعین ہو سکا ہے۔ اندازہ ہے کہ دسویں صدی ہجری ان کا دور ہے۔ آپ صاحبِ جلال بزرگ تھے، تمام عمر پردہ میں رہے۔ اپنی آنکھوں کو دنیاوی آلودگیوں سے پاک رکھا، اور اپنے کانوں کو بری باتوں کے سننے سے محفوظ رکھا۔ ہمیشہ اپنے جد امجد شیخ کبیر کے مزار پر رہتے تھے۔ اور ہوش سنبھالنے سے آخری سانس تک کسی بھی عورت کو نہ دیکھا، ان میں آپ کی والدہ اور ہمشیرگان بھی شامل تھیں۔

شادی کے لئے خاندان کے بزرگوں نے مجبور کیا تو ہمیشہ انکار کرتے رہے اور مجرد ہی انتقال فرما گئے۔ آپ نے وصیت کی کہ میرے مزار پر کوئی عورت نہ آئے، ورنہ وہ نقصان اٹھائے گی۔ چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق کسی عورت کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ مزار پر حاضری دے، مشہور ہے

کہ ایک ہندو عورت آپ کی وصیت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک دفعہ مزار میں داخل ہوئی تو اُس کی بینائی ضائع ہوگئی۔ اور مزار سے باہر نکلنا مشکل ہوگیا دوسرے لوگوں نے اسے باہر نکالا۔ یہ عورت اِس واقعہ کے بعد نابینا ہی رہی۔ اِس کی اولاد اندھی کی اولاد مشہور تھی۔

حضرت فتح اللہ سہروردی

وفات :- ۱۰۳۵ ہجری

مدفن :- لنگر مخدوم چنیوٹ

حضرت مخدوم فتح اللہ صاحب والد حضرت میاں محمد اسمٰعیل عرف میاں وڈا علاقہ پوٹھوہار کے گکھڑ خاندان سے تھے ۔ اور اپنے عہد کے عالم دین اور حدیث و فقہ کے ماہر تسلیم کئے جاتے تھے ۔ باطنی طور پر سلسلۂ سہروردیہ سے بیعت تھے ، آپ کا روحانی نسب نامہ اس طرح مرقوم ہے ۔ فتح اللہ کے مرشد مخدوم محمد طیب لنگر مخدوم ۔ ان کے مخدوم برہان الدین لنگر مخدوم ۔ ان کے مخدوم حسام الدین متقی ۔ ان کے مخدوم بہاءالدین زکریا ملتانی ۔ ان کے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی ، ان کے حضرت ضیاء الدین ابوالنجیب ۔ ان کے شیخ وجیہ الدین ان کے شیخ محمد ، ان کے شیخ احمد ، ان کے شیخ ممشاد علی دینوری ۔ ان کے ابوالقاسم جنید بغدادی ، ان کے حضرت سری سقطی ۔ ان کے حضرت معروف کرخی ۔ ان کے داؤد طائی ۔ ان کے حضرت حبیب عجمی ، ان کے حضرت امام حسن رض اور ان کے مرشد حضرت امام الاولیاء سیدنا علی مرتضٰے رض ۔

اور خاندانی نسب نامہ آپ کا فتح اللہ بن عبداللہ ۔ بن

سرفراز خاں رئیس و حکم راں علاقہ پوٹھوہار بتایا جاتا ہے۔

علاقہ پوٹھوہار سے اپنے مرشد حضرت مخدوم طیب صاحب کی کشش و زیارت کے لئے نقل مکانی کر کے تحصیل چنیوٹ میں آباد ہو گئے۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے اِسی علاقہ کے ہو گئے۔ آپ کو اپنے مرشد سے بے پناہ محبت تھی۔ کھیتی باڑی کے کام سے جب بھی فرصت ملتی، مرشد کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔

آپ کی وفات ۱۰۳۵ ہجری کے قریب ہوئی، اس وقت حضرت مخدوم عبدالکریم صاحب لنگر مخدوم میں فیض رُوحانیت تقسیم فرما رہے تھے۔

○

پیر فتح شاہ

وفات :- ۱۳۳۶ ھجری

مدفن :- حسانہ قبرستان جھنگ صدر

آپ مجذوب و مست سیلانی فقیر تھے مگر مقبول بارگاہ ایزدی تھے ۔

آپ کے ابتدائی حالات کا علم نہ ہو سکا صرف اِس قدر معلوم ہوا ہے کہ شمال کی طرف سے کسی علاقے سے یہاں آئے تھے، آپ کی آمد ۱۳۰۰ ہجری کے قریب ہوئی آپ عام طور پر کتے ساتھ رکھتے تھے اور اکثر غیر مہذب گفتگو کرتے، لیکن علماء کا بڑا احترام کرتے، راقم الحروف کے دادا بزرگوار حافظ حاجی غلام محمد اعوان سے اُنسیت تھی، اور عموماً انہی کے پاس آتے اور مسائل شرعی پر گفتگو کرتے ۔

مشہور ہے کہ آپ پوشیدہ طور پر اپنے گھر سے غائب ہو جاتے ، اکثر لوگ آپ کو جس وقت دیہات میں دیکھتے، اسی وقت آپ شہر میں بھی موجود ہوتے تھے،

جب یہاں طاعون کی وبا پھیلی تو آپ نے لوگوں کو باخبر کر دیا اور توبہ ، تائب ہونے کی تلقین کی ۔ آپ بیماری کے دوران ہر وقت اذانیں دینے میں مصروف رہتے ۔ ایک دفعہ آپ نے ایک عالم سے دریافت کیا کہ چلتا پانی پاک ہے

یا پلید؟ عالم نے جواب دیا "پاک"۔ آپ نے پیشاب کیا اور کہا پانی چل رہا ہے اسے کیوں پلید سمجھتے ہو، پھر فرمایا۔ شریعت کے بعد اصل میں منزل شروع ہوتی ہے، جسے عالم نہیں سمجھتے، لیکن فقراء واقف ہوتے ہیں۔

آپ سے متعدد خوارق واقعات مشہور و منسوب ہیں: جن کے بعض عینی شاہد بھی اب تک موجود ہیں، آپ کی وفات ۱۳۳۶ ہجری میں ہوئی، اور قبرستان حسنانہ میں دفن ہوئے جہاں آپ کا پختہ مزار مرجع خلائق ہے۔

سلطان فتح محمدؒ

ولادت :- ۹۰۸ھ

وفات :- ۱۰۵۰ھ

مدفن :- قصبہ واصو

آپ حضرت واصل حق کی اولاد سے ہیں۔ اور خاندان چھیلا سیال سے وابستہ ہیں، جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو مرشد کی جستجو ہوئی۔ آپ کا خاندان شاہ جلال الدین قریشی ملتان سے بیعت تھا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اپنے خاندانی مرشد کے علاوہ کسی اور سے بیعت کی جائے، چنانچہ آپ نے اس ارادہ کے تحت سفر اختیار کیا اور لاہور گئے، وہاں پہنچ کر آپ نے حضرت مادھولال حسین شاہ کی شہرت سنی، آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (۱۰۰۵ ہجری) اور قدم بوس ہو کر عرضِ مدعا کیا۔

حضرت مادھولال حسین نے ان کا مدعا سن کر فرمایا کہ آپ اپنے خاندانی مرشد کے ہاں ہی تشریف لے جائیں، فقراء خیانت نہیں کرتے۔ آپ چونکہ حضرت شاہ جلال الدین سے پہلے بیعت ہیں اس لیے انہی سے فیض حاصل کریں۔ چنانچہ سلطان فتح محمد لاہور سے ملتان پہنچے۔ اور اپنے مرشد کی

خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی، مرشد نے معافی دی اور دوبارہ بیعت کیا، آپ واپس قصبہ واصو تشریف لے آئے، اور باقی زندگی کے دن یہیں گزارے آپ کی وفات قریباً ۱۰۵۰ ہجری میں واقع ہوئی۔ آپ اولاد سے محروم رہے آپ کا مزار حضرت واصلِ حق کے پہلو میں ہے۔

پیر کالیہ

مدفن :- گگی نو تحصیل شورکوٹ

حضرت پیر کالیہ سلسلۂ چشتیہ کے مشہور مبلغ ہوئے ہیں ۔آپ کا خاندانی شجرہ نسب حضرت بُرہان الدین ولی آف لنگر مخدوم سے ملتا ہے ۔آپ کے والد حضرت شیخ سعد اللہ صاحب سلسلۂ سہروردیہ سے وابستہ تھے ۔ بعد میں سلسلۂ چشتیہ کے ایک بزرگ سے بیعت کی جس پر سہروردی چشتی کہلائے ۔

حضرت پیر کالیہ کا اصل نام محی الدین تھا ۔آپ کی ولادت قریباً ۸۰۰ ہجری میں علاقہ کمالیہ میں ہوئی ۔ خاندانی اعتبار سے آپ کو ولایت وطریقت ورثہ میں ملی تھی ۔بیس سال کی عمر میں آپ سیاحت کے لئے ہندوستان کے مختلف حصّوں میں گھومتے رہے ، قیامِ لاہور کے دوران آپ کو علاقہ گگی نو میں رہائش اختیار کرنے کی بشارت ملی ۔چنانچہ آپ لاہور سے اجمیر گئے ، اور خواجہ غریب نوازؒ سے اجازت حاصل کی ۔ دسویں صدی کے نصف میں آپ گگی قصبہ میں وارد ہوئے ۔اور باقی زندگی یہیں بسر کی ۔

آپ سے بے شمار کرامتیں منسوب ہیں۔ آپ کے مزار سے اب بھی عقیدت مند فیض حاصل کرتے ہیں ۔ قریباً ہجری ۹۶۲ میں آپ کی وفات ہوئی ، اور آپ کا جسد آپ کے والد شیخ سعد اللہ صاحب کے پہلو میں دفن کیا گیا ۔ جہاں آپ کا پختہ مزار موجود ہے ، اور ہر سال بھاری میلہ لگتا ہے ۔

آپ کا مزار شورکوٹ سے ڈب کلاں جانے والی سڑک پر قصبہ گگی کے سامنے موجود ہے ۔

ہ

حضرت شیخ کبیر نیکوکارہ

ولادت :- ۸۳۲ ھ

وفات :- ۹۲۷ ھ

مدفن :- قصبہ باغ تحصیل جھنگ

حضرت شیخ کبیر صحیح النسل ہاشمی قریشی تھے آپ کا شجرہ نسب حضرت امیر مسلم رضؓ بن عقیل رضؓ بن ابوطالب سے ملتا ہے ۔ آپ کے ایک بزرگ حضرت عبد اللہ جہانیاں حضرت شیر شاہ جلال سرخ بخاری کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے ۔ اور انہی کی معیت میں اچ میں قیام کیا ، بعد میں اپنے مرشد کے حکم پر حضرت شیخ دائن کی خدمت میں حاضر ہوئے ، جو اس وقت کے ایک متوکل بزرگ تھے ۔ حضرت شیخ دائن کا مزار بھاول پور میں موجود ہے ۔

حضرت عبد اللہ جہانیاں کا وصال قریباً ۶۹۰ ہجری میں ہوا ۔ ان کا مزار اُچ بھاول پور میں ہے ۔ حضرت شیر شاہ جلال سرخ بخاری نے ان کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار مقدس اور عصائے مبارک بھی عطا کیا تھا ۔ جو اب تک اِن کی اولاد کے پاس موجود ہے

اور عقیدت مند اِن کی زیارت کرتے ہیں ۔

شادی کی روایت

مشہور ہے کہ عبداللہ جہانیاں نہایت متقی اور پرہیزگار تھے ۔ اور اس خیال سے شادی کی خواہش نہ کرتے کہ مبادا میری اولاد میں کوئی بُرا شخص پیدا ہو جائے، جس سے پورے خاندان کی بزرگی اور عظمت متاثر ہو، جب یہ بات اُن کے مرشد حضرت شاہ جلال بخاری کے علم میں آئی تو انھوں نے فرمایا کہ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا بزرگوں کا شیوہ نہیں ۔ اور رسول اللہ کی سنّت کا ترک کرنا گناہ میں داخل ہے، آپ شادی کریں انشاء اللہ آپ کی اولاد نیک ہوگی ۔ چنانچہ آپ نے مرشد کے فرمان پر ساٹھ سال کی عمر میں شادی کی ۔ اور ان سے اولاد ہوئی جو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیلی، اور دینِ حق کی تبلیغ کی ۔ مرشد ہی کے فرمان پر ان کی اولاد کو نیکوکارہ کہا جانے لگا ۔ بعد میں لفظ نیکوکارہ خاندان کی شناخت کا باعث بنا ۔ سرکاری کاغذات میں بھی نیکوکارہ کو ہاشمی قریشی لکھا جاتا ہے

حضرت شیخ کبیر

حضرت شیخ کبیر حضرت عبداللہ جہانیاں کے پوتے تھے، آپ کی ولادت ۸۵۲ ہجری کے قریب ہوئی ۔ چونکہ آپ مادرزاد ولی تھے ۔ بچپن میں

ہی آپ سے خوارق عادت واقعات اور باتیں ظہور میں آنے لگیں، خاندانی علم وعمل کا بھی اثر تھا اس لئے عقیدت مند گروہ در گروہ آپ کی خدمت میں حاضر رہتے اور آپ کے ارشادات سے فیضِ روحانی حاصل کرتے، ابھی آپ کی عمر اٹھارہ سال ہی کی تھی کہ والدہ محترمہ اِس جہانِ فانی سے عالمِ بقا کو سدھار گئیں۔ چونکہ آپ والدہ سے بے پناہ الفت ومحبت رکھتے تھے گھر میں رہتے ہوئے والدہ کی جدائی کا صدمہ برداشت نہ کر سکے۔ جب بھی گھر میں داخل ہوتے والدہ کو نہ پاکر ملول ہو جاتے۔ اور دل میں اضطراب طاری ہو جاتا، چنانچہ آپ کا دل گھر سے اداس ہو گیا اور والد محترم سے اجازت لے کر سیاحت کی خاطر گھر سے نکل پڑے۔ مختلف علاقوں کا سفر کرتے ہوئے آپ قریباً ۷۰۰ھ میں جھنگ تشریف لائے۔

ہم عصر بزرگوں کی صحبت

جھنگ میں آپ کی تشریف آوری بڑی سعادت کا سبب ہوئی۔ اس زمانے میں حضرت محبوب عالم عرف شاہ جیونہ بخاری، حضرت شیخ جوہر المعروف شیخ چوہڑ، حضرت شیخ علی المعروف شیخلی۔ حضرت سلطان پاک رائے المعروف سلطان پاکھرا وغیرہ یہاں موجود تھے اور ان ہم عصر بزرگوں کی مجلس میں شیخ کبیر صاحب کا اضافہ ہوا۔ اور انہی بزرگوں کی مجلس نے آپ کو جھنگ میں رہائش رکھنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ آپ نے

موضع باغ کے قریب جنگل میں جھونپڑی ڈال لی اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔

حلقہ ارادت

آپ کی بزرگی، عظمت، روحانی نے غیر مسلم اقوام اور قبیلوں کو آپ کا گرویدہ بنا دیا۔ اور بہت سی مسلم اقوام بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئیں۔ ان میں مرالی۔ بوتہ۔ لک۔ رہبیے۔ بیل۔ ویر۔ گوانس۔ کھنڈ۔ پندو۔ تھوری۔ چدھڑ اور میو وغیرہ شامل ہیں۔ اور ان اقوام کے بیشتر افراد آپ کے مصاحب ہوئے۔ اور آپ نے متعدد افراد کو خلافت کا اعزاز عطا کیا۔

شادی اور اولاد

آپ نے ایک ہی شادی کی۔ جس سے چار فرزند متولد ہوئے چاروں اپنے وقت کے بزرگ اور ولی اللہ تھے۔

وصال

بعض روایات کے مطابق آپ کا وصال پچانوے سال کی عمر میں ہجری ۹۲۷ میں ہوا۔ اور آپ کا جسد مبارک موضع باغ میں آپ کی رہائش گاہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ جہاں بعد میں مزار تعمیر ہوا۔ آپ کا مزار مرجع خلائق ہے اور ہر سال عرس اور میلہ لگتا ہے۔

اولاد

آپ کی اولاد نے بڑی ترقی کی۔ دنیاوی اعتبار سے بھی آپ کی اولاد کو بخت نصیب ہوا۔ اس وقت آپ کی اولاد میں سے عمر حیات شاہ جو آپ کے سجادہ نشین بھی ہیں با اثر شخصیت کے حامل ہیں۔

علمی عظمت

آپ کو علوم ظاہری و باطنی پر دسترس حاصل تھی۔ اور عربی شاعری کا بھی صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کی متعدد تصانیف ایک زمانہ تک موجود رہیں۔ آج یہ کتابیں نہیں ملتیں۔ البتہ ایک قلمی نسخہ یہاں کی ایک زمیندار خاتون کے پاس موجود ہے، جس سے آپ کی علمی عظمت و بزرگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مخدوم کمال الدّین

وفات ۱۰۵۶ ہجری

مدفن چنیوٹ شہر

حضرت مخدوم کمال الدین قریشی چار بھائی تھے۔ اور چاروں عالم باعمل اور صاحبِ کرامت تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب قریش سے وابستہ ہے۔ اور آپ کو روحانی فیض حضرت شاہ مقیم خانوادہ شاہ ابوالمعالی سے ملا۔ چاروں بھائی حویلی بہادر شاہ قصبہ میں رہائش پذیر تھے۔ مرشد کے حکم پر حضرت مخدوم کمال الدین تبلیغ دین کے لئے چنیوٹ تشریف لائے اور موجودہ مسجد کریانوالی کے قریب آپ نے ڈیرہ لگا کر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ساتھ ہی ایک مسجد تعمیر کی جو اب تک مسجد کریانوالی کے نام سے مشہور ہے۔

آپ نے تبلیغ کے لئے اپنے تینوں بھائیوں کو بھی چنیوٹ بلالیا، اور اس طرح خاندان کے یہ چاروں بزرگ چنیوٹ کے باسیوں کی علمی وروحانی تشنگی بجھاتے رہے۔

حضرت مخدوم کمال الدین سے بہت سی کرامات منسوب ہیں۔ آپ عابد و زاہد تھے اور شرعی امور کی پابندی کا خاص حکم دیتے تھے۔ آپ کا سن

ولادت معلوم نہیں ہو سکا۔ وفات کے بعد آپ کے جسدِ خاکی کو مسجد کے قریب ہی دفن کیا گیا۔ جہاں آپ کے عقیدت مندوں نے آپ کا مزار تعمیر کرایا۔ یہ مزار خستہ حالت میں اب بھی موجود ہے۔

○

پیر گامے شاہ

ولادت :- ۱۲۴۵ ہجری

وفات :- ۱۳۱۹ ہجری

مدفن :- اصحابہ تحصیل جھنگ

پیر گامے شاہ حضرت شاہ جیونہ کی اولاد میں صاحب کرامت بزرگ گزرے ہیں۔ اِن کے والد پیر احمد شاہ اپنے عہد کی برگزیدہ شخصیت تھے، جب پیر گامے شاہ جوان ہوئے تو ان سے خوارقِ عادت باتیں ظاہر ہونے لگیں۔ ضرورت مند اپنی مرادوں کے لئے حاضر ہوتے اور مرادیں پاتے۔ آپ عموماً نیک دعائیں فرماتے۔ اور جب کبھی غضب ناک حالت میں ہوتے تو جس شخص کو غلط سمجھتے اس کے حق میں بددعا کرتے۔ اِن کی دُعا اور بددعا دونوں قبول ہوتیں۔ اکثر عالمِ جذب میں رہتے۔ اِن کے عقیدت مند لائل پور اور منٹگمری کے اضلاع میں زیادہ موجود ہیں۔ آپ اکثر ان علاقوں میں دریائے راوی کے کنارے قیام فرمایا کرتے۔ اور لوگوں کو حق کی تلقین کرتے آپ نے سفر کے دوران جن درختوں کے نیچے آرام فرمایا وہ اب بھی موجود ہیں، حالانکہ وہ علاقے جو جنگل تھے، اب آباد ہو چکے ہیں۔ عقیدت مند اِن

درختوں کا کاٹنا گناہ سمجھتے ہیں۔ آپ ہر سال اپنے جدِ بزرگوار حضرت شاہ جیونہ کے عرس پر مع اہل وعیال جاتے تھے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ ان کا اکلوتا بیٹا کرم شاہ جس کی عمر اٹھارہ سال تھی، اپنے دو دوستوں کے ہمراہ دریا پر نہانے کے لئے جانے لگا۔ جب آپ کو علم ہوا تو آپ نے روکا۔ اور کہا کہ دریا پر نہ جانا، ڈوب جاؤ گے۔ مگر لڑکے نے ضد کی، تو آپ نے پھر کہا کہ ڈوب جاؤ گے اور تمہاری لاش بھی نہیں ملے گی، مگر وہ نہ مانا، چنانچہ تینوں لڑکے دریا کی طرف چلے گئے اور نہاتے ہوئے ڈوب گئے۔ جب آپ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے کہا میں نے تو اسی لئے روکا تھا مگر وہ باز نہ آیا، ملاحوں نے نعشوں کی تلاش کی، دوسرے دو لڑکوں کی نعشیں مل گئیں لیکن کرم شاہ کی نعش نہ ملی، حالانکہ تین دن تک تلاش ہوتی رہی۔ آخر کار مریدوں اور عقیدت مندوں نے آپ پر زور دیا تو آپ نے دعا مانگی، پھر ملاحوں نے جستجو کی تو جہاں وہ مسلسل تلاش کرتے رہے تھے وہیں سے نعش ملی۔ ان کی وفات سے چند روز قبل علاقہ کی دو زمیندار پارٹیوں میں ایک کنوئیں پر جھگڑا ہو گیا، آپ تنازعہ ختم کرانے کے لئے ان کے پاس گئے تو فریقین نے آپ کی بات نہ مانی۔ آپ نے بددعا کی کہ یہ کنواں کبھی نہ چل سکے گا۔ چنانچہ وہ کنواں اوپر سے بند ہو گیا اور اجڑ گیا۔ زمینداروں نے ہزار کوشش کی، لیکن وہ کنواں آباد نہ ہو سکا، وہ آج بھی اصحابہ سے نصف میل پر موجود ہے

زمینداروں نے دوسری جگہ نیا کنواں بنا کر آباد کیا۔

آپ نے زندگی میں تین شادیاں کیں۔ ایک سے ایک لڑکا کرم شاہ ہوا جس کا ذکر آ چکا ہے۔ آپ نے سید اللہ یار شاہ کو جو ان کے رفیق سفر رہے تھے، اپنا متبنٰی بنایا۔ اور بعد وفات اللہ یار شاہ ہی ان کے سجادہ نشین مقرر ہوئے ان کی وفات پر سید گل محمد شاہ ان کے بیٹے جانشین ہوئے۔ اور ان کی وفات پر ان کے بیٹے سید زوار حسین شاہ اس مسند پر متمکن ہوتے۔

ان کے مزار پر ہر سال میلہ لگتا ہے۔ میلہ کی تاریخیں مختلف ہیں پہلے یکم ساون کو لگتا تھا۔ پھر یکم بھادوں کو ہونے لگا۔ اور آج کل شاید ۱ چیت کو ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم گل شیر

مدفن ٹھٹھی شاہ شکور۔جھنگ۔

حضرت مخدوم گل شیر شاہ قصبہ اُچ بھاول پور سے مرشد کے حکم پر تلواڑہ کھوکھراں علاقہ دچھن تحصیل جھنگ تشریف لائے۔اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری فرمایا۔آپ حضرت بہاء الحق والدین زکریا ملتانی کی اولاد میں۔ اور اسی بارگاہ سے خلافت بھی عطا ہوئی۔آپ کی جھنگ میں آمد ہجری ۷۰۰ کے قریب بتائی جاتی ہے۔لیکن اس کی تصدیق نہیں ہوسکی۔آپ نے اپنی شادی تلواڑہ کھوکھراں کے ملک شہلی بن بشارت کی دختر شریف خاتون سے فرمائی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد نرینہ سے سرفراز کیا۔آپ نے بچے کا نام عبدالشکور رکھا۔جو بعد میں شاہ شکور کے نام سے مشہور ہوا۔آپ کی قیام گاہ ٹھٹھی شاہ شکور معروف ہوئی۔حضرت شاہ شکور بھی اپنے والد محترم کی طرح صاحب کرامت تھے۔اور آپ کے مریدین کا حلقہ وسیع تر تھا۔

آپ کی اولاد میں سے حضرت مخدوم شاہ جمال اور بابا غلام علی بھی صاحبِ کرامت بزرگ ہیں۔

حضرت گل شیر کا مزار ٹھٹھی شاہ شکور میں مرجع خلائق ہے۔

اولیائے جھنگ

پیر گوہر شاہ گیلانی

ولادت :۔ ۱۱۰۲ ھ

وفات :۔ ۱۱۷۶ ھ

مدفن :۔ محلہ گوہر شاہ جھنگ صدر

پیر گوہر شاہ گیلانی، سادات گیلانی کے چشم و چراغ اور سلسلۂ قادریہ کے مبلّغ تھے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی پیر کوٹ سدھانہ سے بیعت تھے۔ آپ کا اصل وطن قصبہ چوٹی ضلع ڈیرہ غازی خاں تھا۔ مرشد کے حکم پر آپ جھنگ تشریف لائے، اور ایک جنگل میں ڈیرہ لگا لیا۔ آپ صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ اور شرعی امور پر بھی عبور رکھتے تھے، عباداتِ ظاہری پر عمل کرنے میں بڑی احتیاط کرتے۔ اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی عبادات کی ترغیب دیتے۔ آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ پیر دھجی شاہ کے ہم عصر تھے۔ اور ان سے عموماً نوک جھونک رکھتے۔ آپ نے ۷۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کا جسدِ مبارک آپ ہی کے حجرہ میں دفن کیا گیا۔ جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا۔ آج کل شاید اس لئے نہیں لگتا کہ آبادی ہو گئی ہے۔ آپ کے زمانہ میں یہ تمام علاقہ جنگل تھا اور لوگ ادھر سے گزرتے ہوئے بھی ڈرتے تھے۔ مشہور ہے کہ اگر کوئی

جانور آپ کے جنگل کے کسی درخت کے پتے کھاتا تو فوراً مر جاتا تھا، جب لائل پور روڈ تعمیر ہو رہی تھی، شاید یہ ۱۹۲۰ء کی بات ہے ۔ تو افسروں نے سڑک کو سیدھا کرنے کے لئے جو نقشہ بنایا تھا اس کے مطابق اِن کا مزار راہ میں آتا تھا چنانچہ مستری اور مزدور، جب بھی یہاں تک پہنچتے تو حواس کھو بیٹھتے تھے ۔ چنانچہ سڑک کا نقشہ بدل دیا گیا ۔ اور موجودہ لائل پور روڈ آپ کے مزار سے بیس گز دور بنائی گئی ۔ آپ کے مزار کے ارد گرد وسیع قبرستان تھا، لیکن رفتہ رفتہ یہ قبرستان مسمار ہوتا گیا خصوصاً قیام پاکستان کے بعد یہاں آبادی ہوتی چلی گئی ۔ اب یہ علاقہ گنجان اور بارونق بن چکا ہے ۔ آپ کے زمانے کا کنواں جس کے غیر آباد رہنے کے بارے میں دھجی شاہ صاحب نے فرمایا تھا، ابھی تک غیر آباد موجود ہے ۔ اِن کے بارے میں زیادہ تفصیل معلوم نہیں ہو سکی ۔

لالن پیر

وفات :- ۱۰۳۰ھجری

مدفن :- نیاشہر شورکوٹ

آپ کا اصل نام اللہ بخش تھا۔ آپ بخاری سید تھے، لالن پیر لقب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جو شخص بھی ان سے جس غرض کی خاطر دعا کراتا وہ مقبولِ بارگاہ ہوتی خواہ وہ غرض لعل وجواہر کے حصول کی ہی کیوں نہ ہو۔ اس وجہ سے آپ کا نام لالن پیر مشہور ہوگیا۔ آپ سے بہت سی کرامات اور خوارق العرت واقعات منسوب ہیں۔ آپ کا انتقال ہجری ۱۰۳۰ میں ہوا۔ آپ کے ابتدائی حالات نہیں مل سکے۔

آپ کا فیض اب بھی جاری ہے، لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جو مویشی بیمار ہوجائیں، اِن کو مزار کے احاطہ میں چھوڑ دیا جائے، وہ دوسرے دن صحت یاب ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے مزار کے احاطہ میں سینکڑوں مویشی اب بھی نظر آتے ہیں۔

★

حضرت لدھن امام بخاری

مدفن:۔ شاہ جیونہ، تحصیل جھنگ

حضرت لدھن امام بخاری جناب شاہ جیونہ ؒ کے حقیقی پوتے اور پیر نخی جبیب کے بڑے صاحب زادے تھے، حضرت لدھن امام کے بارے میں کوئی دستاویزی ثبوت میسر نہیں آسکا۔ زبانی روایات جو کہ متواتر ہیں ناکافی ہیں، ان سے آپ کی ولادت اور وفات کا سن متعین کرنا بھی مشکل ہے۔ تاہم اس قدر واضح ہے کہ آپ حضرت شاہ جیونہ کی زندگی میں ہی پیدا ہوئے، اور دس بارہ سال کی عمر میں دُنیا سے غائب ہو گئے۔ آپ کے غائب ہونے یا دوسرے معنوں میں دنیا سے اُٹھ جانے کا واقعہ بڑا دلچسپ اور حیران کن ہے، روایت کے مطابق آپ اپنے ہم عمر بچوں کے ہمراہ موجودہ شاہ جیونہ قصبہ سے باہر کھیل رہے تھے کہ ایک کچی اینٹوں کی دیوار پر چڑھ گئے۔ کسی بچے نے کہا کہ اگر دادا کی طرح آپ میں بھی روحانی طاقت ہے تو دیوار کو حکم دیں کہ وہ چل پڑے، چنانچہ اپنے ہم جولی کی بات سُن کر آپ نے دیوار کو حکم دیا تو وہ گھوڑے کی طرح بھاگ کھڑی ہوئی، آپ کے ہاتھ میں سانپ تھا جسے بطور چابک استعمال کرتے رہے۔ جب دیوار بھاگی تو آپ کے ہم عمر بچے خوف زدہ ہو کر گھر کی طرف بھاگے،

دیوار نے قصبہ کے گرد چکر لگانا شروع کیا، جب اس واقعہ کی اِطلاع حضرت شاہ جیونہ کو پہنچی تو آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور بارگاہِ خدا میں دعا مانگی کہ اِس بچے کو دنیا سے اُٹھالیا جائے۔ کیونکہ اظہارِ کرامت کا یہ طریقہ بزرگوں کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے، چنانچہ حضرت امام اِس دنیا سے اُٹھالئے گئے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کی وفات ہوئی اور آپ کا مزار اپنے دادا کے پہلو میں موجود ہے، اور بعض کو گمان ہے کہ وہ نظروں سے اوجھل ہوتے کہ پھر آپ کا علم ہی نہ ہوسکا، بہرحال اِس بارے میں کوئی تسلی بخش رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔

حضرت شاہ زندہ بخاری

اس نام کے بزرگ کا مزار بستی کے مختلف علاقوں میں موجود ہے۔ تحصیل جھنگ میں تین مزار ان کے نام سے منسوب ہیں۔ ایک موضع تحصیل چنیوٹ دربار کوٹ میں بھی شاہ زندہ کے مزارات ہیں۔ ان کے بارے میں تحریری ثبوت اور روایات میسر نہیں آ سکے۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت مرحوم ماہ نب ہونے کے بعد جہاں مشہور ہوئے وہیں آپ کے نام سے مزار منسوب ہو گیا۔

بعض کا گمان ہے کہ شاہ زندہ نام کے کوئی دو بزرگ شاہ جیونہ کی اولاد تھے۔ ان کے عقیدت مندوں نے ان کی وفات پر کسی ایک مزار کو دفن کیا تو دوسرے مریدوں نے بھی چاہا ان دونوں تینوں کے لئے ان کے نام سے مزارات قائم کئے۔ بہرحال ان پر ابھی کوئی کتاب یا تذکرہ نہیں گزرا جس سے روایات کی تصدیق ہو سکے۔

لڈا ماہنی

ولادت :۔ ۱۱۰۷ھ

وفات :۔ ۱۱۹۹ھ

مدفن :۔ قصبہ لڈا ماہنی تحصیل شورکوٹ

آپ کا اصل نام "لڈا" تھا اور قوم کے ماہنی سیال تھے ۔ خاندانی سلسلۂ بیعت جانشینان حضرت بابا گنج شکرؒ سے وابستہ تھا ۔ لیکن آپ کی ابتدائی زندگی علم و عمل سے دور تھی ، چالیس سال کی عمر تک آپ اونٹ چراتے رہے ، ایک روز جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے کہ حضرت محمد یوسف صاحب جن کا مزار شاہ پور سرگودھا میں موجود ہے ادھر سے گزرے ۔ حضرت محمد یوسف نے آپ کو بلایا اور کہا کہ "پانی کی مشک لا دو۔"

آپ نے کہا کہ "پانی تو یہاں سے کئی میل دور ہے ۔ میرے آنے تک سورج ڈوب جائے گا ، اور پھر میں نے اونٹ بھی اپنے گھر لے جانے ہیں ۔"

حضرت صاحب نے فرمایا کہ آنکھیں بند کر ۔ آپ نے آنکھیں بند کیں تو خود کو دریا کے کنارے کھڑے پایا ، فوراً ہی مشک پانی سے

بھرلی۔ جب آنکھیں کھولیں تو مشک پانی سے بھری ہوئی تھی، اور حضرت صاحب کے پاس تھے۔ آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اور کانپنے لگے۔ حضرت محمد یوسف نے آپ کو سینے سے لگا لیا۔ اور فرمایا "قیامت تک تمہارا نام زندہ رہے گا۔ چنانچہ آپ بیعت ہوئے اور باقی زندگی شریعت کے تابع بسر کی۔

آپ کی وفات ۱۱۹۹ھ میں ہوئی۔ آپ کے نام سے پورا گاؤں منسوب ہے۔ اسی گاؤں میں آپ کا مزار ہے، جہاں بھاری میلہ منایا جاتا ہے۔

O

حضرت ماجھی سُلطان

ولادت :- ۷۵۳ ہجری

وفات :- ۸۳۲ ہجری

مدفن :- قصبہ ماجھی سُلطان

حضرت ماجھی سلطان سرگودھا کے مشہور جنجوعہ خاندان کے چشم و چراغ تھے آپ کا خاندان شاہ اسمٰعیل بخاری (چنیوٹ) کا مرید تھا، ماجھی سلطان کے والدین اولاد نرینہ سے محروم تھے، سلطان صاحب کی والدہ اپنے مرشد کے پاس دُعا کے لئے حاضر ہوئی اور مایوس ہوکر واپس جارہی تھی کہ راستہ میں حضرت شاہ محمد شیرازی کے ڈیرہ پر پہنچی۔ حضرت شاہ محمد نے عورت کی قلبی کیفیت کا احساس کرتے ہوئے اس سے کہا کہ مایوس کیوں ہو؟ اس نے اپنی داستان سُنائی تو آپ نے فرمایا کہ۔ "جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں سات بیٹے عطا کرے گا۔ اور آخری بیٹے کا نام ماجھی سلطان رکھنا، اور اُسے فقراء کے حوالے کر دینا" چنانچہ وہ امیدوں اور آسوں کو لئے رخصت ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ محمد کی دُعا قبول فرمائی اور اس عورت کو اولاد نرینہ سے سرفراز فرمایا۔

ولادت

حسبِ ارشاد جب ساتواں بیٹا پیدا ہوا تو اُس کا نام ماجھی سلطان رکھا۔ یہ بڑا خوب صُورت اور پیارا بچہ تھا، اور والدین کو اس سے دوسروں کی نسبت زیادہ محبت تھی۔ آپ کی والدہ کے دل میں خیال آیا کہ اگر اس بچے کو حضرت شاہ محمد کے سپرد کیا گیا تو وہ عمر بھر کیلئے بچے کو ترس جائیگی یہ خیال آتے ہی اس نے اپنے لڑکے کی بجائے اپنے پڑوسی سناروں کا لڑکا گود لے لیا اور حضرت شاہ محمد کی خدمت میں پیش کر دیا آپ لڑکے کو دیکھتے ہی جلال میں آگئے۔ اور عورت سے کہا کہ تم اللہ کے فقیروں کو دھوکا دینا چاہتی ہو جاو اس لڑکے کو اس کے والدین کے سپرد کر دو میرا ماجھی سلطان از خود میرے پاس آ رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے مریدوں کو حکم دیا کہ دریائے جہلم میں سیلاب آگیا ہے اور ماجھی سلطان سیلاب میں بہتا جا رہا ہے۔ اسے پکڑ لو۔ چنانچہ مرید دریا کے کنارے گئے تو معصوم بچہ لہروں پر بہتا ہوا آ رہا تھا اسے گود میں لے لیا اور حضرت شاہ محمد نے اس کی پرورش شروع کی۔

ماجھی سلطان کی آبادی

جب آپ جوان ہوئے تو مرشد نے حکم دیا کہ ساندل بار کی طرف جاؤ اور اس علاقہ میں جا کر تبلیغ کرو۔ لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں چنانچہ جب آپ مرشد کے حکم کے مطابق روانہ ہونے والے تھے تو آپ نے ٹھنڈی آہ بھری حضرت نے پوچھا ماجھی آہ کیوں بھری تو آپ نے فرمایا حضور میرے اولاد نہیں ہوگی اور میرا نام لیوا ابھی کوئی نہ

رہے گا۔ تو حضرت نے کہا اولاد میری ہوگی اور شہرت تمہاری ہوگی چنانچہ آپ ساندل بار تشریف لے گئے اور موجودہ قصبہ ماچھی سلطان میں جو اس وقت جنگل تھا ڈیرہ لگا لیا آپ کی آمد کی اطلاع سن کر آس پاس کے دیہاتوں کے لوگ آنے لگے اور آپ کے ارشادات سننے کے بعد آپکے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے چلے گئے اس طرح آپ نے ساندل بار کی نگری کو اسلام کی حقانیت سے روشناس کرایا۔

کرامات

یوں تو آپ سے بے شمار کرامات منسوب ہیں لیکن مختصراً تین واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ آپکے خاندان کے مرشد حضرت شاہ اسمٰعیل بخاری ادھر سے گذرے اور ساندل بار میں رات قیام کیا ان کے مرید شام کے وقت لکڑیاں اکٹھی کرتے ہوئے آپ کی جھونپڑی تک آئے اور آپ کو دیکھ کر بڑے متاثر ہوئے مریدوں نے آپکا حال جا کر حضرت شاہ اسمعیل بخاری کو بتایا تو اپنے مریدوں سے کہا کہ اسے بلا لاؤ آپ کو جب پیغام ملا تو ملاقات کے لئے جانے سے انکار کر دیا۔ جس پر شاہ اسمعیل نے اپنی چادر بھیجی کہ اب وہ آجائیں گے مگر یہ چادر آپ نے لے کر آگ میں ڈال دی مریدوں نے جا کر کہا کہ ماچھی سلطان نے آگ میں ڈال کر جلا دی ہے تو آپ نے مریدوں کو پھر بھیجا کہ جا کر کہو ہماری چادر واپس کر دو چنانچہ آپ نے یہ پیغام سنا تھا تو آگ کے الاؤ میں سے ہاتھ ڈال کر چادر نکال لی۔ وہ صحیح سالم تھی واپس بھجوا دی ایک روایت یہ بھی ہے۔ کہ شاہ اسمعیل بخاری خود چادر لینے آئے تھے اور واقعہ دیکھ کر فرمایا کوئی جادوگر

ہے۔ تو انہوں نے خونخوار کنگرو قسم کے جانور بھیجے تاکہ وہ ان کو مار دیں لیکن ماچھی سلطان صاحب نے ان کا مقابلہ کیا مقابلہ کے وقت تیز آندھی آئی اور اسمیں ان کے مرشد شاہ محمد صاحب بھی تشریف لائے اور جانوروں کو ہلاک کر دیا۔ روایت ہے کہ دونوں جانوروں کی قبریں آپ کے مزار کے قریب موجود ہیں۔

وفات

آپ کی وفات قریباً ۸۳۲ ہجری میں ہوئی آپ کا جسد مبارک آپ کی جھونپڑی میں دفن کیا گیا۔ جہاں اب مزار موجود ہے اور تمام علاقے آپ کے نام سے مشہور ہیں آپ کی وفات کے بعد حضرت شاہ محمد کے پوتے حضرت راجن امام اسی علاقے میں تشریف لائے۔ اور اس طرح شیرازی سادات یہاں پھیلی۔

مبارک شاہ سندھی

ولادت :- ۱۱۰۲ ھجری

وفات :- ۱۱۸۷ ھجری

مدفن :- محلہ پنڈی جھنگ صدر

حضرت پیر مبارک شاہ سندھی، جن کا مزار پنڈی جھنگ صدر میں واقع ہے - حضرت عبدالقادر جیلانی ثانی - مہر محمد بقاء سندھ، بابا شیخ لاہوری کے ہم عصر تھے - ان کی ابتدائی زندگی کے حالات کے بارے میں تذکرہ نویس خاموش ہیں، یہ کون تھے؟ کہاں سے آئے اور کہاں سے اکتساب علم کیا؟ ان کی صحیح تاریخ ولادت کا بھی علم نہیں ہو سکا۔ صرف اس قدر تفصیل ملی ہے کہ ۸۰ سال کی عمر میں ہجری ۱۱۸۷ میں وفات پائی۔ اس سے سن ولادت اخذ کیا گیا ہے -

ان کے بارے میں مشہور ہے کہ غیر شرعی افعال کو پسند نہیں کرتے تھے۔ خود باشرع تھے، اور روحانی علوم و سلوک کی معرفت سے فیض یاب تھے، اب بھی ان کا مزار مرجع خلائق ہے، اور عقیدت مند یہاں سے مرادیں حاصل کرتے ہیں -

پیر مبارک شاہ سندھی حضرت مہر محمد بقا کے مریدان خاص میں شامل تھے۔ جب مہر محمد بقا صاحب نے حضرت سیّد عبد القادر جیلانی ثانی ساکن پیر کوٹ سدھانہ سے بیعت کی تو تحفے کے طور پر بابا شیخ لاہوری اور پیر مبارک شاہ سندھی کو اپنے مُرشد کے سپرد کیا اور یہ دونوں حضرت عبد القادر کے ہمراہ جھنگ آئے جب بابا شیخ لاہوری جھنگ صدر میں اقامت گزیں ہوئے تو پیر مبارک شاہ عموماً اپنے مُرشد کے لئے سودا سلف خریدنے جھنگ آتے جاتے اور جھنگ میں بابا شیخ لاہوری کے ہاں ٹھہرتے دونوں ایک دوسرے کے دوست بھی تھے۔

ایک دفعہ بابا شیخ لاہوری اور مبارک شاہ سندھی دونوں دریا کی سیر سے واپس آرہے تھے کہ مبارک شاہ سندھی پنڈی محلہ میں ایک جگہ رُک گئے۔ بابا صاحب نے رکنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا اس جگہ سے مجھے روحانیت کی خوشبو آتی ہے۔ خدا اگر منظور کرے تو یہی جگہ میرا مدفن ہو۔ بابا صاحب نے فرمایا اگر میری زندگی میں تمہارا انتقال ہوا تو میں اسی جگہ دفن کروں گا لیکن اتفاق سے بابا صاحب ان سے پہلے وفات پا گئے۔ مگر مبارک شاہ سندھی کی میت ان کی خواہش کے مطابق اسی جگہ دفن کی گئی یہاں ایک کنواں اور مسجد بھی آباد تھی۔

جھنگ میں آمد

جب بابا شیخ لاہوری صاحب کا انتقال ہوا تو مبارک شاہ سندھی صاحب

ملول خاطر ہوئے حضرت عبدالقادر نے ان کو بلا کر فرمایا مبارک شاہ آج تمہارا دوست دُنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب جھنگ خالی ہے تم وہاں چلے جاؤ یہ حکم سُنتے ہی مبارک شاہ جھنگ پہنچ گئے۔ جہاں ان کے دوست بابا صاحب کو غسل دینے کی تیاری ہو رہی تھی۔ مبارک شاہ صاحب نے بابا صاحب کی میت کو غسل دیا اور خود جنازہ پڑھایا۔ ان کو سپردِ خاک کر کے آپ اس جگہ تشریف لائے جہاں ان کا مزار موجود ہے اور اسی جگہ ڈیرہ ڈال دیا۔

اذان کی آواز

جب یہاں پہنچے تو قریب کی مسجد ویران تھی مسلمان اس میں نماز پڑھنے نہیں آتے تھے بلکہ سامنے کی مسجد میں جاتے تھے۔ ان کو اس بات کا رنج پہنچا اور اذان و نماز کا مسجد میں باقاعدہ سلسلہ شروع کیا۔ خود اذان دیتے اور خود ہی نماز پڑھاتے۔ اس پر لوگ حیران ہوئے کہ مسجد سے اذان کی آواز آتی ہے مگر اذان دینے والا نظر نہیں آتا۔ اسی طرح نماز باجماعت ہوتی ہے مگر امام اور مقتدی نظر نہیں آتے۔ چنانچہ لوگوں نے اس وقت کے ایک سید سے جو محلہ پنڈی ہی کے رہنے والے تھے واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا یقیناً کوئی ولی اللہ مسجد میں آیا ہے۔ اور خود بھی ان کے پاس آئے اور ان کے مرید ہوئے۔ اس طرح محلہ کے مسلمان بھی مسجد میں آنے شروع ہو گئے اور مسجد آباد ہو گئی

اولیائے جھنگ

خوارق واقعات

یوں تو بے شمار خوارق واقعات آپ سے منسوب ہیں۔ لیکن چند مشہور واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے ایک دفعہ اس علاقہ کے ایک زمیندار دولت مند نے ایک غریب لڑکی کو گھر میں بلاکر اس پر مجرمانہ حملہ کیا لڑکی نے مزاحمت کی لیکن لڑکی کی مزاحمت اس بدبخت کو نہ روک سکی لڑکی نے خدا کے حضور فریاد کی اس زمیندار نے جو کبر و نخوت کا پتلا تھا جواب دیا یہاں تیرا خدا نہیں آسکتا۔ اچانک دروازہ جو کہ اندر سے بند تھا ٹوٹ گیا اور ایک غیبی ہاتھ نے اس زمیندار کی گردن مروڑ کر لڑکی کو باہر نکالا۔

اسی طرح ایک دفعہ قبرستان سے گذر رہے تھے کہ ایک قبر کے پاس رک گئے اس کی میت پر عذاب تھا۔ واپس آکر اُس کے ورثا کو بلایا اور فرمایا کہ فلاں شخص نے کسی بیوہ کی امانت میں خیانت کی ہے جس کی وجہ سے وہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہے تم بیوہ کی امانت واپس کر دو تاکہ وہ عذاب سے بچ سکے چنانچہ ورثا نے واقعہ کی ٹوہ لگائی تو معاملہ درست ثابت ہوا۔ بیوہ کی امانت واپس کر دی گئی۔

ایک دفعہ ملک میں قحط پڑ گیا بڑے لوگوں نے غلہ کا ذخیرہ کر لیا۔ غریب سخت پریشان ہوئے آپ نے منادی کرا دی کہ جن لوگوں نے غلہ کا ذخیرہ کیا وہ اپنا غلہ غریبوں میں بانٹ دیں ورنہ دس روز کے بعد ان پر اللہ کا عذاب آنے والا ہے

چنانچہ ماسوا ایک شخص کے باقی سب نے غلہ تقسیم کردیا۔ جس شخص نے غلہ چھپا کے رکھا اس کے مکان کو آگ لگ گئی وہ خود بھی جل گیا اور لوگوں نے اس کے مکان سے غلہ نکال کر تقسیم کرلیا۔

خود راقم الحروف ایک بار بغرض فوٹو ان کے مزار کا فوٹو لینے گیا لیکن سر توڑ کوشش کے باوجود کیمرہ نے کام نہ کیا۔ اس وقت سینکڑوں اہل محلہ نے بھی جن میں سے بعض کے پاس اپنے ذاتی کیمرے تھے فوٹو لینے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

آخرش راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت مبارک شاہ سندھی صاحب جلالی بزرگ تھے اور غیر شرعی افعال کو ہرگز پسند نہیں فرماتے تھے ان کی وفات ۱۱۸۷ھ میں ہوئی اور پنڈی محلہ کے بڑے سید صاحب نے جو ان کے خلیفہ تھے ان کو غسل دیا اور نماز جنازہ پڑھائی اور ان کے ڈیرہ پر ہی دفن کیا ان سید صاحب کی قبر بھی اسی احاطہ میں موجود ہے۔

شاہ محبوب عالم رحمۃ اللہ

ولادت ۱۰۱۱ ھجری

وفات ۱۰۹۱ ھجری

مدفن : شورکوٹ شہر

حضرت محبوب عالم کا شجرہ نسب پندرھویں پشت میں جناب سید عبدالقادر جیلانی سے جاملتا ہے۔ محبوب عالم بن عبدالوہاب بن سید گلشیر بن سید یحییٰ بن حیدر علی بن سید ابو عالم بن کرم شاہ بن نصرالدین بن موسیٰ قادری بن موسیٰ ثانی بن سید بشیر بن نورالدین ثانی بن عبدالرزاق بن سیدنا غوث الاعظمؒ آپ کے والد سید عبدالوہاب ابتدا میں جھنگ تشریف لائے تلمبہ کا قلعہ انکی قیادت میں فتح ہوا۔ سید صاحب نے شورکوٹ میں تیس ہزار کنال اراضی حاصل کرکے آباد کی ۱۰۱۱ ہجری کے قریب محبوب عالم پیدا ہوئے والد نے حصولِ تعلیم کے لیے آپ کو حیدر آباد دکن میں گلبرگہ سے سات میل دور اردلی میں شاہ باتھہ مکتب قادریہ میں بھیج دیا۔ فارغ التحصیل ہوکر آپنے دس سال فوجی ملازمت میں بسر کئے پھر سنیاسیوں، جوگیوں، نانک شاہیوں اور بیراگیوں کی صحبت میں سیاحت کی۔ گرنتھ بھی پڑھا۔ دکن سے عہد اورنگ زیب میں شورکوٹ واپس پہنچے اور بھڑکے اوپر درس کا سلسلہ جاری کیا لیکن معاصرانہ چشمک کے باعث نیچے شہر میں منتقل ہو گئے حلقہ

ارادت دبیع تر تھا غیر مسلم بھی آپ کے عقیدت مند تھے تلمبہ مظفر گڑھ اور ملتان میں آپ کے آستانے ابھی موجود ہیں۔ آپ کا سنِ وفات ۱۰۹۱ ہجری ہے آپ کا مزار پختہ اور دروازے پر طلوع آفتاب کا منظر نقش ہے مزار کی تعمیر دربار مغلیہ کی رہینِ منت ہے عمارت کے نقش و نگار میں مغلیہ فنِ تعمیر جھلکتا ہے۔

آپ عموماً جذب و مستی اور نیم برہنگی کے عالم میں رہتے آپ سے متعدد کرامات منسوب ہیں مثلاً یہودی کو مسلمان کرنا روئی کو آگ سے محفوظ رکھنا، آپ اولاد سے محروم ہے البتہ آپ کے برادر حقیقی سید عبدالرسول کی اولاد آج تک شور کورٹ اور گرد و نواح میں دربار مغلیہ سے عطا کردہ جاگیر کی وارث ہے، سید عبدالرسول شاہ کے پڑپوتے سید امان اللہ عرف پیر کالو شاہ کی شادی مغل حکمران خاندان میں ہوئی تھی عبدالرسول کی نسل میں سید طالب حسین اور ڈاکٹر جمشید حسین وغیرہ بقید حیات ہیں۔

O

حضرت محمد صالح سہروردی

وفات:- ۱۱۱۰ ہجری

مدفن:- قبرستان میاں وڈا، لاہور

حضرت محمد صالح صاحب ذات کے کہار تھے اور حضرت محمد فاضل لنگا۔ موضع لنگے، تحصیل لالیاں، چنیوٹ کے مرید و خلیفہ تھے جب آپ کو حضرت میاں وڈا صاحب کے بارے میں علم ہوا کہ لاہور میں ان کا سلسلۂ تبلیغ وسیع ہے۔ تو آپ بھی اس شوقِ علم کے لئے لاہور وارد ہوئے جس روز آپ لاہور آنے والے تھے حضرت میاں وڈا صاحب بڑے بے قرار رہے۔ بار بار مسجد سے اُٹھ کر باہر آتے، پھر اندر چلے جاتے، جب حضرت محمد صالح صاحب مسجد میں پہنچے تو آپ کا اضطراب دور ہوا۔ آپ میاں صاحب کی قربت میں رہنے لگے۔ میاں صاحب نے لاہور میں اپنے مرید کی لڑکی سے شادی کرا دی، لیکن عورت فوت ہو گئی۔ میاں صاحب نے دوسری شادی کرائی اس سے اولاد نہ ہوئی۔ پھر میاں صاحب نے تیسری شادی کرائی اس سے اولاد ہوئی جو اس وقت لاہور میں موجود ہے۔ میاں وڈا صاحب کی وفات کے بعد آپ سجادہ نشین ہوئے۔ پچپن سال تک آپ نے قرآن مجید کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ تن تنہا جاری رکھا، اور ۱۱۱۰ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار بھی درس میاں وڈا کے احاطہ میں موجود ہے۔

اولیائے جھنگ

حافظ محمد صدیق لالی

ولادت :- ۱۱۵۲ھ

وفات :- ۱۲۱۸ھ

مدفن :- قصبہ لالیاں نزد چنیوٹ

حضرت حافظ محمد صدیقؒ لالی حنفی قادری حضرت سید عبدالقادر جیلانی الثانی پیر کوٹ سدھانہ کے خلیفہ اور عارف باللہ تھے۔ آپ پنجابی اور فارسی شاعری کا بھی پاکیزہ ذوق رکھتے تھے، اپنے وقت کے فقیہہ اور علوم ظاہری و باطنی میں باکمال تھے۔ اور لالی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد محترم بھی نہایت دیندار بزرگ تھے، اور انہی کی پاکیزہ تربیت اور صحبت سے ہی آپ کا رجوع دینِ حق کی طرف تھا، ابتدائی تعلیم چنیوٹ کے ایک بزرگ حضرت شاہ حلیم سے حاصل کی۔ آپ کے اُستاد علومِ شرعیہ پر پوری دسترس رکھتے تھے جب آپ عالمِ شباب میں پہنچے تو ایک رات سوتے ہوئے خواب میں ایک بزرگ کی زیارت نصیب ہوئی، اس بزرگ نے آپ سے فرمایا "اللہ تک رسائی کے لئے کوئی وسیلہ اختیار کرو۔ تاکہ علم و معرفت کی منزلوں سے آشنا ہوسکو آپ نے اس بزرگ سے عرض کیا، یا حضرت آپ ہی رہنمائی فرمائیں۔ تو اس

بزرگ نے فرمایا: یہاں سے جنوب کی طرف چلے جاؤ۔ دریا کے کنارے ایک بزرگ تمہارے انتظار میں ہیں۔ آپ خواب سے بیدار ہوئے تو دُنیا سے قلب بدل چکی تھی، آپ نے مرشد کی تلاش کے لئے سفر اختیار کیا، اور دریائے چناب کے کنارے کنارے قصبہ پیر کوٹ سدھانہ میں تشریف لائے، جہاں سیّد عبدالقادر جیلانی الثانی کی مجلس آراستہ تھی، آپ نے مجلس کے قریب پہنچ کر سلام عرض کیا۔ تو حضرت قبلہ نے فرمایا "حافظ محمد صدیق! مجھے تمہارے بارے میں مرشد کامل نے سفارش کی ہے۔ آؤ میرے پاس بیٹھو، تاکہ میں اپنے مرشد سے سُرخ رو ہو سکوں"

حافظ صاحب آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا۔ "شریعت سے واقف ہو چکے ہو؟

آپ نے فرمایا: "کوشش کر رہا ہوں۔"

مرشد نے فرمایا "انشاء اللہ شریعت و معرفت دونوں پر عبور حاصل کر لوگے۔"

چنانچہ حافظ صاحب مرشد کے وصال تک ان کے پاس رہے اور مرشد نے آپ کو خلافت سے سرفراز کیا۔

۱۱۹۰ ہجری میں آپ کے مرشد کا وصال ہوا تو آپ سخت رنج و غم میں مبتلا ہو گئے۔ مرشد کا فراق ہی آپ کی شاعری میں سوز و گداز کا سبب بنا چنانچہ آپ

واپس چنیوٹ تشریف لائے۔ چند ماہ چنیوٹ رہنے کے بعد موجودہ قصبہ لالیاں میں ڈیرہ لگا لیا۔ جہاں پہلے آبادی نہیں تھی۔ آپ کی وجہ سے قصبہ لالیاں آباد ہوا۔ آپ نے زندگی میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں بحر العشق۔ نور الحقیقت رسالہ چہل حدیث۔ رسالۃ القرآن۔ رسالۃ الجلیل۔ ۲۰ ٹولے۔ عبرت نامہ فرحت نامہ۔ حلیہ شریف۔ ذوق و شوق۔ سہ حرفیاں۔ رباعیاں شامل ہیں۔ ان میں کچھ قلمی ہیں اور کچھ شائع ہو چکی ہیں۔

حافظ صاحب کے بارے میں لالیاں کا بچہ بچہ عقیدت و احترام کے جذبات رکھتا ہے۔ اور یہ شعر عموماً ورد زبان ہے۔

محمد صدیق لالیا، گنڈ ساری دیا دا لیا

★

حضرت شیخ محمد خلیل سہروردی

ولادت :- ۱۰۰۰ ھ

وفات :- ۱۰۹۰ ھ

مدفن :- پھنی واچک ضلع سیالکوٹ

حضرت شیخ محمد خلیل صاحب سہروردی، کھوکھر قوم کے تارک الدنیا اور متوکل بزرگ تھے۔ شیخ محمد اسمٰعیل عرف میاں وڈا مدفون لاہور آپ کے حقیقی بڑے بھائی تھے۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت فتح اللہ سہروردی اپنے عہد کے محدث فقیہہ اور مفسر قرآن تھے۔ اور باطنی سلسلہ حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی سے ملتا تھا۔

حضرت شیخ محمد خلیل صاحب موضع جبہ علاقہ تھانہ بھوانہ تحصیل چنیوٹ میں ہجری ۱۰۰۰ میں تولد ہوئے۔ مادرزاد ولی تھے۔ ابتدا ہی میں آپ سے خوارق واقعات کا ظہور شروع ہو گیا تھا۔ اور بچپن و لڑکپن میں بے شمار کرامتیں سرزد ہوئیں۔ آپ کو سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ مختلف بزرگوں کے مزارات پر عموماً حاضری دیتے۔ چنانچہ اسی شوق کی تکمیل کے لئے حج بیت اللہ شریف کا دل میں ارادہ کر کے ملتان تشریف لے گئے، ایک مسجد

میں قیام فرما تھے اور آگے سفر کا منصوبہ بنا رہے تھے کہ آپ کے برادر اکبر حضرت میاں محمد اسمٰعیل صاحب کو باطنی طور پر آپ کے اس ارادے سے آگاہی ہوئی آپ چونکہ صاحبِ استغراق تھے، اِس خیال سے میاں وڈا صاحب نے بارگاہِ ایزدی میں التجا کی کہ میرے بھائی کو میرے پاس پہنچا یا جائے، عین اسی وقت جبکہ میاں صاحب دعا میں مصروف تھے، حضرت محمد خلیل صاحب کو عالمِ استغراق میں ہی اپنے بھائی کی خواہش کا علم ہوا۔ تو آپ نے جذب و مستی کے عالم میں مسجد کو حکم دیا کہ وہ لاہور پہنچے ۔ چنانچہ وہ مسجد فضا میں بلند ہو کر پرواز کرنے لگی ۔ جب ملتان کے بزرگوں نے یہ واقعہ دیکھا تو باطنی طور پر مسجد کو روکنے کی کوشش کی، لیکن مسجد پرواز کرکے لاہور پہنچ گئی ۔ جہاں میاں وڈا صاحب کو علم ہوا، تو انھوں نے مسجد کو واپس جانے کا حکم دیا ۔ اِس طرح آپ لاہور میں اپنے بھائی کے پاس پہنچ گئے ۔

ایک دفعہ آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آواز آئی کہ ادب کرو۔ آپ فوراً سہم گئے، اور خیال کیا کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے۔ تحقیق پر پتہ چلا کہ کسی شاگرد نے غلطی سے قرآن مجید اور رحل درخت کے تنے میں رکھا ہوا تھا۔ اور آپ کی اس طرف پشت تھی آپ نے بارگاہِ ایزدی میں معافی مانگی ۔

آپ کی وفات ۱۰۹۸ ہجری میں ہوئی، اور آپ کا جسدِ مبارک موضع چھنی داجک ضلع سیالکوٹ میں دفن کیا گیا، جہاں آپ کا عرس منایا جاتا ہے ۔

اولیائے جھنگ

محمد فاضل لانگا

ولادت :- ۱۰۲۵ھ

وفات :- ۱۱۰۳ھ

مدفن :- موضع لانگے چنیوٹ

محمد فاضل صاحب کھوکھر خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد محمد افضل کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے، اور چنیوٹ کے قریب دریا چناب کے کنارے کچھ اراضی ان کی ملکیت تھی۔ مورخین نے حضرت محمد فاضل کے ابتدائی حالات پر روشنی نہیں ڈالی۔ نہ ہی زبانی روایات اس ضمن میں رہنمائی کرتی ہیں، البتہ تحقیقات چشتیہ میں ان کے عہد جوانی کا ذکر موجود ہے۔

میاں وڈا کی خدمت میں

جب آپ کی عمر بیس سال کی ہوئی تو آپ کے والد محمد افضل نے دینی تعلیم کے لئے آپ کو حضرت محمد اسمٰعیل عرف میاں وڈا کی خدمت میں پیش کیا، میاں صاحب نے آپ کو دیکھ کر فرمایا۔ افضل سے فاضل ہی ہو گا، یعنی محمد افضل کا بیٹا محمد فاضل علمی اعتبار سے فاضل ہوگا۔ میاں صاحب نے آپ کو اپنے درس میں شامل کر لیا۔ یہ درس چناب کے کنارے جنگل میں شیشم کے ایک

درخت کے نیچے قائم تھا ، اور یہیں سے علوم ظاہری و باطنی کے چشمے جاری تھے

طلباء کا امتحان

حضرت میاں صاحب کے پاس طالب علموں کی تعداد ڈھائی سو کے قریب تھی۔ لیکن ان کی خوراک کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ کیونکہ آپ بڑے متوکل تھے ۔ اور روزی کے لیے پریشانی کو گناہ سمجھتے تھے ۔ اس وجہ سے اکثر اوقات میاں صاحب اور طالب علم کئی کئی دن فاقہ میں رہتے تھے ۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ کئی روز گزر گئے طالب علموں کو کھانا نہ مل سکا ۔ اتفاق سے ایک بڑھیا میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی ، اور گندم کی ایک روٹی پیش کی ، آپ نے یہ روٹی محمد فاضل کو دے دی ، انھوں نے دوسرے طالب علم کو پیش کی ۔ اُس نے تیسرے کو ، اس طرح یہ روٹی طالب علموں میں پھرتی ہوئی واپس میاں صاحب کے پاس آگئی ۔

میاں صاحب نے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے طلباء کو صبر و قناعت ، توکل اور ایثار و قربانی اور دوسروں کی بھلائی کا نیک جذبہ عطا کیا ہے ۔ کیونکہ اکثر طالب علموں کا بھوک کے مارے بُرا حال تھا ۔ لیکن انھوں نے دوسروں کا خیال رکھا ، میاں صاحب نے یہ کیفیت دیکھی تو طالب علموں کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تم پر راضی ہے ، اب تم پاک صاف ہو اور پرندوں کی طرح اُڑ سکتے ہو ، چنانچہ آپ نے طالب علموں

کو حکم دیا کہ اُڑ جاؤ، تمام طالب علم پرندوں کی طرح اُڑ گئے، جب محمد فاضل صاحب اُڑنے لگے تو میاں صاحب نے ان کی ٹانگ پر عصا مارا، جس سے آپ لنگڑے ہو گئے۔ اور اُڑ نہ سکے۔ پنجابی میں لنگڑے کو لنگا کہتے ہیں، چنانچہ میاں صاحب نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "لنگے! تم یہیں رہو گے۔"

چنانچہ آپ میاں صاحب کی خدمت میں رہنے لگے، اور عبادت و ریاضت میں مرشد کا اتباع فرمایا۔ جب میاں وڈا صاحب اپنے مرشد مخدوم عبدالکریم کے ارشاد کے مطابق چنیوٹ سے لاہور روانہ ہوئے تو اپنے درس کا آپ کو نگران مقرر فرمایا۔ اس دن سے محمد فاضل لانگا کے نام سے مشہور ہوئے۔

وفات

آپ زندگی کے آخری سانس تک اپنے مرشد کے حکم پر دریا کے کنارے جنگل میں ہی درس چلاتے رہے۔ آپ کی وفات ہجری ۱۱۰۳ میں ہوئی اور موضع لنگے علاقہ لالیاں میں اپنے مرشد کے درس کے احاطہ میں دفن ہوئے، آپ کا مزار اسی جگہ موجود ہے، اور مرجع خلائق ہے۔ بہت سے قبیلے آپ کے مرید ہیں۔

مدو کانواں

ولادت :- ۱۱۰۳ ہجری

وفات :- ۱۲۰۱ ہجری

مدفن :- مدّو کی ریلوے اسٹیشن جھنگ

آپ کانواں سیال قوم سے تعلق رکھتے تھے، جن کی زیادہ تر آبادی تحصیل چنیوٹ میں ہے۔ آپ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔ صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ آپ عنفوانِ شباب میں چوروں اور ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل ہوگئے، چنیوٹ اور جھنگ کے جنگل آپ نے چھان مارے کوئی رات واردات سے خالی نہ جاتی۔ آپ کا نام ڈاکوؤں میں بہت مشہور تھا۔ اور آپ کی قوم کے افراد آپ کو بدو کانواں کہا کرتے تھے (بہ معنی جاہل، اُجڈ اور سفاک) لیکن جب قدرت نوازنے پر آتی ہے تو آنکھ جھپکنے میں انسان کی کایا بدل جاتی ہے۔

ایک رات حضرت محمد یوسف صاحب جن کا مزار مبارک سرگودھا کے قریب ہے اپنے خلفاء کے ہمراہ جنگل میں آکر مقیم ہوئے۔ آپ کو بھی علم ہوگیا کہ کوئی امیر کبیر شخص آج رات یہاں ٹھہرا ہے، چنانچہ

آپ نصف رات کے بعد جب قافلے کے تمام آدمی سو رہے تھے، چوری کرنے کی نیت سے وہاں پہنچے، موقع غنیمت تھا آپ نے گھوڑیاں کھولنے کی کوشش کی، مگر اگلے پاؤں کی رسیاں کھولتے تو ان کے پچھلے پاؤں از خود بندھ جاتے پچھلی رسیاں کاٹتے تو اگلی بندھ جاتیں۔ آپ کو اپنے فن پر بڑا ناز تھا۔ لیکن یہاں یہ فن ناکام ہو گیا۔ آپ نے بہت کوشش کی، لیکن کوئی گھوڑی بھی نہ کھول سکے۔ یہ واقعہ حضرت محمد یوسف صاحب دیکھ رہے تھے جو نماز تہجد کے لئے اُٹھے تھے، جب آپ ناکام ہو کر پکڑے جانے کے خوف سے بھاگنے لگے تو حضرت محمد یوسف صاحب نے آپ کو آواز دی "بھاگتے کہاں ہو ٹھہر جاؤ۔!" چنانچہ آپ سہم گئے اور پسینہ پسینہ ہو گئے۔ حضرت محمد یوسف نے آپ کو گلے لگا لیا۔ اور نام دریافت کیا تو آپ نے عرض کیا۔ "حضور اصل نام تو مراد تھا، لیکن بد عادتوں کی وجہ سے بُدو مشہور ہو گیا ہوں"

آپ نے فرمایا۔ "مراد! تم اپنی مراد کو پہنچ گئے ہو۔ زندگی میں جتنی کوشش تم نے مخلوقِ خدا کو تنگ کرنے میں کی، اُس سے زیادہ کوشش مخلوق کی خدمت کرنے پر صرف کرو۔ انشاءاللہ تمہیں سب سے بڑی نعمت، خداوند قدوس کی تجلیات کے ذریعے نصیب ہو گی۔"

چنانچہ آپ نے حضرت محمد یوسف صاحب کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی اور مرشد سے بیعت ہوئے

ایک رات کے چند لمحوں نے اُن کی منزل بدل دی۔ آپ نے باقی زندگی مخلوقِ خدا کی خدمت میں بسر کی۔ ہمیشہ یادِ الٰہی میں مصروف رہے، زندگی کے آخری دنوں میں تو یہ عالم تھا کہ آپ کو کائنات کے ہر ذرّے میں خدا کا جلوہ نظر آتا تھا۔ اور آپ ہر وقت جذب کے عالم میں رہتے۔ آپ کا انتقال ۱۲۱۰ھ کے قریب ہوا اور آپ کی جھونپڑی ہی آپ کا مدفن بنی۔ جہاں ہر سال عرس اور میلہ منایا جاتا ہے، آپ کے مدفن کے قریب ہی گاؤں آباد ہو گیا۔ جو آپ کے نام سے مدو کی مشہور ہے۔ یہ جھنگ، شورکوٹ کے درمیان ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ آپ کے مزار پر اب بھی حاضری دینے اور مرادیں پانے والوں کا جم غفیر رہتا ہے۔ مریضوں اور خصوصاً آسیب زدہ مریضوں کے بارے میں سُنا ہے کہ وہ منت مانتے ہیں تو اللہ تعالےٰ شفا عطا کرتا ہے۔

مراد شاہ نقش بندی

وفات:۔ ۱۱۹۷ھ

مدفن :۔ مال روڈ لب سڑک جھنگ صدر

جھنگ صدر میں مال روڈ پر تھانہ صدر سے غلّہ منڈی کی طرف جاتے ہوئے جامع مسجد محلہ برجی والا کے قریب بائیں ہاتھ کو لب سڑک ایک کچی قبر جس کے گرد چھوٹی سی چاردیواری موجود ہے، نظر آتی ہے، یہ قبر حضرت مراد شاہ نقش بندی کی ہے۔

حضرت مراد شاہ، حضرت حافظ عبدالکریم نقشبندی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ اور مشہور ہے کہ حافظ صاحب کے پاس جس قدر جن پڑھتے تھے مراد شاہ اِن کے مانیٹر تھے، اور جماعت و درس کے دوران اِن کی دیکھ بھال پہ مامور تھے،

حضرت مراد شاہ کو اپنے اُستاد اور پیرو مرشد سے بے پناہ محبت تھی جب حافظ صاحب کا آخری وقت قریب آیا، تو آپ کے شاگرد موت کی جدائی سے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے حضرت مراد شاہ کو جو سب سے زیادہ بے قرار و مضطرب تھے، حافظ صاحب نے اپنے پاس بلایا اور فرمایا

کہ "موت برحق ہے، اس کا وقت نہیں ٹل سکتا۔ انبیائے کرام کو خدا نے مہلت نہیں دی، ہم ان کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ تم صبر کرو۔"

مراد شاہ نے عرض کی۔ "پیرو مرشد، مجھے موت کا غم نہیں، مجھے اپنی بدقسمتی پر افسوس ہے کہ میں آپ کے علم و فضل سے محروم رہا۔"

حافظ صاحب نے فرمایا "تم میرے مزار پر آجایا کرنا، میں تمہیں سبق پڑھا دیا کروں گا، مگر اس شرط پر کہ یہ بات ظاہر نہ ہونے پائے"

چنانچہ حافظ صاحب کی وفات کے بعد مراد شاہ باقاعدہ مزار پر حاضری دیتے، اور مرشد سے سبق پڑھتے رہے۔ لیکن یہ بات راز نہ رہ سکی، جب اس کا انکشاف ہوا تو مراد شاہ کی طبیعت کا رُخ بدل گیا۔ فوراً جذبے کی کیفیت طاری ہوئی۔ اور دیوانگی کے عالم میں آپ مزار سے واپس جاتے ہوئے گر کر بے ہوش ہو گئے۔ بار بار مرشد کو پکارتے، اسی عالم میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور موجودہ جگہ پر آپ کو دفن کیا گیا۔ اس جگہ پہلے جنگل تھا، لیکن اب آبادی میں شامل ہے۔

وفات کے بعد بھی آپ سے کرامات کا ظہور قائم رہا۔ اس کے چشم دید شاہد اب بھی موجود ہیں۔ مشہور ہے کہ جو شخص بھی مزار کے قریب جانور باندھے، یا خلاف شرع کام کرے اس کو فوراً احساس ہو جاتا ہے، بلکہ بعض روایات کے مطابق شدید محاسبہ ہوتا ہے۔

مہر گلزار حسین جن کے خاندان کے مکانات مزار کے قریب ہیں، مزار کی دیکھ بھال، صفائی اور روشنی وغیرہ کے سلسلے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔

مہابلی شیخ رح

اس نام کے ایک بزرگ کا مزار قصبہ مہابلی علاقہ تھانہ قادرپور میں موجود ہے حالات زندگی نہیں مل سکے صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ آپ سلسلہ قلندریہ کے صاحب کرامت بزرگ تھے آپ کو روحانی فیض حضرت لعل شہباز قلندر کی بارگاہ سے ملا آپ کھوکھر خاندان سے تعلق رکھتے تھے اب بھی ان کے ارادتمند وغیرہ سے ہر سال اگر مزار پر حاضری دینا سعادت سمجھتے ہیں۔

بابا مستانہ کلواڑ

مدفن: ٹھٹھی شاہ شکور جھنگ

حضرت بابا مستانہ کلواڑ علاقہ شاہ پور کے رہنے والے تھے، تلاش مرشد کے سلسلہ میں وارد جھنگ ہوئے۔ حضرت عبدالشکور شاہ بن مخدوم گل شیر شاہ کے علم و عرفان کا طوطی بولتا تھا۔ آپ بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی۔ ———————— مرشد کی ایک ہی نظر نے آپ کو مستانہ بنا دیا، چنانچہ زندگی کے آخری سانس تک مرشد کے لنگر خانے کے ناظم رہے۔ صاحب مقبول بارگاہ تھے، آپ ہی کی دعا سے کے خلیفہ میاں لال دین کو اللہ تعالٰی نے اولاد نرینہ عطا کی۔ جن میں دو فرزند چو غطہ اور مستہ مشہور ولی اللہ ہوتے ہیں۔ ان تمام کے مزارات ٹھٹھی شاہ شکور کے قبرستان میں مرجع خلائق ہیں۔

شیخ محمد اسمٰعیل عرف میاں وڈّا

ولادت :- ۹۹۵ ھج

وفات :- ۱۰۸۵ ھج

مدفن :- لاہور

اِس دور میں لاہور میں دینی تعلیم کا سب سے بڑا ادارہ جس پر اب محکمہ اوقاف نے قبضہ کر رکھا ہے درس میاں وڈا کے نام سے مشہور رہے، جو دراصل حضرت شیخ محمد اسمٰعیل عرف میاں وڈا نے جاری کیا تھا۔

ابتدائی حالات

آپ کے والد کا نام میاں فتح اللہ تھا اور قوم کے کھوکھر تھے، آپ کا آبائی قصبہ موضع جبہ علاقہ تھانہ بھوانہ تحصیل چنیوٹ ہے، آپ کی ولادت ۹۹۵ ہجری میں ہوئی۔ اس وقت یہ علاقہ زیادہ تر کھوکھر قوم کی ملکیت تھا۔ اور یہ قوم زراعت و کاشت کاری میں مشہور تھی۔

آپ کے والد جناب فتح اللہ فقہ و حدیث کے بہت بڑے عالم تھے، اور اپنے علاقہ میں سند کا درجہ رکھتے تھے، جب شیخ محمد اسمٰعیل کی ولادت ہوئی تو نام تجویز کرنے کے لئے آپ کے والد نے استخارہ کیا،

جس میں ان کو محمد اسمٰعیل کی بشارت ملی - ابھی آپ کی عمر پانچ سال کی تھی کہ قرآن مجید حفظ کر لیا- میاں فتح اللہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کے لئے کسی اچھی درس گاہ کا خیال کیا تو غیبی طور پر ان کو قصبہ لنگر مخدوم کا اشارہ ملا- جہاں اس وقت شیخ عبدالکریم صاحب سہروردی کا درس جاری تھا- چنانچہ میاں فتح اللہ آپ کو لے کر حضرت شیخ عبدالکریم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے - اور آپ کو ان کے سپرد کیا-

فیض باطنی

چنانچہ آپ استاذ اور مرشد حضرت عبدالکریم کی خاص توجہ سے باطنی علوم کی منزلیں طے کرنے لگے - عبادت و ریاضت میں مشہور تھے - اور اپنے ہم مکتبوں میں ہمیشہ ممتاز رہتے تھے - جب آپ کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو مرشد نے آپ کو آٹا پیسنے پر مامور کر دیا کیونکہ اس وقت دو سو کے قریب طلبا اس میں شامل تھے جن کے تمام تر اخراجات لنگر خانہ سے پورے ہوتے تھے لنگر خانہ حضرت عبدالکریم نے خود قائم کیا تھا- چنانچہ آپ کئی سال تک آٹا فراہم کرنے پر مامور رہے- اتفاق سے ایک دن آٹا وقت پر نہ پہنچ سکا- لنگر خانہ کے ناظم نے آکر حضرت عبدالکریم کو اطلاع دی- آپ کو یہ اطلاع سنکر تشویش ہوئی اور اپنے دو شاگردوں کو آپ کے کمرہ میں بھیجا تاکہ وہ دیکھ آئیں-

کہیں میاں اسمٰعیل بیمار تو نہیں جب یہ دو طالب علم آپ کے کمرہ میں داخل ہوئے تو وہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ میاں صاحب سربسجود ہیں اور چکی خود بخود چل رہی ہے درویشوں نے یہ واقعہ اپنے مرشد عبدالکریم صاحب کو سنایا تو وہ خود تشریف لائے۔ فوراً فرمایا " دیدکہ آسیا بہ حکم غیب درگردش است واسمٰعیل سر بہ مراقبہ" دبے پاؤں واپس آ گئے۔ جب میاں صاحب ہوش میں آئے تو فوراً اٹھا لے کر مرشد کے حضور پہنچے۔ اور تاخیر کی معذرت کی۔ مرشد نے فرمایا میاں اسمٰعیل آج سے یہ مشقت بند کر دو۔ کیونکہ اس سے فرشتوں کو زحمت ہوتی ہے۔ جب آپ نے خدمت کے لئے اصرار کیا تو مرشد نے فرمایا کہ آپ دو وقت دودھ دوھ کہ مجھے دیا کریں اور باقی وقت مطالعہ دیا داللہ میں گزاریں۔ چنانچہ آپ دو وقت دودھ دوھ کر دیتے رہے۔ کچھ عرصہ اس خدمت پر مامور رہے اس دوران مخدوم صاحب کے پڑوسیوں نے مخدوم صاحب سے عرض کیا کہ آپ کا یہ شاگرد نہایت صالح اور متقی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہمارے جانوروں کا دودھ بھی دوھ دیا کرے۔ چنانچہ آپ نے اجازت مرحمت فرمائی تو میاں صاحب نے مخلوق خدا کی یہ خدمت بھی شروع کر دی۔ آپ کا معمول تھا کہ سارے گاؤں کے برتن ایک جگہ جوڑ کر ان میں دودھ ڈالتے اور سر پر اٹھا لیتے۔ ایک دفعہ آپ کے مرشد مخدوم

عبدالکریم صاحب چھت پر بیٹھے میاں صاحب کو دیکھ رہے تھے کہ برتن کافی تعداد میں ہیں مگر میاں صاحب کے سر سے بلند ہیں اور ہوا میں ساتھ ساتھ آ رہے ہیں آپ نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ میاں اسمٰعیل درجۂ ولایت میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور استادی شاگردی کا رشتہ اب قائم رکھنا ضروری نہیں چنانچہ آپ نے میاں صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ آج میں آپ کو اجازت دیتا ہوں آپ خود مسندِ ارشاد پر متمکن ہیں لہٰذا خود کو خلق اللہ کے لئے وقف کر دیں۔ میاں صاحب نے مرشد کا حکم سنکر فرمایا جس جگہ جناب ارشاد فرمائیں میں چلا جاؤں۔ مرشد نے دریائے چناب کی طرف اشارہ کیا آپ اسی سمت چل پڑے۔ دس بارہ میل سفر کرنے کے بعد آپ شیشم کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور ڈیرہ لگا کر یادِ الٰہی کرنے لگے۔ چند دنوں کے بعد چند طالبانِ حق بھی آ گئے۔ رفتہ رفتہ طالب علموں کی تعداد ڈیڑھ سو ہو گئی تو آپ کو خیال آیا کہ درویشوں کی تعداد زیادہ ہے اور لنگر خانہ اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ بعض درویش فاقہ مستی میں مبتلا ہوتے اس دوران ایک بڑھیا روٹی لے کر حاضر ہوئی تو اپنے فاقہ مست درویشوں کی طرف روٹی بڑھا دی۔ ایک درویش نے دوسرے کو روٹی دی دوسرے نے تیسرے کو اس طرح تمام درویشوں کے ہاتھ روٹی لگی مگر کسی نے بھی کھائی

جب آپ نے ایثار و محبت کا یہ عالم دیکھا تو درویشوں سے فرمایا اب تم سب پاک ہو چکے ہو اور پرندوں کی طرح اڑ سکتے ہو چنانچہ تمام درویش پرندوں کی طرح اُڑ گئے مگر محمد فاضل نامی ایک درویش نہ اڑ سکا تو آپ نے اس کی ٹانگ پر لاٹھی ماری جس سے وہ لنگڑا ہو گیا۔ آپ نے اِسے لانگا کا خطاب دیا۔ یہ درویش بعد میں عارف باللہ ہوا۔

لاہور کو روانگی

جب آپ کی عمر پینتالیس سال کی ہوئی تو مرشد سے لاہور جانے کی اجازت مانگی حضرت صاحب نے اجازت دیتے ہوئے فرمایا میاں اسمٰعیل قرآن کی اشاعت کرنا چنانچہ آپ مرشد کی نصیحت کو پلے باندھ کر لاہور چلے گئے۔ لاہور پہنچکر آپ نے چالیس روز تک حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر اعتکاف کیا۔ اور اجازت لے کر محلہ گنج پورہ عرف تیلی واڑہ میں قدیم مسجد کو جو کسی جوگی کے تصرّف میں تھی۔ واگزار کرا کے درس جاری کیا۔ اور بعد میں مسجد کو بھی وسیع کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ درس انشاءاللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور قرآن کی اشاعت ہو گی۔

شاہجہان کی عقیدت

مغل شہنشاہ شاہ جہاں کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ اور شاہ نے

درس و مسجد کے لئے آراضی فراہم کی بلکہ شاہی خزانہ سے سالانہ وظیفہ بھی مقرر کیا۔ شاہ جہاں کے بعد اورنگ زیب نے بھی درس کے لئے سات آباد کنوئیں مخصوص کر دیئے۔ اور طلباء کے لئے وسیع مہمان خانہ تعمیر کرادیا۔

سکھوں کے عہد میں

ہجری ۱۰۶۰ھ میں آپ نے درس کا آغاز کیا اس کے بعد جتنی حکومتیں گزریں سب نے اس درس کو زندہ رکھا۔ ۱۸۴۴ عیسوی میں جب سکھوں کی شورش جاری تھی۔ راجہ ہیرا سنگھ نے اپنی دشمن فوج کو شکست دینے کے لئے آپ کی درس گاہ کو دفاعی نقطۂ نظر سے موزوں سمجھ کر یہاں گولا بارود جمع کیا اور احاطہ مزار میں توپ لگا کر دشمن پر حملہ آور ہوا۔ جس سے مزار اور درس گاہ کو نقصان پہنچا لیکن جنگ کے بعد ہیرا سنگھ نے عمارت کی مرمت کرائی اور سرکاری وظیفہ میں بھی اضافہ کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد

قیام پاکستان کے بعد یہ درس اپنی جاگیر کی آمدنی سے چلتا رہا۔ ۱۹۶۰ء میں محکمہ اوقاف نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ اب تک کئی لاکھ اصحاب اس درس سے قرآن مجید کا علم حاصل کر چکے ہیں۔

کہاوت

مشہور ہے کہ جس شخص کا حافظہ کام نہ کرتا ہو وہ میاں صاحب کے

درس کے احاطہ کا گھاس کھائے تو اس کا حافظہ تیز ہو جاتا ہے آج بھی مائیں بچوں کو لے کر درس میں جاتی ہیں اور گھاس کھلاتی ہیں۔ ایک دفعہ میاں صاحب کی خدمت میں ایک نوجوان حاضر ہوا۔ اس نے آپ سے عرض کیا کہ میری بیوی حافظ قرآن ہے۔ اور جب پہلی رات میں شب باشی کے لئے اس کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے سوال کیا، کہ قرآن مجید یاد ہے۔ میں نے سچ بول دیا اور کہا کہ حفظ تو کیا ناظرہ بھی نہیں پڑھ سکتا۔ اس نے فوراً کہا کہ جب تک تم قرآن مجید حفظ نہ کر لو میرے پاس نہ آؤ۔ بات سنا کر نوجوان رو پڑا اور کہا کہ میں بیوی کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ میاں صاحب کو نوجوان کی حالت پر ترس آگیا۔ آپ نے فرمایا کہ کل نماز فجر کے وقت میرے قریب صف میں کھڑا ہونا تاکہ میری نظر تم پر پڑ سکے۔ نوجوان نماز میں آپ کے دائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو اس پر نظر کی۔ یہ نوجوان اسی وقت حافظ ہو گیا۔ اور گھر جا کر بیوی کو قرآن مجید سنایا۔ میاں صاحب کا یہ فیض اب بھی جاری ہے۔

وفات

آپ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں ۱۰۸۵ ہجری پانچ شوال کو وفات پا گئے۔ عالمگیر نے آپ کا مزار تعمیر کرایا۔

جس کی بعد میں توسیع بھی ہوتی رہی - آپ کی وفات کے بعد اس
درس کو سیّد محمود - محمد صالح - حافظ محمود، شرف الدّین - احمد دین
معزالدیّن وغیرہ علماء نے سکھّوں کے عہد تک جاری رکھا۔

حضرت میاں محمدؒی

وفات :-   ۱۱۶۷ ھجری

مدفن :- موضع جامع محمدی شریف چنیوٹ

حضرت میاں محمدی پیدائشی ولی تھے۔ اور ساری زندگی علم وعمل، زہد و تقویٰ - ریاضت وسلوک کی منزلوں میں گزاری - آپ کے ابتدائی حالات تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہیں تاہم بعض تذکرہ نویسوں کے مطابق آپ شاہ پور ضلع سرگودھا کے قصبہ تنگی والا میں ایک کھوکھر خاندان میں پیدا ہوئے - آپ کے والدِ محترم کا نام حافظ اللہ داد تھا حافظ صاحب خود بھی عالم تھے اور ان کی اولاد بھی عالم با عمل ہوئی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد سے حاصل کی، چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کیا اور علومِ ظاہری سے فارغ التحصیل ہوکر مرشد کامل کی تلاش میں نکل پڑے - قدرت نے چونکہ آپ سے اشاعتِ اسلام کا عظیم الشان کام لینا تھا - اس لئے بچپن سے ہی آپ کے دل میں روحانی ذوق پیدا کر دیا۔ جس کی تسکین کے لئے آپ نے ملتان پہنچ کر حضرت بہاؤالدین زکریا کے آستانہ عالیہ پر حاضری دی۔ جہاں آپ - حضرت بہاؤالدین زکریا کے خلیفہ کے خدام میں شامل ہوگئے -

یہاں آپ نے اپنے مرشد کی خدمت میں طویل مدت گزاری اور زہد۔ تقویٰ۔ عبادت و ریاضت کی منازل طے کیں۔ مرشد کی اطاعت کے بعد آپ کو روحانی اور باطنی کمالات کی دولت عطا ہوئی۔ خلافت کا منصب ملا اور مرشد نے آپ کو عوامی اصلاح پر مامور کرتے ہوئے ایک عصا بھی دیا اور فرمایا کہ جہاں نماز پڑھنے لگو یہ عصا زمین میں گاڑ دینا۔ نماز کے بعد پھر عصا زمین سے نکال لیا کرنا۔ جہاں سے عصا نہ اکھڑے وہیں جم جانا اور دین و قرآن کی اشاعت کا کام شروع کر دینا۔ چنانچہ آپ مرشد سے اجازت لے کر ملتان سے چل پڑے اور پیدل سفر کرتے رہے۔ ہر نماز کے وقت عصا زمین میں گاڑ دیتے اور نماز سے فارغ ہو کر عصا اٹھا لیتے۔ جب آپ منزلیں طے کرتے ہوئے موجودہ قصبہ کرڈک محمدی میں وارد ہوئے تو حسب دستور نماز کے وقت عصا زمین میں گاڑ دیا۔ نماز سے فراغت پا کر عصا اٹھانے لگے لیکن ناکام رہے۔ آپ نے امتثالِ امر میں اسی جگہ کو قرآن اور ترویج دین کے لئے منتخب کر لیا۔ آپ کی آمد سے قبل یہاں ایک کنواں تھا اور یہ علاقہ چوروں اور ڈاکوؤں کے لئے محفوظ مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔

چوری ڈکیتی کے علاوہ بھی مختلف قسم کی برائیاں لوگوں میں موجود تھیں۔ آپ نے یہاں کنوئیں کے پاس مسجد تعمیر کی اور درس قرآن جاری

کیا (یہی درس قرآن بتدریج ترقی کرتا ہوا آج جامع محمدی شریف کی صورت میں موجود ہے) اور بے ہودہ رسوم برائیوں اور توہم پرستی کو دور کرنے کے لئے جدوجہد شروع کی۔ آپ کیونکہ صاحب کمال بزرگ تھے۔ بے شمار کرامتیں آپ سے سرزد ہوئیں۔ بہت سے خوارق الفطرت واقعات آپ کی نگاہ باطنی سے ظہور پذیر ہوئے۔ آپ نے ظاہری اور باطنی دونوں، طریقوں سے اصلاح انسانیت کی کوشش کی اور آپ اس میں بفضل خدا کامیاب ہوئے۔ یوں تو آپ سے بے شمار کرامتیں منسوب ہیں لیکن سب سے اہم اعجاز اس اُجڈ اور جاہل علاقہ میں قرآن کی تعلیم تھی۔ جو آج بھی جاری وساری ہے۔ آپ نے چوری ڈکیتی کے خلاف عملی کوشش کی۔ لوگوں کو اخلاقی طور پر اس برائی سے گریز کی تلقین فرمائی مگر ساتھ ہی روحانی علم سے استفادہ کیا۔ کہتے ہیں کہ چور قصبہ محمدی میں داخل ہوتا تو اندھا ہو جاتا بلکہ یہاں سے گزرنے والا چور بھی اس کیفیت سے نہ بچ سکتا۔ اس طرح بڑے بڑے خود سر ڈاکو اور چور توبہ پر مجبور ہو گئے۔ اور ان کی وجہ سے متعدد قبیلے بھی آپ کے حلقۂ بگوش ہوئے۔ آج وہ اثر تو نہیں تاہم اب بھی لوگ چوری وغیرہ سے خوف کھاتے اور برائیوں سے احتراز کرتے ہیں۔

آپ نے مسجد میں درسِ قرآن مجید کا جو سلسلہ شروع فرمایا وہ کامیاب

رہا۔ سینکڑوں طالبانِ حق اس درس میں شامل ہو کر ظاہری و رُوحانی برکات سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کے حلقۂ تلمذ میں طاہر نامی ایک شخص قرآن مجید حفظ کر رہا تھا لیکن بڑا کند ذہن تھا۔ جو سبق اسے ملتا وہ بھلا بیٹھتا اس طرح کئی سال کی محنت کے باوجود وہ قرآنِ مجید حفظ نہ کر سکا۔ ایک دفعہ طاہر آپ کا کوزہ پانی سے بھر کر جب آپ کے پاس پہنچا تو رو پڑا۔ آپ نے آنے کی وجہ دریافت کی اس نے کہا مجھے گھر والے ستم سار کرتے ہیں کہ ساری عمر استاد کے کوزے ہی بھرتا رہیگا۔ یا پڑھے گا بھی یہ سنکر آپ نے اسے تسلی دی اور فرمایا طاہر خدا نے چاہا تو تُو حافظ قرآن ہی ہوگا۔ چنانچہ اگلے ماہ رمضان کا چاند نظر آنے پر لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کون قرآن مجید سنائے گا تو آپ نے فرمایا حافظ طاہر! لوگ حیران ہوئے کہ وہ تو ابھی پوری طرح حفظ ہی نہیں کر سکا لیکن آپ کی زبان سے چونکہ یہ بات نکل چکی تھی قدرت نے اسے منظور فرمایا اور طاہر نے ہی قرآن مجید سنایا۔ طاہر پر گھر والوں کی باتیں سنکر جو احساسِ کمتری چھایا ہوا تھا وہ ختم ہو گیا اور استاد کی روحانی نگاہوں نے اسے حافظ بنا دیا۔ حضرت میاں محمدی صاحب جن برائیوں کے انسداد کے لئے جہاد فرماتے تھے۔ ان میں منشیات خاص طور پر شامل تھیں چنانچہ آپ نے لوگوں کو منشیات سے اس طرح

آزاد کیا کہ آج بھی محمدی کے علاقہ میں باقی منشیات تو کیا حقّہ اور سگریٹ بھی استعمال نہیں کیا جاتا۔ تمباکو کی اس سارے موضع میں کاشت ہی نہیں ہوتی۔ بھنگ اور افیون اور شراب وغیرہ تو بعید از قیاس ہیں۔ آپ نے مرشد کے حکم پر دین حق کی اشاعت کا جو کام شروع کیا تھا۔ وہ بفضلِ خدا کامیاب و کامران رہا۔ اور نیکی کا جو پودا آپ نے گیارھویں صدی میں لگایا تھا خوب پنپ رہا ہے اور اس کے نیک ثمرات لوگوں کے اذہان و قلوب کو پاکیزگی عطا کر رہے ہیں اور لاکھوں اصحاب اس کے سایہ عافیت و رحمت سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ آپ کی وفات قریباً ۱۱۶۷ ہجری میں ہوئی اور جسدِ اسی قصبہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ کی اولاد اور جانشینوں نے بھی اشاعتِ دین حق کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں۔ ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ جامع محمدی شریف (مجوزہ اسلامی یونیورسٹی) کے ناظم مولانا محمد ذاکر اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا محمد نافع حضرتِ محمدّی صاحب ہی کی اولاد ہیں۔ آج بھی جامع محمّدی برائیوں، الحاد، کفر و شرک کے خلاف جہاد میں مصروف ہے۔

میر شہدا

وفات :- ۹۵۵ ہجری

مدفن :- عقبی حصہ بھڑ شورکوٹ شہر

میر شہدا ملتان کے گردیزی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد میر نجم الدین گردیزی اثنا عشری عقائد کے مشہور مبلغ اور صاحب علم تھے۔ اور ملتان سے شورکوٹ تشریف لاتے تھے،

تاریخ فرشتہ کے مطابق میر نجم الدین کے دو فرزند میر شہید اور میر شہدا تھے۔ دونوں عالم باعمل تھے۔ میر شہدا ہجری ۹۴۵ھ میں شورکوٹ کے حاکم مقرر ہوئے۔ دس سال آپ نے حکومت کی۔ آپ کا انتقال ۹۵۵ھ میں ہوا۔ اور آپ کو بھڑ کے عقبی حصے میں ساحل چناب کی جانب دفن کیا گیا۔ اس جگہ آپ کا پختہ مزار موجود ہے۔

○

حضرت مولانا نور احمد نقشبندی

ولادت :-   ۱۲۲۰ھج

وفات :-   ۱۲۹۹ ھج

مدفن :-   چنیوٹ شہر

حضرت مولانا نور احمد صاحب نقشبندی اپنے عہد کے عالم باعمل۔ جنگ آزادی کے مجاہد۔ پیر طریقت۔ صاحب کرامت اور ہمہ صفت بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ مارتھ قوم کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۲۰ ہجری میں موضع موسٰی چوہیاں تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم مولوی قل احمد عرف گل احمد صاحب بھی علاقہ میں نیک متشرع مشہور تھے۔ مولانا نور احمد صاحب کو ابتدا میں ہی شرعی ماحول میسّر آیا جس سے آپ کے فہم و ادراک کی گھتیاں سلجھتی چلی گئیں۔ سات سال کی عمر میں اپنے والد محترم سے قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر آپ نے اپنے جد حضرت مولوی فضل الدّین سے علومِ عقلیہ و نقلیہ حاصل کئے۔ پندرہ سال کی عمر میں عربی اور فارسی پر کامل عبور ہو گیا تھا۔ لیکن علم کی تشنگی باقی تھی آپ نے پانچ سال حضرت قطب مولانا غلام محی الدّین ساکن قصبہ بگّہ سے حدیث فقہ و تفسیر کی تحصیل کی۔ اپنے اُستادِ محترم سے دستارِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد آپ کو باطنی

علوم کے لیۓ مرشد کی تلاش ہوئی۔ چنانچہ آپ حضرت سید امام علی شاہ صاحب نقشبندی
ساکن موضع رتڑ چھتڑ د قصبہ مکان شریف ضلع گورداسپور کی خدمت عالیہ میں حاضر
ہوئے۔ اور پانچ سال تک یہاں رہ کر تزکیہ نفس کے لیۓ ریاضت و مجاہدہ کیا
اور مرشد سے علوم باطنی کا فیض حاصل کیا۔ پانچ سال کے بعد حضرت امام علی شاہ
نے آپ کو خلافت کی نعمت عطا کی۔ اور مرشد ہی کے حکم پر آپ چنیوٹ شہر میں
تشریف لائے۔ چنیوٹ میں آپ کی آمد قریباً ۱۲۴۶ ہجری میں ہوئی۔ آپ نے
کچھ عرصہ چنیوٹ میں رہ کر اس وقت کے مشہور پیشوائے طریقت صوفی اخوند سید
امیر سکنہ کہوٹہ ضلع راولپنڈی اور سید عبداللہ غزنوی کی خدمت میں حاضری دی۔
دونوں بزرگوں سے مراتب تصوّف حاصل کیۓ۔ اور واپس چنیوٹ آکر محلہ ریختی
میں قیام فرمایا اور مسجد لوہارانوالی کو سرچشمہ فیض بنایا۔ صبح و شام درس فرماتے۔
اور جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرماتے۔ اس کی علمی کشش گجرات۔ گوجرانوالہ۔ شیخوپورہ
کے طالبانِ علم کو ان کے پاس کھینچ لاتی۔

علم و عمل کی جو قندیل آپ نے ایک صدی قبل روشن کی تھی۔ اس کی
شعاعوں نے ہزاروں ذہنوں کو گردیدہ اور دلوں کو عقیدت مند بنایا۔ متعدد اصحاب
آپ کے فیض سے علم و عرفان کی منزلوں سے آشنا ہوئے۔ ہزاروں عقیدت مند
آپ کے چشم و ابرو کے اشاروں کے منتظر رہتے تھے۔ لیکن آپ نے ساری
زندگی کبھی دنیاوی خواہش کا اظہار نہ کیا بے حد متوکل تھے۔ اور وضعداری اور

اخلاق و عجز کا یہ عالم تھا کہ چنیوٹ میں آپ کے سوا کوئی شخصیت لوگوں کی نگاہوں میں محترم نہ تھی ، آپ ایسے عقیدت مندوں سے محتاط رہتے ۔۔۔ جو آپ کی دنیاوی ضروریات کے لئے نذرانہ پیش کرنے کے خواہش مند ہوتے بلکہ بعض دفعہ تو ایسے لوگوں سے قطع کلامی بھی کر لیتے تھے ۔ لیکن پھر درگزر بھی فرماتے ایک دفعہ کسی مرید نے آپ سے مصافحہ کرتے ہوئے مٹھی میں دور دپے رکھ دیئے ۔ آپ نے سخت ناپسند کیا ۔ اسی وقت وہ روپے کتے کے سامنے پھینکے کتے نے ان کو سونگھا اور چھوڑ دیا ۔ تو آپ نے فرمایا تم مجھے وہ چیز دینا چاہتے ہو جو کتے بھی پسند نہیں کرتے ۔ حضرت مولانا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مجاہدین میں شامل تھے ۔ اور انگریز سے سخت نفرت رکھتے تھے ۔ مرزا مراد علی نامی ایک تحصیلدار آپ کا معتقد تھا اس نے کئی بار عرض کیا کہ مجھے اپنے حلقۂ ارادت میں شامل فرمائیں لیکن آپ نے ہمیشہ انکار کیا کہ اگر میرے حلقہ میں آنا چاہتے ہو تو پہلے سرکارِ انگریزی کی ملازمت ترک کرو ۔ ایک دفعہ شاہی مسجد چنیوٹ کے خطیب خلیفہ سید الدین نے ڈپٹی کمشنر جھنگ سے شکایت کی کہ مولانا نور احمد برطانوی حکومت کے خلاف تقریریں کرتے ہیں اور عوام کو بغاوت پر آمادہ کرتے ہیں ۔ انگریزوں نے حکومت پر قبضہ کر کے علمائے دین اور مجاہدین جنگِ آزادی کو انتقام کا نشانہ بنایا ہوا تھا ۔ ڈپٹی کمشنر نے آپ کی گرفتاری کا حکم دے دیا آپ پابہ زنجیر ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں پیش ہوئے ۔ ڈپٹی کمشنر

نے انتہائی کوشش کی کہ آپ معافی مانگ لیں۔ قیود و بند اور دار و رسن کا خوف بھی دلایا لیکن آپ نے فرمایا مجھے مصائب اور موت سے کوئی ڈر نہیں مصائب مومن کا زیور ہیں اور موت اٹل ہے وہ کسی کے بس میں نہیں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو مجھے اس دنیا سے اٹھائیگا۔ ورنہ تمہاری حکومت میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ ڈپٹی کمشنر نے ان کو جیل بھجوا دیا۔ اور مقدمہ کا فیصلہ دوسرے دن پر ملتوی کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی غیرت نے ایسا جوش مارا کہ وہ ڈپٹی کمشنر پیٹ کے اپھارہ میں مبتلا ہو گیا۔ اور اذیت کے باعث موت کے قریب پہنچ گیا۔ ڈاکٹروں اور طبیبوں کے علاج بھی بے کار ہو گئے۔ بالآخر کسی نے اسے بتایا کہ اگر مولانا نور احمد صاحب دم کریں تو ممکن ہے آرام مل جائے۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر نے جیل میں ان کے پاس آدمی بھیجا اور عارضی رہائی کا حکم دیا لیکن مولانا نے جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا اور فرمایا اگر ڈپٹی کمشنر کو چارپائی پر ڈال کر جیل میں لایا جائے تو میں دم کروں گا۔

ڈپٹی کمشنر موت کے خوف سے ہر شرط ماننے کو تیار تھا اسے جیل پہنچا دیا گیا۔ مولانا نے اس کے پیٹ سے کپڑا ہٹوا کر لکڑی پر دم کیا۔ اور لکڑی اس کے پیٹ سے چھوئی فوراً اس کا اپھارہ ختم ہو گیا۔ دوسرے دن اس نے مولانا کو باعزت بری کر دیا اور خلیفہ سید الدین کو چنیوٹ سے تبدیل کر دیا گیا۔

حضرت مولانا علوم ظاہری و باطنی پر دسترس رکھتے تھے۔ آپ سے بے شمار کرامات اور خوارق الفطرت واقعات رونما ہوئے۔ جن کا اجمالی ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

آپ کا ایک مرید جھنڈا ترکھان ایک جمعہ کی نماز میں اس لئے شامل نہ ہو سکا کہ جُلاہے نے اسے کپڑا بُن کر نہیں دیا تھا۔ دوسرے دن جُلاہا صبح ہی کپڑا لے کر خود جھنڈے کے گھر پہنچا اور اسے کہا کہ تمہارا مرشد بڑا جلالی ہے۔ رات مرشد نے مجھے سخت سرزنش کی میں اسی وقت کپڑا بُن کر لے آیا ہوں تاکہ تمہاری نماز قضا ہونے کا گناہ میرے سر نہ پڑے۔

ایک دفعہ مراد نامی عقیدت مند کا چھوٹا لڑکا آگ سے جُھلس گیا۔ جب مراد آپ کے پاس جمعہ کے روز پہنچا تو آپ نے فرمایا مراد بچوں کو آگ سے دور رکھا کرو۔ باطنی طور پر مجھے اس واقعہ کا علم ہو گیا تھا۔ اس طرح ایک کاشت کار کو کنوئیں کے لئے ہل بنانے کی ضرورت پڑی لیکن اس کے لیے جو لکڑی مخصوص ہوتی ہے وہ نہ مل سکی۔ دوسرے دن صبح اس نے دیکھا کہ حضرت مولانا اس کے گھر آئے اور وہی لکڑی اسے تحفہ میں دے گئے۔ دلاور نامی یہ شخص حیران ہوا جب جمعہ کے روز وہ اپنے گاؤں سے آپ کے پاس پہنچا اور لوگوں سے دریافت کیا کہ پچھلے جمعہ کو فلاں وقت مولانا چنیوٹ تھے یا باہر تو لوگوں نے کہا چنیوٹ میں تھے۔ تو اس کی حیرانی اور بڑھ گئی کہ ۳۰ میل دور میرے

پاس کیسے نکڑی دینے تشریف لائے۔ جب یہ مرید آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا اس قسم کی تحقیق نہ کیا کرو۔ چنیوٹ کا قاضی خاندان آپ کا عقیدت مند تھا۔ قاضی غلام شبیر ایم پی اے کے دادا قاضی غلام مرتضیٰ و قاضی غلام علی اور قاضی غلام دستگیر کے پردادا قاضی نورا حمد آپ کے معتقد تھے۔ ایک دفعہ قاضی نورا حمد گھوڑے پر سوار ہو کر تحصیل دار کے پاس جانے لگے حضرت مولانا نے اپنے ایک مرید کو بھیجد یا کہ آپ تحصیلدار کے پاس نہ جائیں، قاضی نورا حمد فوراً گھوڑے سے اتر کر گھر چلے آئے اور چند لمحے گزارنے کے بعد وفات پا گئے۔ قاضی صاحب کو جب تکلیف شروع ہوئی ـــــ وہ روزہ سے تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا سے دریافت کرایا کہ مجبوری کا عالم ہے کیا روزہ افطار کر دوں مولانا نے جواباً فرمایا اب افطاری آگے چل کر ہی ہوگی۔ قاضی نورا حمد کے لڑکے قاضی مولا بخش صاحب اقتدار گزرے ہیں حضرت مولانا کی دعائیں ان کے شاملِ حال تھیں مولانا نے ایک کتاب بھی قاضی خاندان کے بارے میں تصنیف کی تھی۔ جس میں لکھا تھا کہ قاضی مولا بخش اور اس کے خاندان کو اعلیٰ اقتدار نصیب ہوگا۔ یہ کتاب حضرت مولانا کی وفات کے بعد مولانا کے نواسے مرزا سید احمد نے تلاش کر کے قاضی خاندان کے سربراہ قاضی مولا بخش کو دی تھی جو ابھی تک قاضی خاندان کے پاس موجود ہے۔

مولانا محترم اپنے آخری وقت سے مطلع ہو گئے تھے۔ ایک ہفتہ قبل ہی آپ نے اعلان فرمایا کہ میرا آخری وقت قریب ہے جو لوگ مجھے ملنا چاہتے ہیں وہ جمعہ کو تشریف لائیں چنانچہ ہزاروں عقیدت مند جمعہ کو حاضر ہوئے آپ نے سب سے مصافحہ کیا۔ اور کتاب اللہ پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ شعبان المعظم کی پندرہویں کو ہجری ۱۲۹۹ میں بعین جمعہ کے وقت اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کا جسدِ مبارک قبرستان دیوانِ حافظ میں سپردِ خاک کیا گیا جہاں ہر سال آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

آپ کی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ دو صاحبزادیوں سے نسل چلی۔
باقی دو صاحبزادیوں سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

پہلی صاحبزادی سے مرزا محمد سعید ہوئے جو اپنے وقت کے عالم باعمل تھے۔
دوسری صاحبزادی سے مولوی ظہور احمد پیدا ہوئے چونکہ مولوی ظہور احمد صاحب آپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے اس لئے آپ مرزا محمد سعید سے محبت رکھتے تھے۔
مرزا الطاف احمد بیگ مرزا محمد سعید کے صاحبزادے ہیں جو اس وقت چنیوٹ میں مقیم ہیں اور نیک شہرت کے حامل ہیں۔

حضرت مولانا نور احمد صاحب نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں مثنوی ناز و نیاز۔ ساقی نامہ۔ توحید نامہ۔ عشق نامہ فارسی اور پنج گنج پنجابی بہت مشہور رہیں۔

آپ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری۔ حضرت خواجہ شمس الدین

سیالوی۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور حضرت حافظ عبید اللہ صاحب ملتانی
کے ہم عصر تھے۔ اور ان تمام بزرگوں سے مراسم استوار تھے۔ چونکہ میاں شیر محمد
شرقپوری اور محترم مولانا ایک ہی مرشد سے بیعت تھے۔ اس لیے میاں شیر محمد
صاحب اپنے چنیوٹ کے مریدوں کو فرماتے تھے کہ میرے پاس آنے کے بجائے
مولانا نور احمد کے پاس جایا کرو۔

O

میاں نور محمد نکیانہ قادری

ولادت :- ۱۱۰۷ھج

وفات :- ۱۱۹۱ھج

مدفن :- نزد موضع باغ تحصیل جھنگ

حضرت میاں نور محمد صاحب نکیانہ سیال تھے۔ ابتداء ہی سے آپ کی طبیعت کا رجحان دینِ حق کے حصول اور اس کی تبلیغ کی طرف تھا۔ ابتدائی دینی تعلیم اپنے ہی گاؤں کے ایک بزرگ سے حاصل کی۔ جب آپ جوان ہوئے تو آپ کو مرشد کی تلاش ہوئی۔ اس وقت حضرت سید عبدالقادر جیلانی الثانی دپیرکوٹ سدھانا کی شہرت عام تھی۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، مرشد نے بھی نگاہِ باطنی سے پہچان لیا۔ کہ اس شخص میں عشقِ الٰہی کی تڑپ موجود ہے چنانچہ مرشد نے آپ کو اپنے حلقہ تلمذ میں شامل کر لیا۔ اور میاں صاحب ان کے پاس ہی سلوک و معرفت کی منازل طے کرنے لگے۔ مرشد نے کشف القبور کی منزل سے بھی فیض یاب کیا۔

آپ مجاہدہ و ریاضت میں عموماً مصروف رہتے، ذکرِ الٰہی آپ کا خاص شغل تھا، جب آپ کو مرشد نے خرقۂ خلافت عطا کیا تو آپ اجازت لے کر واپس

گاؤں تشریف لائے، آپ کی عبادت و ریاضت کی شہرت عام ہو گئی۔ متعدد خاندانوں اور قبیلوں کو آپ نے فیض یاب کیا۔ ۱۱۹۰ھ میں آپ کے مرشد کا وصال ہوا۔ آپ کو سخت رنج پہنچا، مرشد کی جدائی ہی آپ کے انتقال کا سبب بنی، اور ایک سال بعد آپ ہجری سنہ ۱۱۹۱ ۲۰ جمادی الاوّل کو اس جہانِ فانی سے عالمِ بقا کو سدھار گئے۔ آپ کا مزار اسی گاؤں میں موجود ہے۔ جہاں ہر سال ۱۷ ہاڑھ کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

آپ سے متعدد کرامات مشہور و منسوب ہیں۔ اور عقیدت مندوں کے پاس آپ کا ایک عصا بھی ہے۔ جس کی زیارت کی جاتی ہے۔ آپ کی اولاد میں بڑے مشہور عالم و فاضل گزرے ہیں، ان میں مولانا شمس الحق فاضل دیوبند (مولوی اسد اللہ کے والد) اپنے علمی تبحر اور خوش اخلاقی کے باعث نیک شہرت کے حامل تھے۔ مولانا شمس الحق صاحب حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے مرید اور شاگرد تھے آپ نے ہی نور محمد صاحب کے مزار پر ہر سال منائے جانے والے میلہ کی نوعیت تبدیل کی، اور اسے تبلیغی جلسہ کی صورت دی۔ جہاں اب ہر سال علمائے کرام کی تقریریں ہوتی ہیں۔

○

حضرت نور شاہ مداری

ولادت:- ۹۰۱ ہجری

وفات:- ۹۹۰ ہجری

مدفن:- جھنگ شہر

حضرت نور شاہ مداری عہد اکبر کے صاحب کرامت بزرگ تھے،
اور آپ کا سلسلۂ روحانیت مداریہ مسلک سے وابستہ تھا، مکن پور کے رہنے
والے تھے جس وقت آپ جھنگ میں وارد ہوئے تو سیال قوم یہاں حکمراں تھی۔
اور حکمراں خاندان آپ کا عقیدت مند تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ
کا پختہ مزار حکومت وقت نے تعمیر کرایا، جو آج تک اپنی ا[illegible] الت میں موجود ہے
آپ سے متعدد خوارق واقعات منسوب ہیں۔ عقیدت منداب بھی فیض
روحانی حاصل کرتے ہیں۔ آپ کا مزار پہلے شہر کے وسط میں تھا، بعد میں شہر سیلاب کے
باعث اجڑ گیا۔ تو نواب ولی داد خاں کے عہد میں دوسری طرف نیا شہر [illegible] گیا
اس کی فصیل تعمیر ہوئی۔ چوکی پولیس کے سامنے کا دروازہ آپ ہی کے نام سے منسوب
ہوا۔ کیونکہ آپ کا مزار اسی سڑک پر شہر سے باہر واقع ہے۔ آپ کے مزار پر ہر سال
۱۲۔ کاتک کو عرس منایا جاتا ہے۔

حضرت مخدوم نورنگ جہانیاں

ولادت :- ۵۹۷ ھ

وفات :- ۶۶۹ ھ

مدفن :- چک نورنگ تحصیل شورکوٹ

حضرت مخدوم نورنگ جہانیاں مادرزادولی تھے، اور ساتویں صدی کے نصف اوّل میں آپ کی علمی قابلیت اور روحانی عظمت کا شہرہ روس وہندوستان میں پھیلا ہوا تھا۔ آپ نے بے شمار غیر مسلم قبیلوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ اور نگاہِ فیض سے سینکڑوں کو عارف باللہ کے درجہ تک پہنچایا۔ آپ کا اصل نام منیر شاہ تھا، اور آپ بھی بخارا سے آئے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب بھی حضرت شیر شاہ جلال سرخ بخاری اُچ شریف کی طرح نویں پشت میں حضرت امام علی نقی سے ملتا ہے آپ کا شجرہ نسب اس طرح مرقوم ہے۔ منیر شاہ بن علی شاہ بن جعفر شاہ، بن محمد شاہ بن محمود شاہ بن احمد عبداللہ شاہ، بن علی اصغر شاہ، بن عبداللہ جعفر بن امام علی نقی رضہ

آپ کی ولادت ہجری ۵۹۷ میں بخارا میں ہوئی، جہاں آپ کے بزرگوں کا وسیع حلقہ ارادت تھا۔ پیدائشی ولی اللہ تھے۔ اور علوم باطنی و شرعی پر

عبور حاصل تھا۔ بچپن ہی میں آپ سے کرامات اور خوارق واقعات کا ظہور شروع ہوگیا تھا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ہندوستان کی طرف سخت آندھی کا زور ہے۔ اور لوگ تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ بیدار ہونے پر ہندوستان میں تبلیغ دین کا ارادہ کرکے چل پڑے۔ آپ سندھ کے راستے ہندوستان میں وارد ہوئے۔ جہاں سے بھی گزرے نقشِ پا کی برکت سے وہ تمام علاقے مسلمان ہوتے چلے گئے۔

۶۴۲ھ میں آپ ضلع مظفر گڑھ پہنچے، جہاں آپ نے قریباً آٹھ سال قیام فرمایا۔ یہاں متعدد تشنگانِ معرفت کو سلوک وعرفان کی منزلوں سے آشنا کیا۔ دھدو اور لاہو نام کے دو خادموں کو خلافت عطا کی۔ دھدو توم کے مینلا تھے اور لاہو کہار تھے، ان دونوں کے مزار مظفر گڑھ میں موجود ہیں۔ پھر آپ نے اپنے مرشد کے حکم پر جھنگ کا سفر اختیار کیا۔ اور احمد پور سیال کے قریب ایک جنگل میں ڈیرہ لگالیا۔ آس پاس کے متعدد قبیلوں نے آپ کی تبلیغ اور توجہ سے اسلام قبول کیا۔ آپ کے مرشد عموماً شیر کی کھال پہنتے تھے۔ اس لیے ان کو چمڑہ پوش فقیر کا نام دیا جاتا تھا، آپ کے مرشد کا نام ونسب معلوم نہیں ہوسکا۔

چونکہ آپ نے ایک دنیا کی سیر کی تھی، اور مختلف نوع کی کرامتیں آپ سے ظہور میں آئی تھیں، اس لیے آپ کو نورنگ جہانیاں کے نام سے

مخاطب کیا جاتا تھا۔ اور آپ اسی عرفی و صفاتی نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا انتقال ۷۲ سال کی عمر میں ۶۶۹ ہجری میں ہوا۔ آپ کا جسدِ مبارک آپ کے عبادت خانہ میں ہی دفن کیا گیا۔ جہاں آپ کے مریدوں نے پختہ مزار بنوایا۔ جو اب تک موجود ہے اور اس کے اردگرد قصبہ آباد ہوگیا، جسے چک نونگ کہا جاتا ہے۔ آپ کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی سادات بخاری سے تھیں، جن کی اولاد جنوبی ہندوستان چلی گئی۔ دوسری بیوی سادات بنو ہاشم سے تھیں، ان سے جو اولاد ہوئی وہ اب تک یہاں موجود ہے۔ اور اسی اولاد میں سے آپ کے سجادگان کا سلسلہ برقرار ہے۔

یوں تو آپ سے ان گنت کرامتیں ظہور میں آئیں، جن کی تفصیل کی گنجائش اس مختصر مضمون میں نہیں۔ ان کا اجمالی تذکرہ ہی موزوں رہے گا۔

آپ ضلع مظفرگڑھ کے ایک گاؤں سے گزر رہے تھے۔ یہاں بہت سے کسان جمع تھے۔ آپ ان کے قریب آئے اور دریافت کیا کہ "آپ میں کوئی ایسا شخص بھی ہے، جو مجھے بھینس کا دودھ پلائے اور اسی بھینس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھلائے۔ سارے کسان ہنس پڑے۔ دھدھو کسان نے جو بعد میں مشہور ولی اللہ ہوئے کہا کہ میں حاضر ہوں۔ چنانچہ اس نے بھینس کا دودھ پلایا۔ اور اسی کا گوشت کھلایا۔ آپ اس گاؤں میں آٹھ دن رہے، اور آٹھ دن ہی دھدھو نے دودھ پلایا اور گوشت کھلایا۔ اس کا جو سرمایہ تھا

وہ ختم ہو گیا۔ ——————— لوگوں نے اُسے سمجھایا کہ یہ کوئی بزرگ ہیں اس نے تو تمہارے مویشی ختم کر دیئے ہیں، مگر دھدھو خاموش رہا، جب حضرت جہانیاں جانے لگے، تو دھدھو کو حکم دیا کہ جاؤ۔ دریا کے کنارے سے اپنی بھینسوں کو آواز دو۔ وہ تمہارے ساتھ آ جائیں گی۔ چنانچہ دھدھو تمام ذبح شدہ بھینسیں لے آیا۔ اور آپ کا عقیدت مند ہو گیا۔

ایک دفعہ کسی رئیس نے آپ کو بکری دی، جسے آپ نے حلال کر کے اُس کا گوشت تقسیم کر دیا، دوسرے دن رئیس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ کل جو بکری میں نے آپ کی خدمت میں دی تھی۔ وہ میرے بچے کی تھی، جس سے وہ بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اور اب وہ بکری کے لیے بضد ہے آپ نے فرمایا، وہ تو ہم نے حلال کر دی تھی۔ اور آپ کو بھی ایک حصّہ ملا تھا، رئیس کو اپنے اکلوتے بچے سے ازبس محبت تھی۔ اس نے وہی بکری واپس کرنے پر اصرار کیا، تو آپ نے اپنے کمبل کو جھاڑا۔ جس سے بکری زندہ نکل آئی۔ مگر اس کی تین ٹانگیں تھیں۔ آپ نے رئیس سے کہا "بکری کا جو گوشت خدا کے نام پر تقسیم کیا تھا۔ وہ واپس آ گیا، ایک ٹانگ تم نے کھائی تھی۔ وہ تم پیدا کر دو" رئیس اُسی وقت تائب ہو گیا۔ آپ کی صحیح النسب اولاد اب بھی باؤلے کتے کے کاٹے کا علاج وظیفہ پڑھ کر کرتی ہے، اور اللہ تعالےٰ اس مریض کو صحت عطا کرتا ہے۔ آپ کے مزار پر ہر سال عرس لگتا ہے اور عقیدت مند مرادیں مانگتے ہیں۔

واصلِ حق

ولادت :- ۹۷۰ھ

وفات :- ۱۰۴۰ھ

مدفن :- قصبہ واصو آستانہ

حضرت واصل حق کے صحیح نام کا علم نہیں ہو سکا۔ مرشد نے آپ کا نام "واصلِ حق" رکھا تھا، اور اسی نام سے آپ کی شہرت ہوئی۔

"تاریخ جھنگ سیال مصنفہ مولوی نور محمد چیلہ مطبوعہ ۱۹۱۱ء و جھنگ گزیٹیر کے مطابق آپ کا تعلق رائے سیال کے خاندان سے تھا، رائے سیال حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے فیض اثر سے مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان کی اولاد کمالیہ سے سیال کوٹ تک حکمراں رہی۔

واصل حق کے والد کا نام نائیک بتایا جاتا ہے۔ آپ کی ولادت تقریباً ۹۷۰ ہجری میں قصبہ واصو میں ہوئی، ابھی آپ کی عمر ۲۰ برس ہی کی تھی، اور آپ مویشی چرانے ساحلِ دریا کی طرف جاتے تھے، ایک دفعہ مویشی چرا رہے تھے، کہ ایک بزرگ صورت انسان آیا، اور آپ کو گلے لگا لیا، اور آپ کے سینے سے سینہ ملا کر فرمایا کہ میں نے انتخاب کر لیا ہے۔ اور باقی منزلیں اپنے مرشد

کے پاس جا کر طے کرو، یہ کہہ کر بزرگ نظروں سے اوجھل ہوگیا، اور آپ کی کایا پلٹ گئی۔ سینہ نور سے بھر گیا، تجلیاتِ الٰہیہ کا نظارہ ہونے لگا۔ آپ نے دنیاوی دھندے چھوڑ کر مرشد کی تلاش شروع کر دی۔ اور علاقہ ملتان میں چلے گئے

مرشد سے بیعت

آپ ایک گاؤں میں پہنچے جہاں اس وقت کے مشہور ولی حضرت شاہ جلال الدین کھگہ قریشی قیام پذیر تھے، آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، مرشد نے آپ کو آتے دیکھا تو اٹھ کر استقبال کیا، اور فرمایا کہ تیرے مرشد خضر علیہ السلام مجھے حکم فرما گئے ہیں کہ ایک شخص آئے گا اس کا سینہ میں نے روشن کر دیا ہے، باقی منزلیں اس کو طے کرا دیں، مجھے تمہارا انتظار تھا، چنانچہ آپ نے ان سے بیعت کی، اور اُن کی صحبت میں رہ کر عبادت، ریاضت، مجاہدہ وچلہ کیا۔

جب مرشد نے دیکھا کہ مرید اب سلوک ومعرفت کی منزلیں طے کر چکا ہے، تو انھوں نے آپکا خاندانی نام بدل کر روحانی نام واصل حق رکھ دیا اور ایک ڈاچی سفر کے لئے عنایت فرمائی اور حکم دیا کہ جس جگہ ڈاچی از خود بیٹھ جائے وہیں زندگی کے آخری سانس تک قیام کرنا۔ چنانچہ آپ مرشد کے حکم پر ڈاچی پر سوار ہو کر جھنگ کی طرف روانہ ہوئے۔

ڈاچی کا مقام

ڈاچی ملتان اور تھل سے گزرتی ہوئی واصو کے مقام پر جو غیر آباد تھا، آکر رک گئی، آپ اسی جگہ اُترے اور ڈیرہ لگالیا۔ آپ کے خاندان کے دوسرے افراد یہاں سے چند کوس دُور رہتے تھے، آپ کی آمد اور آپ کے علم و عمل کی شہرت پھیل گئی۔ بہت سی قومیں اور خاندان آپ کے مرید ہوئے اور اکثر نے آپکی قیام گاہ کے پاس مکان ڈال دیے۔ یہاں سے قصبہ کی آبادی شروع ہوئی۔ پہلے قصبہ کا نام واصل تھا، جو بعد میں بگڑ کر واصو ہوگیا۔

اولاد

آپ نے ایک شادی کی جس سے اولاد ہوئی۔ آپ کی اولاد میں سلطان شیخ محمد کامل بزرگ ہوتے ہیں۔ چیلہ سیال آپ ہی کی اولاد شمار ہوتے ہیں۔ چیلوں میں بہت سے عالم و فاضل، صاحبِ اقتدار اور اہل اللہ بزرگ ہوتے ہیں مولوی درویش محمد صاحب جنہوں نے تاریخ جھنگ سیال لکھی، فارسی کے عالم تھے۔ اور مولوی نور محمد صاحب جنہوں نے اس کتاب کا اُردو ترجمہ کیا۔ دونوں چیلہ سیال تھے۔ اِن کے پاس وسیع لائبریری تھی، جس میں ہر مسلک و موضوع کی کتابیں ملتی تھیں، خدا معلوم اب اِن میں ذوق ہے یا نہیں؟

وفات

آپ کے مرشد شاہ جلال الدین قریشی کی وفات ۱۰۲۸ ہجری میں اور آپ کی وفات ۱۰۴۰ ہجری میں ہوئی۔ آپ کا جسدِ خاکی قصبہ واصو میں دفن کیا گیا، جہاں بعد میں ایک دینی درس گاہ بھی قائم ہوتی۔

نواب وزیر خاں

ولادت :- ۱۰۱۴ ہجری

وفات :- ۱۰۵۱ ہجری

مدفن :- اکبرآباد دہلی

لاہور کی مشہور تاریخی جامع مسجد وزیر خاں جو دہلی دروازے کے اندر واقع ہے، اور جہاں حضرت مولانا ابوالحسنات مرحوم خطیب تھے، آجکل شاید ان کے صاحب زادے خطابت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں، کے بانی نواب وزیر خاں دراصل چنیوٹ کے رہنے والے تھے، نورجہاں بیگم زوجہ جہاں گیر بادشاہِ ہند کے کامیاب علاج کی خوشی میں ان کو مغل دربار سے نواب وزیر خاں کا خطاب اور لاہور کی صوبیداری ملی تھی۔ انھوں نے لاہور میں عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی۔

ابتدائی حالات

نواب وزیر خاں کا اصل نام علیم الدین تھا، انصاری خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کے والد شیخ عبداللطیف اور دادا شیخ حسام الدین اپنے عہد کے مشہور طبیب، عالم اور مفتی تھے۔ چنیوٹ میں اس خاندان کو بڑی

قدر و منزلت سے دیکھا جاتا تھا، دُنیادی اعتبار سے اس خاندان کے افراد متمول نہیں تھے، لیکن علم و حکمت کی وجہ سے ان کی دُور دُور تک شہرت تھی۔

ماہ صفر کی سولہ تاریخ ہجری ۱۱۴۰ھ کو بعد از نماز عشا ان کی ولادت ہوئی۔ والدین نے علیم الدین نام رکھا، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا، اور اپنی مسجد میں مصلے سُنایا۔ اِس موقع پر چنیوٹ شہر کے تمام حفاظ اور قاری مسجد میں جمع ہوئے۔ اور ان کے دادا شیخ حسام الدین نے دستار باندھی۔

جب بیس سال کی عمر کو پہنچے تو عربی اور فلسفہ کی تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ کا ذہنی رجحان طب کی طرف تھا۔ چنانچہ آپ اس وقت کے مشہور طبیب محمّد داؤد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اِن سے نہ صرف فن طبابت حاصل کیا بلکہ تصوّف کے جواہرات سے بھی جھولیاں بھر لیں، آپ کے اُستاد سلسلۂ قادریہ سے بیعت تھے، چنانچہ آپ بھی اسی سلسلہ سے بیعت ہو گئے۔ طبابت کا علم حاصل کرنے کے بعد اپنا کاروبار شروع کیا۔ خاندانی شہرت کی وجہ سے بہت جلد مشہور ہو گئے اور آپ کی شہرت دربار تک جا پہنچی۔

سفر لاہور و دہلی

چوبیس سال کی عمر میں آپ نے لاہور کا سفر اختیار کیا، چند ماہ

لاہور میں رہنے کے بعد آپ دلی چلے گئے جہاں جہاں گیر کے مصاحبوں اور درباریوں سے راہ و رسم پیدا ہو گئی۔ لیکن دلی میں دل نہ لگا، اکبر آباد چلے گئے ، اور اپنا کاروبار شروع کیا۔ شہرت کافی تھی، اس لئے مغل دربار کے امراء اور وزراء آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے، انہی دنوں شاہ جہاں جو شہزادہ خرم تھے، بیمار ہو گئے آپ نے علاج کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے شہزادے کو شفا دی ، شاہ جہاں آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ اور اپنے محل میں آنے کی عام اجازت دے دی، اس سے آپ کی دنیاوی وجاہت میں اور بھی اضافہ ہو گیا، اور مغل دربار میں بے پناہ رسوخ کے مالک ہو گئے۔

قسمت کی یاوری

اتفاق سے انہی دنوں جہانگیر کی محبوب بیوی نور جہاں پر مرض کا حملہ ہوا۔ شاہی طبیبوں نے لاکھ کوشش کی، لیکن نہ مرض کی تشخیص ہو سکی اور نہ ہی علاج ہو سکا۔ جہاں گیر کو اس سے سخت پریشانی ہوئی اور وہ مغموم رہنے لگا۔ جب شہزادہ خرم کو اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے والد کو مشورہ دیا: وہ نور جہاں کے علاج کے لئے حکیم علیم الدین سے رابطہ قائم کرے، چنانچہ جہانگیر نے آپ کو دربار میں طلب کیا اور حقیقت بتائی۔ آپ نے کہا کہ جب تک مریضہ کو نہ دیکھوں صحیح مشورہ نہیں دے سکتا، چنانچہ آپ کو نور جہاں کے محل میں جانے کی اجازت دے دی گئی۔ آپ نے پہلی نظر میں ہی مرض کا تجزیہ

کرلیا اور جہاں گیر سے کہا کہ اس مرض کا علاج نفسیاتی اور ذہنی ہے، چنانچہ سات دن کے علاج کے بعد نور جہاں تن درست ہوگئی

دولت اور اعزاز

نور جہاں کی صحت یابی کی اطلاع پاکر جہاں گیر نے بطورِ انعام ایک لاکھ روپے مالیت کا خلعت عطا کیا، اور نور جہاں نے لاہور پہنچ کر غسلِ صحت کے بعد سات لاکھ روپے نذر کئے۔ نور جہاں کی کنیزوں نے اس خوشی میں اپنے زیور اُتار کر آپ کو پیش کئے، اس طرح آپ کے پاس قریبًا ایک دن میں بائیس لاکھ روپیہ جمع ہوگیا۔ اور دس بارہ لاکھ روپیہ اس کے علاوہ آپ کا اپنا تھا، جو آپ نے اکبرآباد اور دہلی میں فنِ طبابت سے کمایا تھا، چنانچہ آپ نے پندرہ لاکھ روپے کے ذاتی صرف سے دہلی میں عظیم الشان دواخانہ بنوایا۔ جو شاہ جہاں کے عہد میں حکومت کی تحویل میں آگیا تھا، اور آپ کو اس کا معاوضہ ادا کیا گیا۔

لاہور کی حاکمیت

نُورالدین جہاں گیر نے آپ کی خدماتِ جلیلہ کے اعتراف میں آپ کو نواب وزیر خاں کا خطاب عطا کر کے لاہور کی صوبہ داری عنایت کی، چنانچہ آپ حکیم علیم الدین کے بجائے تاریخ میں نواب وزیر خاں کے نام اور لقب سے مشہور ہوئے۔ ۱۰۴۱ھ سے ۱۰۴۹ھ ہجری تک قریبًا آٹھ سال لاہور کے حکمراں

رہے۔ اِس عرصہ میں آپ نے ذاتی دولت سے دہلی دروازہ لاہور کے اندر عظیم الشّان مسجد تعمیر کرائی، جو آج بھی اپنی عظمت کا اعتراف کرا رہی ہے۔

عمارات

نواب وزیر خاں نے اپنے عہدِ حکومت میں جو عمارات تعمیر کرائیں اِن میں مسجد وزیر خاں تو خاصی مشہور ہے۔ اِس مسجد کی تعمیر کا آغاز ۱۰۴۲ھ میں ہُوا۔ یہ ایرانی فنِ تعمیر کا حسین عکس ہے۔

مسجد کی تعمیر سے پہلے یہاں حضرت سیّد محمّد اسحٰق بن شہریار گازرونی عرف میراں بادشاہ جن کا وصال ۷۸۶ھ ہجری میں ہوا کا مزار موجود تھا جو صحنِ مسجد میں شامل کر لیا گیا۔

مسجد اور اس سے ملحقہ دکانوں، مکانوں اور قطعاتِ اراضی کو نواب وزیر خاں نے ۱۰۵۱ھ میں ایک وصیت کے ذریعے اپنی اولاد کے حق میں منتقل کر دیا۔ جو اب تک اِس سے فیض یاب ہو رہی ہے۔

مسجد خورد

نواب وزیر خاں نے ٹکسالی دروازے کی جنوبی سمت بازار سمیاں میں ایک زنانہ محل تعمیر کرایا تھا، محل تو اب موجود نہیں وہ سکھوں کے عہد میں تباہ ہو گیا تھا لیکن محل کی مسجد اب بھی موجود ہے، اور اسے نواب وزیر خاں کی مسجد خورد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

پری محل

اِسی طرح شاہ عالمی کے اندر سر بازار ایک مسجد پری محل کے نام سے موجود ہے، یہ بھی نواب وزیر خاں نے مردانہ محل میں تعمیر کرائی تھی۔ یہ محل بھی مرور زمانہ سے تباہ ہوگیا، لیکن مسجد ابھی تک موجود ہے۔

شاہ جہاں آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا، اور جب بھی شاہجہاں لاہور آتا آپ کو بیش بہا انعامات سے نوازتا۔ وزیر آباد شہر بھی آپ ہی کا آباد کردہ ہے۔

اکبر آباد کی صوبیداری

شاہ جہاں یکم شعبان ۱۰۵۰ھ کو کشمیر سے مراجعت کرتے ہوئے لاہور آیا، اور نواب صاحب سے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں، اکبر آباد کی صوبہ داری آپ کے سپرد ہوگی۔ چنانچہ نواب صاحب اِن کے ساتھ تشریف لے گئے اور صفدر خاں کی جگہ اکبر آباد کے صوبہ دار مقرر ہوئے۔

وفات

اکبر آباد کی آب و ہوا راس نہ آئی، اور صرف ایک سال کے عرصہ میں صحت خراب ہوگئی۔ ۲۱ جمادی الاوّل ۱۰۵۱ ہجری کو آپ پر قولنج کا سخت حملہ ہوا، اور اسی روز جاں بحق ہوئے، وفات کے وقت

آپ کے دو لڑکے سعید خاں صلاح الدین خاں میر توزک اور ایک لڑکی مہر النساء زندہ تھیں۔ آپ کا جسدِ خاکی اکبر آباد میں سپردِ خاک کیا گیا۔

مؤرخین کے مطابق آپ کو عبادت پسند تھی۔ ساری عمر نمازِ عصر کے ساتھ بھی سنتیں پڑھتے تھے، تہجد گزار تھے۔ لیکن طبیعت کے جوشیلے تھے۔

حضرت سُلطان ہاتھی وان

ولادت :- ۱۱۶۸ ہجری

وفات :- ۱۲۵۰ ہجری

مدفن :- جھنگ شہر

حضرت سید امان اللہ المعروف سلطان ہاتھی وان (ہاتھی جان)

جو یُو پی ہندوستان کے ساداتِ بارہرہ کے چشم و چراغ تھے، ان کے جدا علےٰ اپنے وقت کے کامل بزرگ صاحب کشف و کرامات تھے۔ تذکرہ نگاروں نے ان کے ابتدائی حالات کے بارے میں صرف اس قدر بتایا ہے کہ آپ کے والد محترم کی اولاد نرینہ زندہ نہ رہتی تھی۔ اِدھر بچہ پیدا ہوا چند لمحوں کے بعد اللہ کو پیارا ہوگیا۔ چنانچہ آپ سخت ملولِ خاطر تھے۔ جب حضرت سلطان صاحب کی ولادت ہوئی، تو ایک بزرگ اِن کے پاس آئے اور سلطان صاحب کو اپنے پاس منگوایا، اور اپنا ہاتھ ان کے جسم پر مل کر کہا کہ بچے کا نام امان اللہ رکھو ہمیشہ اللہ کی امان میں رہے گا، چنانچہ آپ کا نام امان اللہ رکھا گیا، آپ کی ولادت ۱۱۶۸ ہجری میں ہوئی، ابھی آپ کی عمر سات سال کی تھی۔ کہ والدہ کا انتقال ہوگیا۔ اور جب عمر دس سال کو پہنچی، تو والد محترم وفات پاگئے۔

آپ بچپن میں ہی والدین کی سرپرستی سے محروم ہوگئے، جس کے باعث آپ عموماً ملول اور رنجیدہ رہتے۔ اور ہمیشہ تنہائی پسند کرتے۔ یا جنگل میں چلے جاتے۔ یتیمی کی وجہ سے آپ میں صبر، فقر، استقامت اور توکل کے جوہر پیدا ہوگئے تھے، ہمیشہ اللہ کی رضا میں خوش رہتے۔

راہِ سلوک کی ابتدا

ایک دفعہ آپ والدین کے غم میں پریشان تھے، اسی عالم میں آپ کو نیند آگئی، خواب میں ایک بزرگ آپ کے پاس تشریف لائے اور آپ سے فرمایا، والدین کی جدائی کا غم نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اونچے مقام پر پہنچانے والا ہے۔ اور اس کی نشانی یہ ہے کہ تمہاری دستار پر ایک کیڑا موجود ہے،

آپ جب خواب سے بیدار ہوتے اور اپنی دستار کو دیکھا تو اُس پر ایک کیڑا چمٹا ہوا تھا۔ اُسی وقت آپ پر جذب طاری ہوا اور ایسی دیوانگی (فرزانگی باطن میں) پیدا ہوئی کہ تارک الدنیا ہوگئے، اپنا گھر بار چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے، اور بارہ برس تک ویران جنگل میں تنہا رہے، عبادت و ریاضت کا یہ عالم ہوگیا کہ کھانے پینے تک کا ہوش نہ رہا، مسلسل روزہ رکھتے۔ اِس سے ان کا جسم سوکھ گیا، بدن میں خون تک نہ رہا۔

حضرت غوث الثقلین سے بیعت

ایک رات عالم جذب و وجد میں محو تھے کہ آپ کو حضرت غوث الثقلین پیر محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی کی زیارت نصیب ہوئی جناب محبوب سبحانی نے آپ کو اٹھایا اور گلے سے لگالیا، پھر فرمایا "آج سے تم سلطان ہو، اور میرے ہو، لیکن میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ ظاہری طور پر بھی مرشد سے بیعت کرو۔"

آپ نے عرض کیا "سرکار جس کے بارے میں حکم دیں، میں بیعت کروں"

آپ نے فرمایا "تمہیں بیعت کرنے والا تمہارا منتظر ہے۔ اس کی تلاش کرو۔"

چنانچہ آپ بیدار ہوئے تو جنگل کی تنہائی ترک کر دی، اور مرشد کی تلاش میں چل پڑے، آپ نے دہلی، پٹیالہ، لاہور، ملتان کا سفر کیا، اور پھر دریا راوی کے قریب علاقہ ست گھرا میں پہنچے، جہاں حضرت محمد غوث جیلانی کا ڈیرہ تھا۔ جو اپنے عہد کے ولی اللہ اور مقبولِ بارگاہ تھے۔

مرشد کی بیعت

جب آپ حضرت محمد غوث کے حجرہ کے سامنے سے گزرے اس

ذکر مجلس ذکر جاری تھی۔ حضرت محمد غوث نے ان کو دیکھا تو پہچان لیا اور آواز دے کر اپنے پاس بلایا اور فرمایا "اما ن اللہ! ہم نے تمہیں مرشد کی ہدایت کے مطابق پہچان لیا ہے، میں مدت سے تمہاری راہ دیکھ رہا تھا۔ آپ اِن کے قدم بوس ہوئے بیعت کی اور پھر علم و عرفان کی باقی منزلیں اِن کے پاس طے کیں۔

اُچ میں آمد

مرشد سے اجازت لے کر آپ اُچ شریف بھاول پور آئے جہاں حضرت سیّد جلال شاہ بخاری کا فیض جاری تھا، آپ اِن کے خدام میں شامل ہو گئے۔ نواب بھاول پور کی طرف سے حضرت صاحب کو ہاتھی ملا ہوا تھا۔ آپ اس کی سواری شوق سے کرتے، بلکہ عموماً ہاتھی پر سوار ہو کر آس پاس سیر کرنے جاتے، ہاتھی سے اِس قدر محبت اور اُنس ہو گیا تھا کہ دونوں آپس میں باتیں کرتے۔ ہاتھی سے آپ کی اس محبت کو دیکھتے ہوئے حضرت محمد غوث کے سجادہ نشین شیخ کبیر نے آپ کو ہاتھی جان کہنا شروع کر دیا۔ جس کے باعث آپ ہاتھی جان مشہور ہوئے بعد میں بگڑ کر ہاتھی وان نام کی شہرت ہوئی اور آپ کا اصل نام لوگ بھول گئے۔

جھنگ میں آمد

آپ جس زمانہ میں جھنگ تشریف لائے، ملکی لحاظ سے افراتفری

کا زمانہ تھا، مغلیہ حکومت زوال پذیر تھی، انگریز اپنا تسلط جما رہے تھے۔ سکھوں کی شورش جاری تھی، جب آپ جھنگ پہنچے تو یہاں کا حاکم نواب ولی داد خاں سیال تھا، جس نے آپ کا استقبال کیا۔ اور اپنے محل کے قریب آپ کو ٹھہرایا، نواب ولی داد آپ کا قدردان تھا۔ جس قیدی کے بارے میں سلطان صاحب حکم دیتے وہ رہا کر دیتا، ولی داد خاں زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا، بعد میں اس کا بیٹا صاحب خاں حاکم مقرر ہوا۔ صاحب خاں کو سلطان صاحب سے خطرہ محسوس ہوا، اس اس نے اندرونِ خانہ آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ اس نے اپنے مرشد گل محمد نوری کو بلایا، اور اُن سے آپ کی بدگوئی کی۔

گل محمد نوری نے صاحب خاں سے کہا۔ خوف مت کرو، میں تین ماہ مہمان رہوں گا، اور سلطان صاحب کو آزماؤنگا، کسی مرید نے یہ واقعہ آپ کو بھی بتایا، اور یہ بھی کہا کہ آپ نواب سے نہ جھگڑیں، اور ان سے ملیں۔ آپ نے فرمایا کہ "مجھے کیا ضرورت ہے۔ جس کو ضرورت ہوگی، مجھے بلائے گا۔ نواب صاحب خاں نے سُنا تو آپ کو اپنے ہاں بُلایا۔ اور اپنے مرشد کا بھی تعارف کرایا، آپ نے صاحب خاں کا رویہ دیکھ کر فرمایا جس گدھے پر ہم اوجھ ڈال دیں اُسے نوابی مل سکتی ہے، یہ کہہ کر آپ محل سے باہر چلے آئے۔

چند دنوں بعد نواب کا مرشد بھی یہ کہہ کر چلا گیا کہ "سلطان کے

سامنے پیش نہیں جاتی۔

ایک دفعہ آپ نے صاحب خاں کو چند بے گناہ غیر مسلموں کی گرفتاری سے روکا، لیکن وہ باز نہ آیا۔ تو آپ نے فرمایا "اس کی نوابی کا دور ختم ہو گیا ہے"۔

سکھوں کا حملہ

صاحب خاں نے اپنی دوسری شادی بھوانہ کے کسی زمیندار کی لڑکی سے کرنے کا فیصلہ کیا، بارات تیار ہو گئی۔ کسی مرید نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ نواب کی بارات میں جانے کی تیاری نہیں کر رہے؟" تو آپ نے فرمایا" یہ شادی نہیں ہو گی۔ چنانچہ شادی سے ایک دن قبل سکھوں نے جھنگ پر حملہ کر دیا۔ صاحب خاں جو شادی کی تیاریوں میں مصروف تھا ماہنی سیالوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ سکھوں نے اسکے محل کو گھیر کر حکومت پر قبضہ کر لیا۔ ایک سال تک جھنگ بغیر حاکم کے رہا۔ سال بعد نواب کبیر خاں کو حاکم مقرر کیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد سلطان صاحب کی شہرت بہت دور تک پھیل گئی

اولاد

حضرت سلطان کو دو فرزند عطا ہوئے، ایک کا نام سید محمد اور دوسرے کا سید فتح شاہ تھا۔ سید محمد آپ کی جوانی کے عالم میں وفات پا گیا، دوسرا لڑکا سید فتح محمد بھی آپ کی زندگی میں ہی فوت ہوا۔ سید فتح محمد کا ایک لڑکا سید علی شیر تھا، جس نے سلطان صاحب کی نگرانی میں پرورش و

تربیت پائی اور صاحب طریقت بزرگ ہوا۔

وفات

جس روز آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے، وفات سے قبل آپ نے غسل کیا، اچھا لباس پہنا اور اپنے عبادت خانے میں چلے گئے۔ کلمہ شہادت بلند آواز سے پڑھتے رہے کہ اچانک آواز بند ہو گئی۔ مریدوں نے جا کر دیکھا تو ایک چٹائی پر قبلہ رُخ لیٹے ہوئے ہیں، اور روح پرواز کر چکی ہے۔ آپ کا جسدِ مبارک آپ کے عبادت خانہ میں ہی دفن کر دیا گیا، جہاں اب آپ کا مزار ہے مزار کے ساتھ ایک کنواں تھا، جس کا پانی ہر مرض کی شفا کے لئے مشہور تھا، یہ کنواں اب بھی موجود ہے، اور آپ کے وقت کی چڑیاں بھی کنوئیں کے آس پاس درختوں پر مقیم ہیں، آپ کا فیض اب بھی جاری ہے۔

حضرت سیّد قطب علی شاہ قطب زماں دربار سندیلیاں والی نے آپ کے پوتے حضرت شیر علی سے بیعت کی، اور اسی خاندان سے فیض روحانی حاصل کیا۔

مائی ہیر

ولادت :- ۸۳۰ھ

وفات :- ۸۷۶ھ

مدفن :- جھنگ صدر

ہر چمک دار چیز سونا نہیں ہوتی، اسی طرح ہر بات کی عام شہرت اس کی صحت و صداقت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور نہ واقعات کی چھان بین میں شہرت کو معیار قرار دیا جا سکتا ہے۔

درحقیقت فریبِ مسلسل انسانی فہم و ادراک کو اِس قدر مسحور کر لیتا ہے کہ اِس کے لاشعوری خیالات ہی شعور کا تانا بانا بنتے ہیں۔ ایک جھوٹ کی تکرار سے ہمارے کان اتنے مانوس ہو جاتے ہیں کہ ہمیں اس کا بطلان کذب و افترا معلوم دیتا ہے، اور ہم حقیقت کے اعتراف میں بخیل بن جاتے ہیں، تحقیق کے معاملے میں کسی قسم کا تعصب بھی مغالطہ انگیز نتائج پیدا کرتا ہے، لیکن ایک دیانت دار حقیقت، میں واقعات کی ظاہری آب و تاب سے متاثر نہیں ہوتا، غلط العوام کو فصحائے زبان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہوتی، ماضی کو اپنی پسند کے مستقبل میں ڈھالنے کی کوشش ذہنی تسکین

کا باعث تو ہے لیکن ہم اِسے تاریخ نہیں کہہ سکتے۔ ایسے لیلے مجنوں کی داستانِ عشق عوامی نقطۂ نظر سے دل کشی کی حامل ہو تو ہو، مگر ایک محقق کی رائے میں اس کا فرضی حسن چنداں اہمیت نہیں رکھتا،

مائی ہیر کے سلسلے میں میرا ذہن بھی عوام الناس کی مانند بہت سے مغالطوں کا شکار تھا، اور ابتدائے کار میں میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ایک روز مجھے اپنی کتاب میں مائی ہیر صاحبہ کے حالاتِ زیست کو بھی قلمبند کرنا پڑے گا، کیونکہ میرا موضوع محض بزرگانِ طریقت تھے، حسن و عشق کی داستانیں میرا مقصد نہ تھیں، لیکن تاریخ و سیر کی بعض کتابوں میں مندرج واقعات نے میرے ذہن و فکر کا زاویہ بدل دیا، اور مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ میں تمام تعصبات سے بالاتر ہوکر اپنے مطالعہ اور تحقیق کا محور "ہیر" قرار دوں تاکہ صدیوں کے مغالطے افسانوں کے خوش رنگ پردوں کی اوٹ میں سے باہر نکل آئیں۔ سب سے پہلے میں نے اپنی توجہ سید محمد وارث شاہ کی معرکۃ الآرا تصنیف "ھیر" کی طرف مبذول کی۔ بہ امعانِ نظر کئی بار مطالعہ کیا، سائیں فضل شاہ کی کتاب ہیر پڑھی۔ دامودر کھتری کو بعض تذکرہ نویسوں نے ہیر کے عہد کا فارسی، پنجابی، اور سنسکرت کا شاعر قرار دیا ہے۔ اِس نے ہیر کے حالات عینی شہادت کی بنا پر تصنیف کئے ہیں۔ اِس کی کتاب کا ایک نسخہ بھی میری نظر سے گزرا، گورو گوبند سنگھ کی مرتب کردہ ہیر کا بھی میں نے دقیق مطالعہ کیا

شاہ جہانی عہد کے ایک حاکم نواب احمد خاں فارسی کے مشہور شاعر تھے۔ اور یکتا تخلص رکھتے تھے۔ انھوں نے دارا شکوہ کی فرمائش پر ھیر کے واقعات کو مثنوی کی صورت میں نظم کیا تھا۔ میں نے یہ کتاب بھی بغور دیکھی۔ یہ واحد کتاب تھی، جس میں شاعر نے وارداتِ عشق کے بیان میں ھیر کی راست بازی اور پاک دامنی کی حقیقت کو پیشِ نظر رکھا تھا۔ اور رانجھا کو ہیر کا خلیفہ اور روحانی ارادت مند بتایا تھا۔

اسی دوران مجھے مقبل نامی شاعر کی تحریر کردہ ہیر کا بھی ناقص نسخہ ملا۔ میں نے اس کے مندرجات کا بھی جائزہ لیا۔ میرے ذہن میں ہیر کی شخصیت و سیرت ایک سوالیہ نشان بن گئی تھی اور شاعروں اور تذکرہ نویسوں کے متفرق بیانات متنازعہ فیہ تھے۔ ایک طرف مجازی عشق تھا، دوسری طرف روحانی حقیقتیں۔ اب نہ صرف ھیر کے اصل واقعات کی چھان بین ضروری تھی، بلکہ اس کے صحیح عہد کا تعین بھی ضروری تھا۔ تاکہ اس دور کے تمدنی اثرات ملک کی سیاسی صورتِ حال اور قبائل کی علاقائی سرگرمیوں سے آگہی حقیقت کے سراغ میں مدد و معاون ثابت ہو، ان گنت کتابیں میرے زیرِ مطالعہ میں آئیں، لیکن پروفیسر اختر علی ندوی (پٹنہ یونیورسٹی صوبہ بہار بھارت) کا ایک مضمون میری تحقیق کی اصل بنیاد بنا۔

میں اپنے تحقیقی نتائج کو ذیل میں پوری ذمہ داری کے ساتھ سپردِ قلم

کر رہا ہوں۔ اور انہی معلومات کے بل بوتے پر کامل وثوق اور اعتماد سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ ـــ وارث شاہ کی تحریر کردہ ہیر کے واقعات یکسر مغالطہ انگیز اور من گھڑت باتوں پر مبنی ہیں۔ ان کی صحت تاریخی نقطۂ نظر سے مشکوک اور قابلِ تردید ہے۔ بدقسمتی سے پنجاب اور بالخصوص جھنگ میں کوئی ایسی شخصیت نہ ابھری، جسے تحقیق کے بحرِ بے کراں میں غوطہ زنی کی سعادت حاصل ہوتی۔ اور وارث شاہ کی ہیر پر مبنی زباں زدِ عام غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکتا۔ کسی نے بھی اصل حقائق کو بے نقاب کرنے کی کوشش نہ کی چنانچہ ماضی کے بے نشان خوابوں کی دھند ہمارے ذہنوں پر بدستور مسلط ہے

دراصل وارث شاہ نے اپنے عہد کے تمدنی حالات کو ہیر کے دور کے واقعات پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سیدھا سادہ واقعہ افسانے کے پیکر میں اپنے اصلی نقش و نگار کھو بیٹھا۔ وارث شاہ اپنے جذبات کی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہوئے ہیر کی شخصیت کو ارضی الاتسوں سے محفوظ نہ رکھ سکے، ان کی شاعرانہ اُپج ہیر کے حق میں سمِ قاتل ثابت ہوئی۔ میں مانتا ہوں کہ شاہ صاحب پنجابی کے قادر الکلام شاعر ہونے کے ساتھ ہی اپنے عہد کے صوفی بزرگ بھی تھے۔ اور ان کی تصنیف ادبی نقطۂ نظر سے نہایت بلند مقام کی مالک ہے۔ بلکہ پنجابی ادب میں اس کی نظیر نہیں ملتی ـــ اس اعتراف کے باوجود یہ امر طے شدہ ہے کہ

ان کے قارئین اپنے ذہنوں میں ہیر اور رانجھا کے مجازی عشق کا ہی تصور قائم کرتے ہیں۔ قدر و منزلت کے اعتبار سے ان کی تصنیف عقیدت مندوں کے لیے کتابِ مقدس کا درجہ رکھتی ہے، اور اس کا مطالعہ کارِ ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب وارث شاہ کی ہیر کو اس کی مخصوص لے میں پڑھا جاتا ہے تو سامعین سر دھننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ دل و دماغ پر اس کے بہت گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ مگر واقعات کا انسانوں سے تعلق چہ معنی دارد؟

اب میں ہیر کے ان واقعات کا ذکر کرتا ہوں، جو مختلف تاریخی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے بیشتر کتابیں پنجاب سے باہر خصوصاً بھارت کی لائبریریوں سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔

ہیر قریباً ۸۳۰ ہجری میں جبکہ ہندوستان کے اکثر علاقوں پر لودھی خاندان کی عملداری تھی، جھنگ سے جنوب مغرب کی طرف علاقہ کوٹلی باقر کے موضع چوچک میں ایک سیال کے ہاں پیدا ہوئی، اس کے باپ کا نام چوچک تھا، وہ ایک معمولی زمیندار اور عمر رسیدہ شخص تھا، اور بدقسمتی سے اولاد سے محروم تھا۔ یہاں یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ موجودہ جھنگ شہر حضرت شیر شاہ جلال سرخ بخاری نے جن کا مدفن اُچ بہاول پور میں ہے ۹۶۵ھ میں بسایا تھا، آپ عموماً اس علاقے میں تشریف لاتے رہتے تھے، بعد میں آپ کی

اولاد میں سے حضرت مخدوم سید احمد کبیر، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، مخدوم راجو قتال، حضرت شاہ کبیر اور حضرت شاہ محبوب عالم عرف شاہ جیونہ، بھی متعدد بار یہاں رونق افروز ہوئے، حضرت جلال سُرخ بخاری نے قبیلہ نون کو مسلمان کیا۔ حضرت بابا فرید شکر گنج نے سیالوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا، لیکن سیال زیادہ تر حضرت جلال سرخ بخاری کے مرید تھے، ان میں چوچک بھی شامل تھا، جو آپ کے پوتے شاہ کبیر کا ارادت مند تھا۔ جس زمانے میں ہیر کے خاندان نے اسلام قبول کیا، سیال قطعاً حکمراں نہ تھے۔ ان میں کوئی نواب یا رئیس نہ تھا، البتہ ان کے کچھ لوگ فوج میں ضرور شامل تھے۔ اِس لحاظ سے ہیر کے خاندان کو ہیر کے عہد میں نواب یا رئیس کہنا تاریخی غلطی ہے، جس کا واحد سبب وارث شاہ کی تصنیف ہے، کیونکہ موصوف نے ہیر کو دنیاوی جاہ و جلال کا مالک ظاہر کیا ہے اور اسی بات کے پیشِ نظر ہیر کے خاندان کو نوابان سیال قرار دیا ہے، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ سیال قوم خود وارث شاہ کے اپنے دور میں حکمراں تھی، نتیجتاً انھوں نے سیالوں کے معاصرانہ جاہ و جلال سے مرعوب ہو کر ان کے حال کو ماضی پر چسپاں کر دیا، اور اپنے دور کے تمدنی، معاشرتی اور سیاسی حالات کو ہیر کے حالات سے ہم آہنگ قرار دے کر عشقیہ داستان کا مواد فراہم کیا۔ اور حسبِ منشا اس پر افسانہ طرازی کا فن آزمایا۔ انھوں نے جو اضافے زیبِ داستان کے لیے پسند کیے تھے، وہ بعد ازاں حقیقت

تصور کر لئے گئے۔

پروفیسر اختر علی ندوی نے اپنے مضمون میں وضاحت کے ساتھ ہیر اور وارث شاہ کے درمیانی عہد سے جو قریباً تین سو سال پر محیط ہے، بحث کی ہے، اور ان ہستیوں کے مابین حائل زمانی و مکانی بُعد کو بالتفصیل تاریخ کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔ پروفیسر صاحب اپنے مقالے میں رقم طراز ہیں کہ:۔

بعض آدمیوں کے غلط نام مسلسل استعمال سے اتنے مشہور ہو جاتے ہیں کہ ان کا اصل نام باقی نہیں رہتا، متاخرین صحیح نام کی تلاش سے عاجز آ کر مجبوراً عرفِ عام کو ہی صحیح تسلیم کر لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض واقعات زمانی بعد کے ساتھ اپنی نوعیت تبدیل کر لیتے ہیں، اور حقیقت و یت میں امتیاز مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی حشر ہیر کے ساتھ ہوا۔ متاخرین ے اصلیت و واقعیت کی تحقیق کے بغیر سنی سنائی باتوں پر یقین کر لیا۔ اور ہیر سے بے سروپا افسانے منسوب کر دئے گئے، وارث شاہ نے بھی روایات سے استفادہ کرتے ہوئے ایک مکمل کتاب لکھ ڈالی، ہیر کا اصل نام ہیر نہ تھا بلکہ عزت بی بی تھا، اور رانجھا جنھیں ان کا عاشق شمار کیا جاتا ہے، نام کا رانجھا نہ تھا، بلکہ ذات کا رانجھا تھا، اس کا حقیقی نام مراد بخش تھا، وارث شاہ نے دونوں صحیح نام حذف کر دئے اور عرفِ عام سے افسانے کی ایک بلند و بالا عمارت کھڑی کر دی۔ بعض روایات کے مطابق خود وارث شاہ کو بھاگ بھری نامی

ایک خاتون سے والہانہ محبت تھی، یہ خاتون ڈھکو قوم سے تعلق رکھتی تھی، جو پاک پتن کے علاقے میں آباد تھی۔ وارث شاہ بھاگ بھری کے دیدار کی خاطر مختلف بھیس بدل کر جاتے، اور چوری چھپے اس سے ملاقاتیں کرتے، ایک روز ان کا راز فاش ہوگیا، اور ان کی محبوبہ کی شادی کسی دوسری جگہ کر دی گئی۔ ڈھکو قوم کے افراد صاحبِ حیثیت اور اپنے وقت کے حاکم تھے، انھوں نے متعدد بار شاہ صاحب کو سرزنش بھی کی۔ مثنوی یکتا شاہ صاحب کے سامنے تھی، فطرت سے طبیعت موزوں لے کر آئے تھے، بھاگ بھری کے واقعات ہیر پر چسپاں کر دئے، ڈھکو قوم کے بجائے سیال آگئے۔ غرض جملہ تفصیلات منطبق ہوگئیں نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ کہ وارث شاہ اپنے مشن میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن ہیر، جو بقول شاہجہاں اپنے وقت کی عارفہ اور پاک باز خاتون تھی، ان کے قلم کی زد میں آ کر عشقِ مجازی کا کردار بن گئی۔

وارث شاہ نے اپنے زندۂ جاوید شاہکار کے آخر میں خود تسلیم کیا ہے کہ اس کہانی کے کردار حقیقی نہیں محض استعارہ ہیں، زمان و مکان کی تمام حکایتیں اور مطابقتیں مصنوعی ہیں، وارث شاہ کا درج ذیل شعر میرے انکار کی تائید میں ہے ؎

ہیر روح تے چاک قلبوت جانو بالناتھ ایہہ پیر بنایا ای
پنج پیر نے پنج حواس تیرے جنہاں تھاپنا تدھ نوں لایا ای

یعنی ہیر اصل رُوح ہے، اور رانجھا اس کا جسم ہے۔ بالناتھ اس کا مرشد ہے، پنج پیر حواسِ خمسہ ہیں، قاضی انسان کے اعمال ہیں، اہلِ خاندان منکر نکیر ہیں، سکان قبر کا استعارہ ہے۔ اور کھیڑا موت کی دلیل ہے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ جو شخص وارث شاہ کی ہیر پڑھتا ہے، وہ شاہ صاحب کی ماہرانہ فن کاری سے اتنا مسحور ہو جاتا ہے کہ وہ زیبِ داستان کو داستاں سے الگ کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ اور کتاب کے محولہ بالا شعر کو بھی محض شاعرانہ تعلی خیال کر کے ہیر رانجھا کے عشقِ حقیقی کا قائل ہو جاتا ہے۔

حضرت مادھولال حسین قادری جن کے مزار پر ہر سال میلہ چراغاں لگتا ہے، خود اس منزل سے گزرے ہیں، جو وارث شاہ کا مسلک (عشقِ مجازی) ہے، لیکن صوفیائے کرام نے مادھولال نامی لڑکے سے شاہ حسین کے پیار کو ثانوی حیثیت دی ہے۔ اور اعتراف کیا ہے کہ مادھو کی محبت محض ظاہری اور دنیاداری کی بات تھی، ورنہ فی الاصل حضرت شاہ حسین عشقِ الٰہی میں مبتلا تھے۔ خود مادھولال حسین ہیر کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

مائی ہیر کو گُدڑی میں آپے رانجھن ہوئی
رانجھن رانجھن ہر کوئی آکھے ہیر نہ آکھے کوئی

اولیائے جھنگ

جنگل جنگل پھراں ڈھوڈیندی رانجھن میرے رنگے
ہنیں آیا میرا ڈھول نہ آیا ہیر کُوکے وچ جھنگے

یہ اشعار اُن کے نظریات کی مبین دلیل ہیں ۔

چوچک نے اپنے مرشد حضرت شاہ مخدوم کبیر بخاری کی جھنگ میں آمد کے متعلق سُنا حضرت موصوف علاقہ قنوج سے سال میں ایک بار جھنگ اور ملتان تشریف لے جاتے تھے، آثار و قرائن اور تاریخی شواہد کے مطابق مخدوم شاہ کبیر ۸۲۵ھ میں جھنگ وارد ہوتے، چوچک نے ان کی خدمت میں حاضری کی ٹھانی، عرض کیا کہ میں اولاد سے محروم ہوں ۔ آپ دُعا فرمائیں اللہ تعالےٰ مجھے اولاد کی نعمت سے سرفراز فرمائے حضرت نے چوچک کے حق میں دعا فرمائی اور کہا تمہارے نصیب میں اولادِ نرینہ نہیں ہے، ایک لڑکی ہوگی جو بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت حاصل کرے گی اور اس کے نام سے تمہارا خاندان شہرت پائے گا ۔

(رسالہ نظام المشائخ جولائی ۱۹۱۱ء ۔ صفحہ ۹)

حسبِ ارشادِ مرشد ۸۳۰ھ میں مائی صاحبہ کی ولادت ہوئی ، چوچک بڑا غریب تھا، لیکن دل کا غنی تھا، اسے اپنے مرشد سے گہری عقیدت و وابستگی تھی، مرشد کی توجہ سے اس کو اپنی زندگی میں سکون و اطمینان مل

گیا تھا، لڑکی کی ولادت کے بعد اس کی عقیدت و محبت میں اور بھی اضافہ ہوگیا، چوچک نے لڑکی کا نام عزت بی بی رکھا، والدین کے لئے یہ لڑکی اولادِ نرینہ کے مترادف تھی اور خاندان کے لئے عزت و عظمت کا موجب بننے والی تھی۔

عزت بی بی نے بالکل سادہ گھریلو ماحول میں پرورش پائی۔ سن شعور میں قدم رکھنے کے بعد آپ اس وقت کے ایک بزرگ خواجہ محمد عبداللہ جو حضرت شاہ مخدوم کبیر کے خادم اور خلیفہ تھے کی زیرِ نگرانی قرآن مجید کی تعلیم سے بہرہ ور ہونے لگیں دس سال کی عمر میں کلامِ پاک حفظ کر لیا، اور حکمت و شریعت کے رموز سے واقفیت حاصل کی۔

(علمائے ہند کے روحانی کارنامے ص۲۱۱)

جب عمر بلوغت کی منزل میں داخل ہوگئی تو آپ جنگل میں جانے لگیں، زیادہ وقت تنہائی میں بسر کرتیں، رات گئے تک عبادت میں مصروف رہتیں، مسلسل روزے رکھتیں۔ خداوند کریم نے خد و خال بھی موزوں عطا کئے تھے، ان کے حسن و جمال کی شہرت کے ساتھ ساتھ ان کی پاک بازی اور نیک سیرتی کا چرچا بھی عام ہوگیا، جانوروں سے بے پناہ محبت رکھتی تھیں یہی وجہ تھی کہ اپنے گھر کے مویشی خود چرانے کے لئے لے جاتی تھیں جب آپ مویشی لے کر دریا کی طرف پہنچ جاتیں تو عبادت شروع کر دیتیں

شام کو اپنا مال مویشی لے کر واپس آ جاتیں - ایک دفعہ ایک بھینس شام تک گلہ میں واپس نہ آئی، جب آپ گھر پہنچیں تو والد نے دریافت کیا، آپ نے کہا ابھی آ جائے گی، حق حلال کا مال کبھی ضائع نہیں ہوتا، اسی اثناء میں بھینس لوٹ آئی۔

چوچک نے اپنے مرشد شاہ کبیر کو گھر آنے کی دعوت دی، مورخین نے صحیح سن تحریر نہیں کیا، اغلب خیال ہے کہ مخدوم صاحب ۲۴۴ھ میں تیسری بار چوچک کے غریب خانے پر تشریف لائے۔ جب آپ چوچک کے ہاں پہنچے تو نماز عصر کا وقت ڈھل چکا تھا، آپ نے آتے ہی نماز پڑھنی شروع کی، اسی دوران مائی صاحبہ بھی مال مویشی سمیت حسبِ معمول گھر پہنچیں، اور حویلی کے صحن میں ان کو باندھنے میں مصروف ہو گئیں، وہ مرشد کی آمد سے بے خبر تھیں، جب مخدوم صاحب نماز سے فارغ ہوئے آپ نے مائی صاحبہ کو بلا کر ازراہِ نصیحت کہا:-

حب کوئی شخص نماز ادا کر رہا ہو تو اس کے آگے سے نہیں گزرنا چاہئے، اس سے نہ صرف نماز میں خلل ہوتا ہے، بلکہ گزرنے والا بھی گناہگار ہوتا ہے، میں نے دیکھا کہ میں جب نماز کی ادائی میں مصروف تھا تو تم میرے آگے سے گزر کر مویشی باندھ رہی تھیں۔"

مائی صاحبہ نے مرشد کی بات سن کر کہا۔" یا حضرت آپ دوبارہ

نماز پڑھیں، کیونکہ میں نے حدیث میں دیکھا ہے کہ نماز معراج المومنین ہے جب انسان عبادتِ خدا میں سجدہ ریز ہوتا ہے تو اسے خدا کے سوا کوئی شے نظر نہیں آتی۔ مگر آپ نماز کے دوران چُنّی اور کٹی کو دیکھتے رہے، اس لئے دوبارہ نماز ادا فرمائیں۔"

مخدوم صاحب مائی صاحبہ کی گفتگو سن کر غش کھا گئے، اور چوچک کو حکم دیا کہ میرے لئے علاحدہ کمرے کا انتظام کرو، میں یہاں چالیس دن قیام کروں گا' چنانچہ مخدوم صاحب چالیس روز تک چوچک کے ہاں رہے اور مائی صاحبہ آپ کی خدمت کرتی رہیں، جب آپ رخصت ہونے لگے تو آپ نے چوچک کو بلا کر کہا، تمہاری بیٹی کا درجہ بارگاہِ ذوالجلال میں بہت بلند ہے، میں نے اُس عزت والی خاتون کو اولیائے عظام کی صف میں دیکھا ہے۔ تمہاری بیٹی آج سے ہیر ہوگی، اور اسی نام سے دُنیا میں عزت پائے گی"

(مضامین مولانا نور احمد خاں فریدی مطبوعہ ماہنامہ تبصرہ لاہور، شمارہ جون ۱۹۶۴ء)

ہیر کا لغوی مفہوم ہے عابد و زاہد، تزکیۂ نفس کرنے والا، مقبولِ بارگاہ اور پجاری۔

(فیروز اللغات ص۶۹۲ اور تحقیق بنی اسرائیل بھارت میں از سر تعاس

مطبوعہ مدراس بزبان انگریزی بحوالہ تحقیقی مقالہ بنی اسرائیل ماہنامہ الفرقان ربوہ اپریل ۱۹۶۷ء)

حضرت مخدوم شاہ کبیر جھنگ سے شاہ پور تشریف لے گئے جہاں کے مشہور قبیلے نون، ٹوانے اور رانجھے آپ کے جد امجد شاہ جلال سرخ بخاری کے ارادت مند تھے، آپ نے شاہ پور کے مقام ٹدھ رانجھا میں قیام فرمایا، یہ سارا علاقہ رانجھا زمینداروں کی ملکیت تھا جو دو سو سال قبل مسلمان ہوئے تھے، ٹدھ رانجھا میں قیام کے دوران اسی قوم کے ایک نیک سیرت شخص مراد بخش نے آپ سے بیعت کی اجازت طلب کی، آپ نے اسے جھنگ جانے کی ہدایت دے کر فرمایا ۔

"تم عزت بی بی کے پاس جاؤ۔ وہیں فیض ملے گا"

نتیجتاً ۲۲ سالہ مراد بخش جھنگ پہنچا، مائی صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواہش ظاہر کی۔، مائی صاحبہ نے اس کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کرلیا۔ اور وہ تاحیات اِن کے ساتھ رہا۔

سلطان بہلول لودھی جو اس وقت لاہور کے حکمراں تھے، مائی صاحبہ کے معتقد تھے، اور آپ سے ملنے کے لئے عموماً جھنگ آتے تھے نواب بہلول نے مائی صاحبہ کے درویشوں اور فقیروں کے لئے وسیع جاگیر عطا کی تھی، جو سیال خاندان میں سب سے پہلی سرکاری جاگیر تھی ۔

بعد میں یہ جاگیر مختلف ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہی، جب حسین شرقی والی جونپور نے تیسری بار حملہ کیا تو نواب بہلول لودھی مائی صاحبہ کے پاس جھنگ میں مقیم تھا۔ نصف شب کے قریب مائی صاحبہ نے اسے جگایا۔ اور کہا فوراً دہلی چلے جاؤ تمہارا تخت خطرے میں ہے۔ چنانچہ نواب بہلول جھنگ سے عازم لاہور ہوا اور خاصی جمعیت لے کر دہلی پہنچا۔ اور تخت کو دست بُرد سے بچایا۔

(بحوالہ مضمون اختر علی ندوی ماہنامہ آجکل دہلی۔ جولائی ۱۹۴۷ء)

ہیر کا شجرہ نسب جو جھنگ گزیٹیر اور احسن المقال میں درج ہے، کئی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیتا ہے،

جد اعلیٰ

(۱) راسیال (بعہد بابا فریدالدین گنج شکرؒ مسلمان ہوا)

(۲) کوبلی

(۳) بھوپتی

(۴) اپل

(۵) اچل

(۶) مہیپال

(۷) پچوٹ

(۸) پتھر

پوچک (ھیر کا باپ)

اللہ دتہ

۹ مل خاں (رئیس اوّل ریاست پچھی وجھنگ)

چوچک ثانی (جد چوچک سیال)

نواب بہلول کی طرف سے ہیر کو عطا کردہ جاگیر کا انتظام جو علاقہ پچھی ماچھیوال سے جبوانہ تک وسیع تھی، پوچک نے اپنے بھتیجے مل خاں کے سپرد کردیا تھا، کیونکہ پوچک خود اولاد نرینہ سے محروم تھا اور حقیقی بھائی اللہ دتہ فوت ہوچکا تھا، دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ مل خاں نہایت زیرک اور صاحب اثر تھا، جو لوگ چچکانہ سیالوں کو چوچک اوّل کی اولاد سمجھتے ہیں، وہ محض زبانی روایتوں کی بنا پر غلط فہمی کا شکار ہیں،

دوسری بڑی غلط فہمی وارث شاہ کی ہیر سے پیدا ہوئی، ہیر سے جو عشقیہ داستان منسوب کی جاتی ہے، اس میں جگہ جگہ دریائے چناب کا ذکر ملتا ہے اور ساحلِ چناب ہی کو رومان کا پس منظر بنایا گیا ہے، حالانکہ

ہیر کا گھرانہ دریائے جہلم کے کنارے موجودہ تھل میں آباد تھا، اگر اس قصہ کی بنیاد حقیقت پر ہوتی تو اس میں چناب کے بجائے جہلم کا ذکر ہوتا، یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ہیر رانجھا سے ملاقات کرنے کے لئے پہلے کشتی کے ذریعے دریائے جہلم عبور کرتی، پھر چالیس میل لمبا علاقہ وچھن پیدل طے کر کے چناب عبور کرتی، اس طرح جھنگ شہر کے قریب اس کی رانجھا سے ملاقاتیں ہوئیں، اسی ایک واقعہ سے حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔

مائی ہیر صاحبہ چھیالیس سال کی عمر میں اس دارِفانی سے عالمِ بقا کی طرف سدھار گئیں۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے خلفاء اور عقیدت مندوں میں سخت رنج و غم کے باعث ہیجان و اضطراب رہا۔ ایک سال بعد میاں مراد بخش رانجھا بھی وفات پا گئے، وصیت کے مطابق اِن کو مرشدہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

مائی ہیر کا مزار جو قدیم فنِ تعمیر کا نادر نمونہ ہے، ان کی وفات کے چھ ماہ بعد بہلول لودھی نے تعمیر کرایا، مزار کے نواح میں وسیع باغ تھا، جسے سیراب کرنے کے لئے دریائے چناب سے نہر نکالی گئی تھی، مرورِ زمانہ کے باعث نہر خشک ہو گئی اور باغ اُجڑ گیا، بعدازاں اس طرف کسی نے توجہ نہ دی۔

وال میانہ کے ولی اللہ حضرت حافظ میاں محمد صاحب کے حوالے

سے ایک روایت مذکور ہے کہ حافظ صاحب ہر جمعرات کو مائی صاحبہ کے مزار پر مریدوں سمیت فاتحہ پڑھنے آتے تھے، ایک دفعہ حافظ صاحب حسبِ معمول فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لائے، راستے میں موضع گھلاپور کے قریب آپ نے ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا۔ جب بیدار ہوئے تو آپ نے مریدوں کو واپسی کا حکم دیا، مریدوں نے عرض کی یا حضرت آپ فاتحہ پڑھنے نہیں جائیں گے، آپ نے فرمایا کہ مجھے آخری سفر کی اطلاع مل گئی ہے۔ پہلے جب میں آتا تھا، مائی صاحبہ کی رُوح میرا استقبال کرتی تھی لیکن اس بار اُن کی رُوح میری پیشوائی کے لئے نہیں آئی، مجھے یقین ہے کہ میرا وقتِ آخر قریب ہے، چنانچہ آپ تین روز بعد وفات پا گئے۔

(ذکرالعارفین ص ۵۰)

حضرت شاہ جمال چنیوٹ کے مشہور ولی گزرے ہیں، ان کے بارے میں مشہور ہے کہ جب میاں مراد بخش رانجھا اپنی مرشدہ سے بیعت کے لئے جھنگ جا رہے تھے آپ نے مرشد کی ہدایت کے مطابق دریا کے کنارے میاں رانجھا کا استقبال کیا، اور میاں رانجھا کو اپنے پاس مہمان ٹھہرایا۔ آپ نے رانجھا سے بانسری سننے کی فرمائش کی، جونہی بانسری کی تانیں اُڑنی شروع ہوئیں، پہاڑیاں پگھل کر دریا میں بہتی نظر آئیں، میاں شاہ جمال بے قرار ہو گئے اور فرمایا۔ "بس جُبا! مجھ میں تاب نہیں، جب پہاڑیاں پگھل رہی ہیں تو میں

بندہ گناہگار کس طرح تاب لا سکتا ہوں؟" اور دعا کے ساتھ میاں رانجھا کو رخصت کر دیا۔ (کتاب مشائخ از ہند مطبوعہ مدراس اکیڈمی)

نواب سعد اللہ خاں وزیر اعظم ہند نے دربار شاہ جہاں کے بارے میں جو روزنامچہ مرتب کیا ہے، اس کے سنہ ۳۷ پر آپ نے شاہ جہاں کی طرف سے لکھا ہے کہ "مائی ہیر عرف عزت بی بی عارفہ کاملہ تھیں۔"

مزار ہیر کے بارے میں پروفیسر اختر علی ندوی نے یقین ظاہر کیا ہے کہ مائی صاحبہ کا موجودہ مزار حقیقی ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے مزار کسی عہد میں شکستہ ہو گیا ہو تو کسی عقیدت مند نے از سر نو تعمیر کروا دیا ہو جس سے اس کی پہلی ہیئت میں تبدیلی آ گئی ہو، لیکن مزار کو فرضی کہنا یا مائی صاحبہ سے رانجھے کا عشق ظاہر کرنا، یا مائی صاحبہ کی شادی، رانجھا کا جوگ اور بالناتھ کی امداد قطعاً غلط اور بے بنیاد باتیں ہیں، اور شعرائے کرام کی ذہنی اختراع کا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح تخت ہزارہ میں میاں رانجھا کا مزار بھی فرضی ہے۔

مائی صاحبہ کے مزار کے اردگرد واقع تمام قبریں جو موجود ہیں یا مسمار ہو چکی ہیں، مائی صاحبہ کے مریدوں یا عقیدت مندوں کی ہیں۔ مائی صاحبہ کا حلقہ ارادت بڑا وسیع تھا، لیکن بعد میں ملک کے سیاسی حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ محمد شاہ رنگیلا کے عہدِ حکومت میں سید وارث شاہ نے اس عارفہ کا

دامن دنیاوی آلائشوں سے داغ دار کر دیا، اور حقیقت شعر کے پردوں میں مستور ہو گئی، آج بھی حقیقت کا متلاشی راہِ عمل مسدود پاتا ہے، اور اگر تلاشِ حق میں کامیاب ہو جائے تو وارث شاہ کے پیدا کردہ تاثرات عوام الناس کے ذہنوں میں اس قدر رچ بس گئے ہیں کہ وہ حقیقت کو حقیقت تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ مائی ہیر کے بارے میں کئی نسلوں سے غلط تاثر چلا آ رہا ہے، اور جو کوئی اسے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے عقیدت مندانِ ہیر وارث شاہ کا انبوہ کثیر اس کی راہ میں مشکلات پیدا کر دیتا ہے ۔

تاہم مجھے یقین ہے کہ میری تالیف سالہا سال کے غلط تصورات کی بیخ کنی اور صورتِ حال کی اصلاح کی جانب ایک مثبت قدم ثابت ہو گی،

مختصرات

حضرت شاہ سخیرا، روڈو سلطان، نور اصحاب، نوری نہرا، خدایار کھوکھر، پیر محمد یعقوب، حافظ دیوان، پیر نوگزہ، گل محمد نوری، فقیر گل محمد، محمد حسین، شہابل شاہ، شاہ کبیر، حافظ سعید، حافظ محمود، حاجی جہانیاں شاہ جمال، پیر کرم شاہ، پیر عبدالرحمٰن، پیر مستان شاہ، مائی سواتی، بدھو شاہ، میاں عمر کھرل، جوایا کانجو، ملنگ بخاری، محمد حسین شاہ گیلانی، اللہ جوایا، پیر محمد احسن، پیر گل شاہ، مدن شاہ، شاہ شریف، سندھ کا میناں، نبی شاہ، فتح شاہ، بگھو شاہ، سید و میاں چوہڑ، میاں مسافر، ولایت شاہ، نور شاہ،

حضرت شاہ سخیرا

آپ کا اصل نام شاہ صغیر تھا، جو عام بول چال میں شاہ صغیرا ہو گیا۔ تاہم بعد میں صغیرا کے بجائے سخیرا کے نام سے شہرت ہوئی — جس مقام پر آپ نے قیام فرمایا اور دفن ہوئے اُسے سرکاری کاغذات میں ماڑی شاہ سخیرا لکھا جاتا ہے۔

آپ صحیح النسب فاطمی و ہاشمی تھے، آپ کا سلسلہ نسب ۲۷ واسطوں سے حضرت علی علیہ السلام سے ملتاہے۔

آپ کا صحیح سن ولادت و وفات تو معلوم نہیں ہو سکا، البتہ خاندانی روایات کے مطابق اللہ تعالےٰ نے آپ کو طویل عمر عطا کی تھی، حضرت شاہ جیونہ بخاری کے ہم عصر تھے، اور شاہ عالم اوّل مغل تاج دار کے عہد تک زندہ رہے۔ اور سیاسی اعتبار سے امرائے دربار میں اثر و رسوخ رکھتے تھے، جھنگ میں سیالوں کی حکومت بھی آپ کی مخلصانہ توجہ کے باعث قائم رہی۔

سلسلہ نسب

آپ کا شجرہ نسب اس طرح مروی ہے:۔ حضرت شاہ ضمیر بن سید محمد مسعود بن سید جلال شاہ بن سید امیر الدین۔ بن سید نصیر الدین سید محمد داؤد بن سید محمد غوث۔ بن سید محمد حسین شاہ بن سید محمد حسان، بن سید عبدالوہاب بن سید رضا الدین بن سید صدر الدین بن سید محمد سابق

بن سلطان ابو القاسم بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن بن سید اسحاق ثانی بن سید ابوالحسن زاہد بن سید محمد عالم بن سید قاسم عبداللہ بن سید محمد ادلے بن سید اسحٰق موانوق بن حضرت موسےٰ کاظم بن حضرت امام جعفر صادق بن حضرت امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین بن حضرت امام علی علیہ السلام۔

آپ دو بھائی تھے۔ اور دونوں بھائی مادرزاد ولی اور صاحب کرامت تھے۔ مشہور ہے کہ دونوں بھائیوں میں عموماً مقابلے جاری رہتے تھے، دونوں کی طرف سے خوارق الفطرت واقعات کا اظہار ہوتا تھا۔ جس کے باعث آپ کے والد محترم کو پریشانی ہوتی تھی۔

ہندوستان میں آمد

ایک روز سید محمود نے دونوں بھائیوں کو بلایا اور اُن سے کہا کہ ایک میان میں دو تلواریں جمع نہیں رہ سکتیں، اس لئے کل صبح تم میں سے جس کی جوتیاں اُلٹی پڑی ہوں رختِ سفر باندھ لے، رات گزرنے کے بعد دونوں بھائی اُٹھے تو شاہ صغیر صاحب کی جوتیاں اُلٹی پڑی تھیں آپ فوراً سمجھ گئے اور والد کے حکم کے مطابق سفر کی تیاری کر لی، جب والد سے اجازت لینے گئے تو سید محمود صاحب نے فرمایا کہ ہندوستان میں تمہاری ضرورت ہے

اور وہیں چلے جاؤ۔ چنانچہ آپ ہرات کے راستے ہندوستان وارد ہوئے پہلے بارہ سال کا عرصہ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں قیام فرمایا، یہاں پرسموں نامی ایک صاحبِ ولایت بزرگ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، اور مرشد کی اجازت سے جھنگ کی طرف چلے آئے۔

حضرت شاہ جیونہ سے ملاقات

آپ حسو بلیل قصبہ میں چند روز قیام کرنے کے بعد دریائے جہلم کے مارٹی فتح خاں بالی نامی ایک مقام پر پہنچے، یہ جگہ آپ کو رہائش کے لئے پسند آئی۔ اسی مقام پر تبلیغ و ہدایت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ تھوڑی مدت میں ہی آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت شاہ جیونہ صاحب بھی آپ کا امتحان لینے کے لئے اپنے ارادت مندوں کے ہمراہ جہلم کے کنارے پہنچے، دونوں بزرگوں کے درمیان روحانی مدارج کا مقابلہ ہوا۔ جب دونوں نے ایک دوسرے کو آزمایا، اور کوئی بھی زیر نہ ہو سکا تو حضرت شاہ جیونہ صاحب نے تسلیم کیا، اور بطور مہمان کافی دن شاہ صغیرا کے ہاں مقیم رہے،

شادی

آپ کی روحانی عظمت و بزرگی کا سکہ بیٹھ گیا تھا، اس سے متاثر ہو کر فتح خاں بالی نے جو اس علاقہ کا حکمراں تھا آپ کا مرید بن کر اپنی بیٹی نکاح میں دے دی جس کے بطن سے آپ کے پانچ لڑکے

سید محمد، سید محمود، سید احمد۔ سید حمید۔ سید کبیر پیدا ہوئے
ان میں سے چار آپ کی زندگی میں وفات پا گئے۔ سید محمد صاحب زندہ
رہے، پھر انہی سے آپ کی اولاد چلی،

سلسلہ سجادگی

آپ کی وفات کے بعد آپ کا بیٹا سید محمد جانشین مقرر ہوا، اور
بعد میں دستور بن گیا کہ سجادہ نشین کا بڑا لڑکا ہی پہلے جانشین کے فوت ہونے
کے بعد جانشین مقرر ہونے لگا، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد مندرجہ ذیل
اصحاب با ترتیب سجادہ نشین مقرر ہوئے، سید محمد، سید محمد حسنین، سید
شاہ جلال، سید گل شیر، سید شاہ حسین مٹھا۔ سید غریب شاہ، عالم میر شاہ
سلطان شاہ، قلندر جہانیاں شاہ، اور موجودہ سجادہ نشین مخدوم محمد عالم شاہ

تبلیغ وارادت

آپ کے ارادت مندوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا، مختلف قبیلوں کو
اسلام کی دولت سے نوازا۔ مغل تاجدار شاہ عالم اوّل کے عہد میں سکھوں
کے ایک گروہ نے حکومتِ مغلیہ کے خلاف بغاوت کی، اور شورش پھیلاتے
ہوئے جھنگ کے علاقہ میں آگھسے۔ مغل تاجدار نے حضرت شاہ صغیرا کی
خدمت میں عرض کی کہ اس گروہ کو راہِ راست پر لائیں، چنانچہ آپ نے سکھ
گروہ کو اسلام کی تبلیغ کی۔ اور یہ تمام گروہ مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اس

گروہ کو کھارا کا نام دیا، چنانچہ یہ لوگ مسلمان ہو کر جھنگ، سرگودھا، میانوالی کی حد پر تھل میں آباد ہو گئے۔ اور اب تک اس قوم کے افراد پر آپ کی روحانی عظمت کا جذبہ قائم ہے۔ کھارا لوگوں نے شاہ صغیرا کے ایک پوتے شاہ حسین کے نام پر نیا قصبہ شاہ حسین تھل خوشاب میں آباد کیا۔

کرامات

آپ سے بے شمار واقعات خوارق منسوب ہیں۔

ایک دفعہ کوئی سائل دروازے پر آیا، آپ گھر سے باہر صحن میں تشریف فرما تھے۔ آپ کو خیال گزرا کہ سائل دروازے پر کافی دیر سے کھڑا ہے، مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ آپ اٹھ کر دروازے پر آئے تو دیکھا کہ آپ کے چار لڑکے کھارہے ہیں، مگر سائل سے بے نیازی اختیار کر رکھی ہے، آپ غصے سے جلال میں آگئے، اور چاروں بیٹوں کے حق میں فرمایا کہ اس سے مرجاؤ تو بہتر ہے، چنانچہ آپ کے چاروں فرزندجاں بحق ہو گئے

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ حضرت شاہ جیونہ اور لعل مرید کے فقیر واولاد میرے عرس میں شامل نہیں ہو سکیں گے، چنانچہ اسی وقت سے اب تک یہ سلسلہ جاری ہے، دونوں کے فقیریا اولاد عرس میں شامل نہیں ہوتے اور مشہور ہے کہ اگر کوئی بذریعہ کشتی دریا پار کرنے کی کوشش بھی کرے تو کشتی ڈوبنے لگتی

ہے ۔ اور ملاح آواز دے کر پکارتے ہیں اور ان کو کشتی سے اُتار دیتے ہیں۔

عرس

ہر سال آپ کا عرس ۹ ۔ ۱۰ ۔ ۱۱ ماہ ہاڑھ کو منایا جاتا ہے، اور اِسے علاقائی میلہ کی حیثیت حاصل ہے ۔

روڈو سلطان

وفات :۔ ۱۲۰۵ ہجری
مدفن :۔ قصبہ روڈو سلطان

آپ کا اصل نام کچھ اور تھا، چونکہ آپ عموماً سر کے بال منڈوائے رکھتے تھے، اِس لئے آپ کو عرفِ عام میں روڈو سلطان کہا جاتا تھا، آپ سیلانی فقیر تھے، اور سیاحت کرتے ہوئے آپ قصبہ اُچ گل امام تحصیل شور کوٹ میں وارد ہوئے، جہاں حضرت زلف علی شاہ بخاری سکونت پذیر تھے، آپ ان سے بیعت ہوئے اور زندگی کے آخری سانس تک مرشد کی خدمت کرتے رہے، سید زلف علی شاہ بخاری بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے، جھنگ کے حکمراں عنایت خاں آپ کے مرشد کے عقیدت مند تھے، اِس نے سرکاری کاموں میں بھی آپ دخیل کار تھے،

روڈو سلطان صاحب متوکل بزرگ تھے، آپ کی وفات ۱۲۰۵ ہجری میں ہوئی، اور موجودہ جگہ پر ہی سپردِ خاک ہوئے ۔ جہاں آپ کا مزار موجود ہے

آپ سے متعدد خوارق واقعات منسوب ہیں ۔ مثلاً ہر جمعرات کو شیر اللہ

دیگر درندے مزار پر سلامی دینے آتے ہیں وغیرہ، آپ کے مزار پر ہر سال، کاتک کو بڑا بھاری میلہ لگتا ہے جو دراصل آپ کے مرشد کا سالانہ عرس ہوتا ہے، اس کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی دونوں کی تاریخ وفات ایک ہے، یا بعد میں میلہ کی تاریخ ایک رکھی گئی ہے؟

حضرت نور اصحاب

صحابہ نام کا ایک قصبہ تحصیل جھنگ میں واقع ہے ۔ اس میں حضرت نور اصحاب کا مزار ہے ۔ ان کی قبر تقریبًا ۲ گز لمبی ہے ۔ یہ بزرگ چوتھی صدی ہجری میں یہاں تشریف لائے اور جنگل میں جھونپڑی ڈال کر قیام کیا، آپ صاحبِ طریقت اور مبلغ اسلام تھے، آپ کے عقیدت مندوں کا جمِ غفیر جمع ہو گیا اور سینکڑوں غیر مسلموں نے آپ کے ذریعے اسلام قبول کیا،

حضرت نوری نہرا

ولادت :- ۱۱۷۰ ہجری

وفات :- ۱۲۶۰ ہجری

مدفن :- نیکو کارہ، تحصیل شورکوٹ

حضرت نوری نہرا ہاشمی، قریشی خاندان کے صاحبِ جلال بزرگ تھے اور شیخ کبیر نیکو کارہ کی اولاد میں سے تھے، آپ مزاج کے جلالی مشہور تھے، آپ کی کرامات کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے، آپ نے متعدد قبیلوں اور قوموں کو اپنا حلقہ بگوش بنایا، جس وقت سکھ نوجوں نے جھنگ پر

حملہ کیا تو آپ نے سکھ کمانڈر کو کہلا بھیجا کہ گڑھ مہاراجہ کا علاقہ امن میں رہنے دیا جائے، اور لوٹ مار نہ کی جائے، لیکن سکھ کمانڈر فتح کے نشہ میں مست تھا، اس نے آپ کے حکم کی پرواہ نہ کی، اور لوٹ مار کی نیت سے علاقہ گڑھ مہاراجہ میں ہاتھی پر سوار داخل ہو گیا: آپ نے جب دیکھا تو جلال آ گیا، اور زور سے پکار کر ہاتھی سے کہا غرق ہو جا، اُسی وقت زمین پھٹ گئی، اور سکھ کمانڈر ہاتھی سمیت زمین میں غرق ہو گیا، کمانڈر کا سر زمین سے باہر تھا، اس نے منت زاری کی اور فوج واپس لے جانے کی اجازت مانگی، تو آپ نے معافی دے دی، سکھ فوج واپس چلی گئی، مگر ہاتھی اس جگہ اب تک دفن ہے۔

میاں خدایار کھوکھر

میاں خدایار صاحب کھوکھر خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور مولانا نور احمد صاحب کے ہم عصر تھے، آپ بڑے عالم متقی، عبادت گزار اور صاحبِ عرفان تھے، آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت مولانا نور احمد صاحب کے عقد میں دی تھی، جس سے ان کی نسل چلی، آپ کا انتقال ۱۲۰۵ھ میں ہوا، اور جبۂ خاکی چنیوٹ تحصیل کے سامنے والے قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا، اسی قبرستان کے ایک حصہ میں اب جامعہ عربیہ قائم ہے، میاں خدایار کی اولاد میں بھی عالم و فاضل ہوتے ہیں، ان میں مولانا سلطان محمود صاحب کے علم و تقویٰ کی آج بھی شہرت ہے۔

حضرت پیر محمد یعقوب

آپ کا مزار حضرت پیر حافظ دیوان کے قبرستان چنیوٹ ملحقہ جامعہ عربیہ میں موجود ہے

حضرت پیر حافظ دیوان

چھٹی صدی ہجری کے مشہور ولی اللہ ہوئے ہیں آپ کے نام پر وسیع اور قدیم قبرستان اب تک جامعہ عربیہ چنیوٹ سے ملحقہ موجود ہے ؛

حضرت پیر نوگزہ

ان کا مزار مشہور ہے اور چنیوٹ شہر کے وسط میں واقع قبر بھی نوگز لمبی ہے ، روایت مشہور ہے کہ آپ بغیر سر کے جنگ کرتے ہوئے یہاں پہنچے تھے

فقیر گل محمد نوری

آپ مشہور سیال حکمران صاحب خاں کے مرشد تھے اور آپ کا مقابلہ حضرت سلطان باہو جان سے ہوا تھا جس میں سلطان صاحب نے آپ سے درگزر فرمایا تھا ، آپکا مزار جھنگ شہر کے قریب دریائے چناب کے کنارے ہے ۔

فقیر گل محمد

آپ کا مزار چاندنہ موضع میں واقع ہے ۔ آپ حضرت عبد الحکیم صاحب عرف میاں صاحب ضلع ملتان کے خلیفہ تھے ۔ آپ نے کھوکھر قوم کو اپنا گرویدہ بنایا اور تبلیغ فرمائی ، کھوکھر قوم ہر سال ۱۰ ساون کو آپ کا عرس مناتی ہے

حضرت محمد ابراہیم چنیوٹی

حضرت محمد ابراہیم سہروردی حضرت شیخ محمد اسمٰعیل عرف میاں وڈا کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے اور سلسلہ سہروردیہ سے بیعت تھے ۔ آپ تارک الدنیا تھے

ساری عمر مجرد رہے، آپ کا مزار احاطہ درس میاں وڈا میں موجود ہے۔

شیخ محمد حسین سہروردی | آپ شیخ محمد اجمل عرف میاں وڈا کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے، آپ ساری زندگی درس و تدریس میں مصروف رہے، زندگی کے آخری حصہ میں چنیوٹ سے لاہور چلے گئے اور وہیں وفات پائی، آپ کا مزار قبرستان بی بی پاک دامن لاہور میں موجود ہے۔

بلو شہابل | حضرت شہابل خاندان حضرت شاہ جیونہ کے فرزند تھے، اور متوکل بزرگ تھے آپ کے حالات زندگی نہیں مل سکے، آپ کا مزار ٹھٹھہ ماہلا کے قریب موجود ہے، آپ کی اولاد دنیاوی اعتبار سے اثر و رسوخ کی مالک ہے۔

سیّد احمد کبیر | ایک مرتبہ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری جھنگ تشریف لائے اور آپ کے مزار پر حاضری دی، فرمایا کہ صاحب مزار بڑے رتبہ کے حامل ہیں، آپ کا عرس ہر سال ۱۲ بھادوں کو منایا جاتا ہے۔ آپ کا مزار جھنگ شہر میں داخل ہوتے ہی سڑک پر دائیں جانب ہے، اور اب پختہ تعمیر ہوا ہے۔

حافظ محمد سعید مرزا | حافظ محمد سعید صاحب مغل گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، نویں صدی کے وسط میں چنیوٹ تشریف لائے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا، آپ سہروردی سلسلہ کے مبلغ تھے، مولانا نور احمد صاحب نقش بندی آپ کی اولاد میں سے تھے، آپ کا مزار چنیوٹ شہر لاہوری گیٹ کے اندر مغل گلی میں موجود ہے، مزار کے ساتھ مسجد بھی ہے،

حافظ محمود | حافظ محمود صاحب حضرت میاں محمد فاضل کے خلیفہ اور حضرت محمد صالح صاحب کے بعد مزار میاں وڈا لاہور کے متولی اور سجادہ نشین مقرر ہوئے تھے،

متوکل بزرگ تھے، ہجری ۱۱۱۸ میں وفات پائی، اور موضع لگے علاقہ لالیاں کے قریب مزار محمد فاضل سے ملحق احاطہ میں دفن ہوئے۔

حاجی جہانیاں | حضرت حاجی جہانیاں شاہ نسبی لحاظ سے سادات بخاری کے چشم چراغ تھے، قریباً گیارہویں صدی کے آغاز میں آپ کا انتقال ہوا، آپ کا مزار موضع بلو تحصیل جھنگ میں واقع ہے جہاں ہر سال میلہ لگتا ہے۔

حضرت شاہ جمال | حضرت شاہ جمال عرف گوڈر سلطان نام کے ایک بزرگ کا مزار ٹبہ کوٹلہ ساحل دریا جہلم تحصیل جھنگ میں واقع ہے، آپ سادات بنو ہاشم کے باکرامت ولی اللہ تھے، آپ کا عرس ہر سال ۔ اساڑھ کو منایا جاتا ہے، اس موقع پر دیہاتی لوگ ناچ اور کھیلیں بھی ہوتی ہیں۔

حضرت پیر کرم شاہ | پیر کرم شاہ حضرت شاہ جیونہ بخاری نقوی کے فرزند تھے، آپکے والد کا نام پیر گامے شاہ ہے جن کا مزار موضع اصحابہ میں موجود ہے، کرم شاہ اپنے والد کے ہمراہ عرس حضرت شاہ جیونہ میں شمولیت کے لئے گئے اور اپنے ہم عمروں کے ساتھ دریا میں نہاتے ہوئے جاں بحق ہو گئے، ان کی نعش تین دن بعد ملی تھی، آپ کو موضع چاندنہ میں دفن کیا گیا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

پیر عبدالرحمٰن شاہ | آپ کا مزار قصبہ کوٹ شاکر تحصیل جھنگ میں واقع ہے، جہاں ہر سال ۹، ۱۰ ہاڑ ماگھ کو بھاری میلہ لگتا ہے، آپ کی قبر کا نشان مٹی گارے سے نہیں بنایا جاتا کیونکہ اکثر لوگوں کو خواب میں آپ نے مزار بنانے سے اس لئے منع فرمایا کہ مزارات مردوں کے ہوتے ہیں۔

اور یہیں زندہ ہوں، جال کا درخت آپ کی قبر پر قبہ کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ مشہور ہے کہ آپ بغیر سر کے جنگ لڑتے ہوئے یہاں پہنچے تھے اور یہیں آپ کا انتقال ہوا۔

پیر مستان شاہ | پیر مستان شاہ حضرت شاہ جلال سرخ بخاری اُچ شریف کی اولاد میں، آپ کا مزار قصبہ کوٹ شاکر میں واقع ہے، بلوچ قبیلہ آپ کا مرید ہے، آپ کی اولاد قصبہ اُچ گل امام کے آس پاس رہائش پذیر ہے، آپ کا عرس ہر سال ۹، ۱۰ جیٹھ کو منایا جاتا ہے۔

حضرت مائی سوائی صاحبہ | مائی سوائی صاحبہ کا مزار موضع کوٹ خان میں واقع ہے، آپ مادر زاد عارفہ کاملہ تھیں، آپ حضرت پیر مبارک شاہ بغدادی ضلع ملتان کے خاندان سے تھیں، آپ کے مزار کے احاطہ میں کسی مرد کو داخل ہونے کی اجازت نہیں، حاملہ عورتیں بھی مزار میں داخل نہیں ہو سکتیں، آپ کا عرس ہر سال ۱۰ ہر بیساکھ کو منایا جاتا ہے۔

فقیر بدھو شاہ | فقیر بدھو شاہ کا مزار تلواڑہ کھوکھراں علاقہ تھانہ مسن میں واقع ہے آپ باکمال بزرگ ہوتے ہیں مشہور ہے کہ آپ نے ایک ڈاچی رکھی ہوئی تھی، وہ جس زمیندار کے کھیت میں چلی جاتی زمیندار حسب حیثیت کوئی نہ کوئی نذرانہ ڈاچی کے حوالہ کر دیتا فقیر بدھو شاہ کے مزار کے ساتھ اس ڈاچی کا مزار بھی موجود ہے۔

میاں عمر کھرل | جھنگ شہر سے ایک میل جانب شمال قبرستان کل کرایاں میں حضرت میاں عمر حیات صاحب کا مزار موجود ہے، سلوک کی منزلیں حضرت بابا بلھے شاہ کی خدمتِ اقدس میں رہ کر طے کیں۔ انہی کی مجلس و صحبت کے اثر سے آپ کو پنجابی میں شعر کہنے کا ذوق ملا، چنانچہ عمر کے آخری حصے میں آپ نے بے شمار سی حرفیاں، قصیدے اور مناجاتیں لکھیں جو

بیاض عمرؔ کے نام سے کتابی صورت میں موجود ہیں، آپ کی صوفیانہ شاعری پر حضرت مجید امجد کا تبصرہ بھی قابلِ قدر ہے۔ زندگی کے آخری دنوں میں آپ بینائی سے محروم ہو گئے تھے، آپکے تین لڑکے تھے، ایک سانپ کے ڈسنے سے اور دوسرا دریا چناب میں ڈوب جانے کے باعث جاں بحق ہوا، تیسرے لڑکے شرف الدین سے آپ کی اولاد چلی، ان میں سے حکیم عمر حیات، مولوی عبدالکریم حاذق اور محمد صدیق خاصے مشہور ہیں۔

حضرت جوایا کانجو | اس نام کے بزرگ کا مزار ٹھٹھی شاہ شکور تحصیل جھنگ میں ہے اور بڑا مشہور ہے۔

حضرت ملنگ بخاری | آپ کا مزار شورکوٹ ڈب کلاں روڈ پر قبرستان ملنگ بخاری میں موجود ہے۔ جلال پور کملانہ کی آبادی اسی قبرستان میں میت دفن کرتی ہے، آپ حضرت شاہ جیونہ کی اولاد ہیں۔

پیر محمد حسین شاہ گیلانی | آپ قادری سلسلہ کے ولی اللہ تھے، مزار جھنگ خوشاب روڈ پر ماچھیوال کے قریب تھل میں ہے آپ کا اصل وطن سلیانہ تھا، اس علاقہ میں آپ کے ہزاروں عقیدت مند موجود ہیں، آپ کا خاندان علمی و روحانی لحاظ سے بڑا مشہور ہے۔

فقیر اللہ جوایا شاہ | آپ قصبہ پیر کوٹ سدھانہ کے نزدیک مدفون ہیں۔

پیر محمد احسن | آپ ضلع ساہیوال کے باشندے اور قوم ہانس کے فرد تھے، مرشد کے ایما پر سیالوں کے عہد میں جھنگ شہر میں وارد ہوئے، مزار جامع مسجد میاں دلو کے قریب موجود ہے۔

بوہیر گل شاہ | اس نام کے بزرگ کا مزار جھنگ شہر میں ہے، جس کا انتظام گیلانی سید کرتے ہیں۔

مدان شاہ | جھنگ شہر میں گندہ نالہ کے پار اس نام کا مزار ہے۔ قریبی محلہ بھی اسی نام

سے موسوم ہے،

شاہ شریف آپ حضرت غوث بہاؤ الحق ملتانی کی اولاد میں صاحبِ کمال بزرگ تھے مزار مبارک موضع بلو کے نزدیک ٹھٹھی رحموں میں واقع ہے

سندھو کامیناں ماڑی شاہ سخیرا میں اس نام کا مزار موجود ہے' اہلِ علاقہ آپ کے مزار پر منتیں مانتے اور مرادیں حاصل کرتے ہیں۔

نبی شاہ آپ ٹبہ کوملہ ساحل جہلم (تحصیل جھنگ) میں مدفون ہیں، جہاں آپ کی اولاد کھیتی باڑی کرتی ہے، علاقہ کے لوگ حلف وغیرہ میں آپ کا نام زبان پر لاتے ہیں۔ عرس ہر سال ۱۴ ہاڑھ کو منایا جاتا ہے'

فتح شاہ موضع چاندنہ کے قریبی قبرستان میں آپ کا مزار موجود ہے۔

سید میاں چوہڑ آپ کا مزار بھی مندرجہ بالا قبرستان میں ہے۔

پیر گھبو شاہ ہاشمی آپ کا مزار احمد آباد بلوچاں نزد قصبہ کوٹ شاکر میں موجود ہے

میاں مسافر آپ کا اصل نام معلوم نہیں، مزار متذکرہ صدر مقام پر ہے۔

پیر ولایت شاہ آپ سادات باہرہ کے فرد اور عبدالوہاب بوٹی کے خلیفہ تھے' مزار بستی ساجھر میں واقع ہے' ترک قبیلہ آپ کا مرید ہے' مرغ کا گوشت آپ کی مرغوب غذا تھی

سید نور شاہ آپ کا مزار بھی بستی ساجھر میں مرجع خلائق ہے' گنٹھیا اور ریح کے مریض عموماً مزار پر حاضری دیتے ہیں۔

کتابیات

اُردو انسائیکلوپیڈیا۔
انڈین گزیٹیر۔
اولیائے ملتان، از سید اولاد علی گیلانی۔
اولیائے لاہور، از ڈاکٹر سید محمد عبداللطیف
اولیائے سیالکوٹ۔
البیرونی۔
اکبر کا دینِ الٰہی۔
اکبری عہد کے مورخین پر ایک نظر،
احسن المقال
آبِ کوثر از شیخ محمد اکرام
پنجابی قبائل
تمدنِ ہند۔
تزکِ بابری۔
تاریخ ہند، از الفنسٹن گورنر بمبئی
تاریخِ فرشتہ۔
تاریخِ پنجاب۔ از ڈاکٹر محمد باقر
تاریخ پنجاب، از ڈاکٹر سید محمد عبداللطیف
تحقیقاتِ چشتی۔ از نور احمد چشتی
تحقیق الفقرا۔ سید حسن ناصر۔
تحفۃ الابرار۔
تذکرۃ الاولیاء۔
تذکرہ صوفیائے سندھ۔
جہاں گیر کے سیاسی فیصلے۔
خطوط سعد اللہ خاں۔
خزینۃ الاصفیا۔
ذکر الصالحین از مولانا احمد یار مرالی۔
رودِ کوثر۔ از شیخ محمد اکرم۔
رقعاتِ عالم گیری۔
سوانح پیر عبدالغفور
سوانح سلطان محمود غزنوی
سفرنامہ ابنِ بطوطہ۔
سفرنامہ ڈاکٹر برنیر،
سلطان حیدر علی از رشید اختر ندوی۔
سیر العاشقین
شاہ جہاں کا روزنامچہ

علمائے ہند کے کارنامے،

علمائے ہند کی جدوجہد۔

عرس اور میلے، از امان اللہ سرحدی۔

غنیۃ الطالبین

کرسی نامہ از مولوی غلام حسین فاضل مطبوعہ ۱۹۳۶ء

کتابچہ حضرت شاہ جیونہ، از محمد مبارک علی شاہ

کاغذات بندوبست مال سنہ ۱۸۶۰ء

گلزار قادری۔

گزیٹیر ز اضلاع جھنگ، ملتان، میانوالی

ماثر لاہور

ماثر الامرا

موجِ کوثر از شیخ محمد اکرام

ملفوظات مادھو لال حسین

ملفوظات حضرت قطب علی شاہ

مشائخ ہند۔

مضامین مولوی نور احمد فریدی۔

مناقب سلطانی۔

نشانِ حیدری از سید علی حیدر

ہندوستان بعہد لودھی خاندان

ہمایوں نامہ

ہمایوں کی ناکامی

ہسٹری آف میسور از کرنل ولکس

رسائل

ماہنامہ تبصرہ، لاہور فائل ۱۹۶۴ء

نقوش لاہور نمبر۔

المنیر جھنگ ہفت روزہ

روزنامہ نوائے وقت، ۱۷ ستمبر ۱۹۶۴ء

آجکل دہلی ۱۹۴۷ء

رسالہ اورنگ شاہی (سلطان باہوؒ)

رسالہ نظام المشائخ دہلی ۱۹۰۹ء تا ۱۹۲۳ء

نسب نامے

شجرہ مجددیہ

شجرہ سادات بخاری

شجرہ سادات شیرازی

شجرہ قادریہ

(مشاہد حسن رضوی کاتب)